سراج انور

بیسویں صدی پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، نئی دہلی ۲

نام کتاب ـــــــــــ آرزو
مصنف ـــــــــــ سراج انور
ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن ـــــ پہلی بار ۱۱۰۰ ـــــــ جولائی ۱۹۸۵ء
مطبوعہ ـــــــ شالیمار آفسیٹ پریس، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
قیمت ـــــــ تیس روپے
ناشر ـــــ بیسویں صدی پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

ARZOO ___ by SIRAJ ANWAR
PRICE ___ Rs.30/-

حرفِ اوّل

میرے بیشتر ناول پہاڑی مقامات کے پس منظر میں لکھے ہوئے ہیں۔ شاید مجھے یہ مقامات اور یہاں کے مکین اس لیے پسند ہیں کہ وہ بہت صاف دل اور کم گو ہوا کرتے تھے۔ بےحد غریب لیکن دل کے بہت امیر۔ میں نے بذاتِ خود پہاڑوں کی بہت خاک چھانی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جنت ایسی نہیں تو بس اس سے کچھ بہتر ہی ہوگی۔ سکون تنہائی اور یکسوئی کی ان کوہساروں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت وہاں گذارا جائے۔ مگر شہری لوگوں کے پاس فرصتیں ارزاں کب ہوتیں ہیں۔ دل مسوس کر واپس آجانا پڑتا ہے۔ لیکن ان مقامات کی یاد اور دوبارہ وہاں جانے کی تمنا دل کو ہمیشہ تڑپاتی رہتی ہے۔

اپنے ایک فلمساز دوست کے ساتھ ایک بار میں پنڈاری گلیشیر زگیا، وہاں برفانی سلسلہ کوہ اتنا قریب ہے کہ یقین نہیں آتا کہ ہم برف کے اتنے نزدیک آگئے ہیں! جان لیوا ٹھنڈ بھی اچھی لگتی ہے۔ گنگناتے ہوئے جھرنے اور آبشاریں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اب تک ہم کہاں سوئے ہوئے تھے جو اس پرُفضا جنتِ ارضی سے دور رہے۔ کوسانی جو ہندوستان کا سوئٹزرلینڈ کہلاتا ہے، پنڈاری گلیشیرز سے بہت پہلے پڑتا ہے۔ میں یہاں کئی ہفتے تک ایک سرکاری سرکٹ ہاؤس میں فلم والوں کے ساتھ رہا۔

سرد راتوں کو جب فلم کی شوٹنگ ہونی تقریباً ناممکن سی ہوتی تھی میں اپنے کمرے میں لحاف کے اندر دُبکا ہوا اس ماحول سے میل کھاتی ہوئی ایک کہانی کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا۔ راتوں کو جو فرصتیں فراہم ہوتیں ان میں میں اس ناول کے تانے بانے بُنتا رہتا۔ اور آخرکار میں ایک عمدہ اور موثر کہانی تصور کے اوراق سے چھین لینے میں کامیاب ہو ہی گیا ـــــ یہ ناول 'آرزو' انہی ایام کی دین ہے۔ جس قسم کا پلاٹ میں چاہتا تھا وہ مجھے مل

گیا۔ پہاڑوں کی طرح اس میں اَن گنت نشیب و فراز بھی آتے ہیں اور پہاڑی سڑکوں کی طرح لاتعداد موڑ بھی۔

پہاڑ کی ڈھلانوں پر بسے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں، میں بہت گھوما ہوں اور میں نے عجیب و غریب معصوم لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ امیر زمین داروں کو ان کا استحصال کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ کمسن لڑکیوں کی سہمی ہوئی محبت کی داستانیں بھی سنی ہیں۔ چنانچہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لازوال محبت، سلگتے ہوئے دلوں کی عجیب داستان، واقعات کے توڑ موڑ اور زیر و بم اور مختلف کرداروں پر بھرپور نظر اس ناول کا خاصہ ہے۔

عامر، کوثر، اسلم، شوکت اور گوداوری جیسے کردار آپ کے لیے شاید نئے نہ ہوں کیونکہ آپ یقیناً اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں ان سے ضرور مل چکے ہوں گے۔ ایسے کردار ہماری دنیا میں ہر مقام پر موجود ہیں۔ یہ ناول ترمیم اور اضافے کے بعد بیسویں صدی کی فرمائش پر دوبارہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ یقینِ کامل ہے کہ یہ آپ کو پسند آئے گا۔

سراج انور
یکم جولائی ۱۹۸۵ء
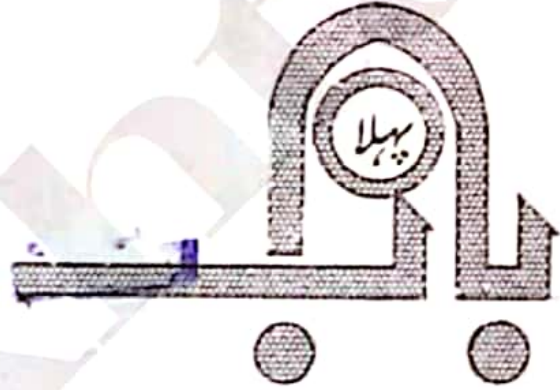
عمودی، لیکن چکر دار سڑک پر مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی بس دھوئیں کے غلیظ بادل چھوڑتی ہوئی اوپر ہی اوپر بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک طرف غرور سے سر اٹھائے اور سینہ تانے ہوئے پہاڑ تھے اور دوسری طرف نشیب اور پستی! ڈھلان پر چیڑ کے درخت بے ہنگم طریقے پر منہ اونچا کیے کھڑے تھے۔ ان درختوں کے آس پاس خود رو پھول اُگے ہوئے تھے۔ مختلف رنگوں کے دل آویز پھول۔ اور ان ہی پھولوں کے درمیان میں سرخ رنگ کا وہ پھول بھی تھا جو عامر کی زندگی کے ویرانوں میں کھلا تو بیشک لیکن اس کی دسترس سے دور رہا——!

کوثر کے احمریں لبوں کی ..... سی پنکھڑیوں والا گلاب کا پھول، جو مستقبل میں عامر کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کر گیا۔ اس وقت ایک پہاڑی مزدور کی تنہا جھونپڑی کے باہر اُگا ہوا تھا۔

بس ایک موڑ گھوم کر آگے بڑھ گئی تو جنت کا وہ ننھا سا گوشہ عامر کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور تب سفید سانپ کی مانند رینگتی ہوئی وہ سیمابی ندی پھر سے دکھائی دینے لگی جو چند لمحوں پہلے چیڑ کے قد آور درختوں کے عقب میں جا کر روپوش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں جوش اور مسرت سے چمک اٹھیں۔ کتنے کیف آگیں لمحات ہیں۔ کتنی بھرپور خوشی ہے۔ بھلا شہروں میں یہ خوشی کب میسر آتی ہے!

اس وسیع دنیا میں سوائے ایک بوڑھی ماں کے اور کوئی اس کا ہمدرد نہیں تھا۔ چھوٹا سا گھر، قلیل سی آمدنی اور ہزاروں آفات کا سامنا۔ کچھ اس کا ہی دل جانتا تھا کہ کس طرح عمر کے بیس سال اس نے بسر کیے تھے! ماں نے سلائی کر کے اور خود اس نے کالج سے آنے کے بعد ٹیوشن

کر کے اپنے پیٹ کی دوزخ بھری تھی۔ ماں کی انگلیوں میں ہزاروں ــــــ چھید ہو گئے تھے اور خود اس کی پلکیں نیند کے خمار سے بوجھل رہنے لگی تھیں۔ کالج سے واپسی پر وہ اتنا درماندہ ہوتا تھا کہ لڑکوں کو پڑھانے سے اسے وحشت ہونے لگی تھی۔ مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

چھوٹے سے کمرے میں لگی ہوئی اپنے والد کی رنگین اور قد آدم تصویر کو حسرت سے دیکھنے کے بعد ہی وہ روزانہ کالج کے لیے روانہ ہوا کرتا تھا۔ ماں ایسے وقت اسے مسرت اور غرور کے ملے جلے انداز میں دیکھتی تھی اور اس کے چلے جانے کے بعد ساری کے پلّو سے آنکھوں کے گوشے پونچھ لیتی تھی۔

ہمت اور عزم بیشک جواں تھا مگر غربت نے اس کے سب کس بل نکال دیے تھے۔ وہ اور پڑھنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ غیر ممالک میں پڑھنے کے لیے جائے۔ مگر بی۔ اے کرنے کے فوراً بعد ہی اُسے سلسلۂ تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا۔ اسے وظیفہ مل رہا تھا۔ مگر وظیفہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ باہر جانے کے لیے عمدہ کپڑے بھی ہونے چاہئیں۔ وہ اگر پیٹ کاٹتا تو کپڑے بن جاتے۔ لیکن کپڑے اور لباس کی طرف دھیان نہ دیتا تو صرف دو روٹیاں زندگی کا سہارا بنتیں۔ اور آج کی دنیا میں دو روٹیاں کتنی اہمیت رکھتی ہیں۔ عامر کے طبقے کے سبھی لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔

یہی بنیادی وجہ تھی کہ اسے مزید تعلیم سے کنارہ کش ہونا پڑا اور ٹیوشن پر زیادہ توجہ دینی پڑی۔ دوسری بڑی وجہ اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹ دینے کی یہ بھی تھی کہ اگر وہ باہر چلا جاتا تو اس کی ماں کا کیا ہوتا ــــ ماں جو اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی اور اونچی ہستی تھی ــــ!

پہاڑوں کی گہرائیوں میں رینگتی ہوئی ندّی کو وہ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا ــــ کتنا تلاطم ہے اس میں ــــ اس کی دودھ جیسی لہریں پتھروں سے ٹکرا کر کیسی جل ترنگ سی بجا دیتی ہیں ــــ! کہاں سے آ رہی ہوگی یہ ندی اور کہاں جا رہی ہے؟ ایسے ہی بے معنی سوالات اس کے دماغ میں کلبلا رہے تھے۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کوثر کی مانگ بھی تو ہو بہو اس ندی جیسی ہی ہے۔ بالکل سیدھی اور ہموار ــــــ نہ جانے اس وقت وہ کیا کر رہی ہوگی؟ کیا اس کے دل میں میرا تھوڑا بہت خیال ہوگا یا نہیں ــــ؟

کوثر کا خیال آتے ہی دل سے ایک ہوک سی اٹھی ــــ اُفوہ، کتنی خودسر اور مغرور لڑکی ہے وہ! کالج کے اَن گنت لڑکے اس پر فدا ہیں مگر اتنی ضدی ہے کہ کسی کو خاطر میں لاتی ہی نہیں۔ پہلے پہلے عامر نے اس سنگ دل کو دور ہی دور سے دیکھنے پر اکتفا کی۔ پھر ایک آدھ بار

قربت حاصل کرنے کی بھی سعی کی ـــ مگر سب بے سود۔ اس بے مہر پر اتنا سا بھی اثر نہیں ہوا۔ انسانی فطرت ہے کہ جس شے کے لیے اگر کوئی پریشان ہو اور وہ چیز اس سے دور ہوتی جائے تو کشش اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔

دورانِ تعلیم، عامر اس حسن کی مورت کو دیوی مان کر اس کی خاموش پرستش کرتا رہا حالانکہ وہ مردانہ حسن کا مکمل ترین نمونہ تھا لیکن غربت کے باعث وہ بھڑکیلے سوٹ نہیں پہن سکتا تھا۔ نت نئی ٹائیاں لگا کر کالج نہیں آسکتا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کسی کو رجھانے کے گر کیا ہوتے ہیں؟ وہ تو محض ایک سیدھا سادا سا نوجوان تھا۔ ایسا نوجوان جو معمولی کھدر کے کرتے پاجامے اور جاکٹ میں ہمیشہ دوسروں کو جامہ زیب نظر آیا۔ اب کوثر کا معیار ہی نرالا ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟

کوثر نے اسے کبھی بہ نظرِ التفات نہیں دیکھا۔ اس کی بے رخی نے عامر کو اس کا اور گرویدہ بنا دیا۔ مگر یہ گرویدگی صرف یہیں تک محدود رہی۔ وہ جب کبھی اس کے قریب سے گذرا اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ قوتِ گویائی سلب ہو گئی اور نظریں جھک گئیں۔ رازِ دل زبان پر آ ہی نہ سکا۔ آتا بھی کیسے۔ عامر جیسے شرمیلے اور محتاط نوجوان سے کسی کو بھی یہ توقع نہیں تھی۔ لہٰذا احساسِ محرومی نے اسے پے درپے شکست دی اور فائنل امتحان کے بعد وہ ڈگری لے کر گھر آگیا۔ یہ کاغذ کا ایک تختہ دراصل اس کی اب تک کی محنتوں کا ثمرہ تھا۔ اس کی انتھک جدوجہد کا انعام تھا۔ فرسٹ ڈویژن کے باوجود وہ کاغذ کے اس ٹکڑے کو سینے سے لگا کر در در بھٹکتا پھرا۔ مگر ملازمت کے دروازے اس کی روٹھی ہوئی تقدیر کی مانند بند رہے۔ متواتر ایک ماہ کی تگ و دو کے بعد وہ ہمت ہار کر بیٹھ گیا اور شاید یونہی دل شکستہ بیٹھا رہتا اگر اسلم اپنی بذلہ سنجی سے اسے نہ جگاتا۔

اسلم ایک نہایت ہی معقول ترین خاندان کا نہایت نامعقول فرد تھا۔ لفظ نامعقول یہاں اُن معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عموماً استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ گفتگو طور طریقے اور رکھ رکھاؤ کے سلسلے میں استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل اسلم اتنا بذلہ سنج اور معقول انسان تھا کہ عامر کو ہمیشہ نامعقول ہی نظر آیا اور وہ اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہی سمجھتا رہا۔

اسلم خود بھی درمیانہ طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور چھوٹی موٹی سی جائداد کا مالک تھا لہٰذا فراغت سے گذر اوقات ہو جاتی تھی۔ عامر نے جب مزید تعلیم کا ارادہ ترک کر دیا تھا تو اسلم کو اس سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس نے مذاقاً یہ بھی کہا تھا کہ چھوٹے سے سرمائے سے وہ دونوں مل کر پان بیڑی کی ایک دکان لگا لیتے ہیں۔ لیکن عامر نے اس پر جواب دیا تھا

کہ اگر ایسی ہی آلو چھولے اور پان بیڑی کی دکانیں لگانی تھیں تو پھر بی۔ اے کرنے کا فائدہ ہی کیا تھا؟

اس کی شوریدہ سری دیکھ کر ہی اسلم نے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک آدھ ماہ کے لیے وہ دونوں کسی پہاڑ پر چلتے ہیں۔ آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہاں کسی نوکری سے بھی سابقہ پڑ جائے۔ عامر نے پہلے تو ٹال مٹول کی۔ کیوں اس کی جیب بالکل خالی تھی۔ لیکن جب اسلم نے اس کی کمر پر متواتر دس پندرہ گھونسے جما دیے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم دونوں الگ الگ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہیں تو عامر کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

انجام کار چند ہفتے کے بعد وہ دونوں کاٹھ گودام سے اوپر چڑھ رہے تھے۔ انھیں الموڑہ جانا تھا، فاصلہ کافی تھا اور اسلم یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ عامر جیسے احمق اور کم گو آدمی کے باعث یہ فاصلہ اور بھی طویل ہو جائے۔

"کیا دیکھ رہا ہے یار ـــــ؟" اس نے عامر کو چھیڑا۔

"خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا ـــــ "یہ دیکھ رہا ہوں کہ مجھ جیسا پست انسان آج کتنا بلند ہو گیا ہے؟"

"یار یہ احمقانہ باتیں ذرا کم کیا کر۔ یہاں ہم تفریح کرنے آئے ہیں یا فلسفہ بگھارنے؟"

"تفریح ـــ!" عامر طنزیہ طور پر مسکرایا ـــــ "ہم دونوں اگر دھوپ کے تعاقب میں بھاگتے رہیں تو کیا اُسے پکڑ سکیں گے؟"

"اُسے پکڑ سکیں گے یا نہیں یہ تو میں بتا نہیں سکتا۔ البتہ واپس دلّی جانے والی بس کو ہم اگلے سٹاپ سے ضرور پکڑ سکیں گے۔" اسلم نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "تیری بے سر پیر کی باتوں سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے گھور گھور کر مت دیکھو۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دے بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ـــــ ہاں ـــــ"

"تم غلط کہہ رہے ہو ـــــ" عامر نے متبسم لہجے میں کہا۔

اسلم نے گھور کر دیکھا۔ عامر اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور پھر اس ہنسی میں اسلم بھی شامل ہو گیا۔

عامر اسلم کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ بات بات پر ناراض ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے اُس کے تکیہ کلام (جس کے بارے میں عامر کا خیال تھا کہ گاؤ تکیہ کلام ہے) کو اگر کوئی ٹوک دے یا پھر درمیان میں الفاظ کا لقمہ دے دے تو سمجھ لیجیے کہ اس

کی شامت آگئی۔ "اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔" اتنا لمبا چوڑا فقرہ اسلم کا تکیہ کلام تھا۔ لہٰذا اس موقع پر بھی عامر نے اس کی دُکھتی ہوئی رگ چھیڑی تھی اور انجام کار اسلم کے چہرے پر برہمی کی شکنیں دیکھ لی تھیں۔

کوثر کی پریشان لٹوں کی طرح بل کھاتی ہوئی پتلی سی سڑک، اونچے اونچے پہاڑوں کے سینے میں بڑھتی چلی جا رہی تھی ——— ایک لہراتی ہوئی ناگن کی طرح ——— عامر کے سینے میں بل کھاتے ہوئے غم انگیز دھوئیں کی طرح ——— بس برابر بلندی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُس کا بس نہ چلتا تھا کہ کسی گنگناتے ہوئے تیز رو چشمے کے کنارے، بس سے کود کر پہنچ جائے ——— یا پھر پہاڑ کی کسی کھوہ میں سے نکلنے والے شیریں اور خنک جھرنے کے پتھروں پر جا کر سجدہ ریز ہو جائے ———!

سال کے تناور درختوں سے ہوا سرگوشیاں کر رہی تھی۔ سرمئی رنگ کے ہلکے پھلکے بادلوں کے ٹکڑے تیرتے ہوئے آتے اور سڑک کو اپنی آغوش میں لے لیتے۔ دھوپ میں چمکتی ہوئی پہاڑوں کی بلند پیشانی اسے کوثر کی صندلی جبیں کی یاد دلا دیتی ——— وہ پھر افسردہ ہو جاتا ——— ایک طویل ٹھنڈی سانس بھرتا اور بس میں بھرے ہوئے مختلف مسافروں کو بے مدعا دیکھنے میں مصروف ہو جاتا۔

الموڑہ تک کا طویل سفر آخر کس طرح کٹتا؟ ان پہاڑوں کے تو چپے چپے پر کوثر کے حسن کی چھاپ تھی۔ وہ جس سمت بھی نظر ڈالتا۔ کوثر غیر مرئی طور پر اسے نظر آجاتی۔ معطر ہوائیں جیسے کوثر کے بالوں کو چھو کر ہی ان اطراف میں آئی تھیں۔ کالے کالے بادل جیسے اس کے گیسوؤں کو دیکھ کر اُمڈ آتے تھے۔ گھٹاؤں کی سیاہی گویا اسی کی آنکھوں سے مستعار لی گئی تھی۔ غرض وہ جس طرف بھی دیکھتا، اسے کوثر ہی کوثر دکھائی دیتی۔

کوثر، جس کے بارے میں اس کی معلومات صرف اتنی تھیں کہ وہ کسی امیر ابنِ امیر کی نہایت ہی مغرور اور حسین لڑکی ہے۔ جو کالج میں چلتی ہے تو لاتعداد دل اس کے قدموں تلے آکر کچل جانے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جس کی بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں عجیب سی مستی ہے۔ اس نے عامر کے خوابوں کے دروازے پر آکر بار ہا دستک دی تھی۔ اور وہ اس دستک کو اپنے دل کی دھڑکن سمجھتا رہا۔

وہ دنیا و مافیہا سے لاتعلق، کھڑکی سے باہر نظر آنے والے مناظر کو دیکھ رہا تھا۔ اور اُدھر اسلم اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ غصّے کے ساتھ ساتھ اسے عامر پر رحم بھی آرہا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ تلاشِ معاش کے لیے کتنا پریشان

رہا ہے۔ لڑکوں کی ٹیوشن کے ساتھ ہی اس نے راتوں کو موٹر مکینک کا کام بھی سیکھا تھا۔ اس کی شب و روز کی محنت دراصل اس کی صحت پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی۔ اسلم خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ کس قدر چپ چپ اور اداس سا نوجوان ہے۔ کیا اس کی زندگی کے اندھیروں میں مسرت کا سورج بھی کبھی طلوع ہوگا۔ یا یہ یونہی دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہے گا؟

ادھر عامر اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ پہاڑ پر جارہا ہے اور کوثر اب اس سے بہت دور پیچھے رہ گئی ہے ـــــ مگر یہ کم بخت مناظر تو بار بار اسی کی یاد دلا رہے ہیں۔ ان مناظر میں چونکہ حسن تھا اور حسن کی مادی صورت کوثر تھی، لہٰذا وہ اس کے حواس پر بری طرح چھائی جارہی تھی ـــــ!

اُسے وہ دن اچھی طرح یاد تھے جبکہ کالج کے احاطے میں کوثر اور اس کی سہیلیوں کے قہقہے گونجا کرتے تھے۔ طالب علم بھی ان قہقہوں میں اپنا سُر ملاتے۔ تتلیاں محوِ پرواز رہتیں اور بھونرے منڈلاتے رہتے۔ عامر خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہتا۔ وہ گھٹی گھٹی طبیعت والا شرمیلا سا نوجوان اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا؟

بھونرے تتلیوں کا تعاقب کرتے ـــــ اور وہ لان میں نیم دراز کوثر کو اٹکھیلیاں کرتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ نظروں کی عطا کردہ یہ عارضی تسکین ہی اُس کی زندگی تھی۔ اس نے کبھی یہ نہ چاہا کہ اُسے کوثر کی قربت حاصل ہو۔ وہ اس کی ہمت ہی نہیں کرسکتا تھا۔ کوثر کی کمان جیسی ابروئیں اسے ہر لحظہ خوف زدہ رکھتیں۔ ایک دوبار ایسا ہوا ضرور کہ وہ اس کے بیحد قریب سے خوشبوئیں بکھیرتی ہوئی گذر گئی۔ لیکن ایسے موقع پر عامر پر اتنی خود فراموشی طاری ہوئی کہ وہ پتھر کی مورت بن کر کھڑا رہا۔

موم کو کسی بھڑکتے ہوئے شعلے کے قریب لے جانے سے جو حالت ہوسکتی ہے وہی عامر کی ہوتی۔ اندر ہی اندر جلنے والے اس بے بس پجاری نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ من مندر کی اس دیوی کے گلے میں عقیدت کی مالائیں چڑھا دے۔ اسے اپنے سامنے بٹھالے ـــــ اور پھر گھنٹوں ـــــ پہروں بلکہ سالوں تک، اسے تکتا رہے۔

مگر بے بسی کا احساس ـــــ! یہ کسی کو چین نہیں لینے دیتا ـــــ
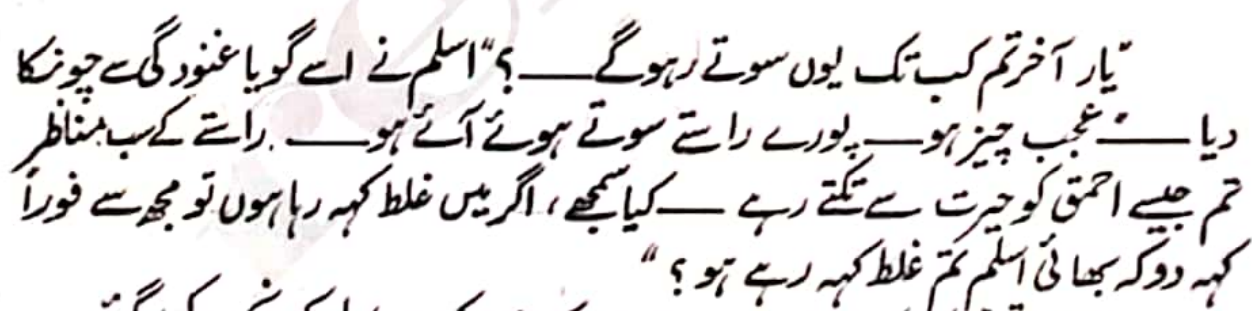
"یار آخر تم کب تک یوں سوتے رہو گے ۔۔۔؟" اسلم نے اسے گویا غنودگی سے چونکا دیا ۔۔۔ "عجب چیز ہو ۔۔۔ پورے راستے سوتے ہوئے آئے ہو ۔۔۔ راستے کے سب مناظر تم جیسے احمق کو حیرت سے تکتے رہے ۔۔۔ کیا سمجھے، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو؟"

"نہیں تم ٹھیک کہہ رہے ہو ۔۔۔" عامر کے اتنا کہتے ہی اسلم کی باچھیں کھل گیئں۔

"رانی کھیت تک بس نہیں گئی۔ چھوٹی بڑی کوسی ندیاں جس جگہ پل کے پاس مڑتی تھی نا بس وہیں سے کیرانہ روڈ نئی نکالی گئی ہے ۔۔۔ یعنی یہی جس پر بس چل رہی ہے۔ بس اب ہم کچھ ہی دیر میں الموڑہ پہنچنے والے ہیں۔

"او ہو ۔۔۔ ہم اتنی جلدی آ گئے؟" عامر کو واقعی تعجب ہوا۔

"سوتے جاگتے کا قصہ ہوا ہے میرے یار۔ تم سوئے کہاں تھے اور جاگے کہاں ۔۔۔ کیوں ۔۔۔؟" اسلم نے قہقہہ لگایا ۔۔۔ "اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے ۔۔۔"

فقرہ پورا اس لیے نہیں ہوا کہ عامر نے جان بوجھ کر اس کی توجہ ایک قدرتی آبشار کی طرف مبذول کرا دی تھی۔ آبشار اور صرف آبشار، یہ اسلم کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ اور صرف آبشار دیکھنے کی خاطر ہی وہ عموماً پہاڑوں پر آیا کرتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد بس ایک طویل موڑ گھوم کر الموڑہ کی آبادی والے علاقے میں داخل ہو گئی۔ خوبصورت سا صاف ستھرا اور سادہ سا علاقہ تھا۔ پہاڑی مزدور اپنی بغیر پلکوں کی آنکھوں سے حسرت کے ساتھ بس کو تک رہے تھے۔ الموئیم کے نمبر ہاتھوں میں لیے یہ

مزدور مسافروں سے التجا کر رہے تھے کہ وہ اُنھی کو سامان اٹھانے کے لیے منتخب کریں۔
عامر کے دل میں جذبہ ترحم جاگ رہا تھا۔ وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو چیتھڑے پہنے دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر چار مزدوروں کے نمبر لے لیے۔
"ارے بھائی ایک ہی مزدور کا نمبر لو یار ——" اسلم نے گھبرا کر کہا۔ "ہمارے پاس سامان ہے ہی کہاں جو چار آدمیوں کی ضرورت پڑے گی —— کیوں، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو؟"
"تم بعض دفعہ نامعقول انسانوں کی سی باتیں کرتے ہو اسلم" عامر نے کہا۔ "ہمارا سامان مختصر سہی لیکن یہی مختصر سامان ہم ان چاروں میں بانٹ دیں گے۔"
اس سے پیشتر کہ اسلم مزید کچھ کہتا بس رک گئی اور عامر جلدی سے باہر آگیا۔ اسلم منہ بنائے ہوئے بس سے نیچے اترا.... اور مزدوروں کو تیوری چڑھا کر دیکھنے لگا۔ جواب! عامر کے کہنے پر سامان آپس میں بانٹ رہے تھے۔ دو بستر بند اور دو اٹیچی کیس تھے۔ لہٰذا ہر ایک کے حصے میں ایک ایک چیز آگئی۔
ایک معمولی سے ہوٹل میں انھوں نے قیام کیا۔ چھوٹا سا کمرہ ان دونوں کے لیے کافی تھا۔ مزدور بڑے خوش خوش گئے، کیونکہ عامر نے انھیں اسلم سے اچھی خاصی رقم دلوادی تھی۔ جس وقت وہ دونوں المورہ پہنچے تھے شام سر پر آگئی تھی۔ ہوٹل میں مقیم ہوتے ہوتے بھی رات ہوگئی —— اور پھر پہلی بار عامر نے سکوت کا لطف اٹھایا۔
اس سرے سے اس سرے تک پورا ماحول سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ بہت دور شمال کی سمت برفانی چوٹیاں گہری کہر میں چھپی ہوئی نظر آتی تھیں۔ عامر کو یوں لگا گویا کوئی شرمیلی دُلہن گھونگھٹ کی اوٹ سے جھانکنے کی کوشش کر رہی ہے۔
چیڑ کے درختوں کی جاں فزا مہک اور اس کے پتوں سے ہوا کے سرگوشیاں کرنے کی مدّھم آواز —— ! عامر کا رواں رواں مسرّت کے بوجھ تلے دب گیا۔ یہ سکوت، یہ دلآویز خاموشی، یہ حسین ماحول بھلا ہموار علاقوں میں کہاں مل سکتا ہے !
سیاہ پہاڑوں کے عقب سے زرد چاند طلوع ہوا —— کافی بڑا چاند —— عامر کو یہ چاند دیکھ کر بہت اچنبھا ہوا کہ شاید وہ دنیا کے کسی اور ہی ان دیکھے خطے میں آگیا ہے۔ ورنہ زمین پر یہ چاند کتنا چھوٹا سا نظر آتا تھا —— ! کوثر اسے رات بھر خواب میں آ آ کر پریشان کرتی رہی۔ اس نے کروٹیں بدل بدل کر صبح کی۔ آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کھڑکی میں سے نظر آنے والا برفانی سلسلۂ کوہ بےحد دلفریب تھا۔

آسمان میں قدرت نے چاندی کے نوکیلے تیر سے جڑ دیے تھے اور سورج کی نارنجی کرنیں ان پر گویا سونے کا ملمع کر رہی تھیں۔ ان برفانی چوٹیوں کے قدموں میں سرمئی رنگ کے بادل سجدہ ریز تھے۔ ہوا میں اتنی خنکی اور ایسی روح پرور تازگی تھی کہ عامر جھوم اٹھا۔ اس نے جلدی سے کمبل ایک طرف پھینکا اور اسلم کو آواز دی۔

"یار تجھے میری عادت معلوم نہیں؟" اسلم نے کہا۔ "میں روز صبح پانچ بجے اٹھنے کا عادی ہوں۔ اب دیکھ لو مجھے ——"

"ہاں تم تو بالکل تیار دکھائی دے رہے ہو —— کہیں جا رہے ہو کیا ——؟" عامر نے اُسے اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا تفریح کا موڈ ہے۔ باہر سیر کے لیے جا رہا ہوں۔"

"بھئی بالکل میرے منہ کی بات چھین لی تم نے —— بس میں بھی ابھی ایک منٹ میں تیار ہوا جاتا ہوں۔" عامر تیزی سے غسل خانے کی طرف لپکا۔

"میرے یار پہاڑوں پر سیر کے علاوہ اور رکھا بھی کیا ہے۔ دلّی میں اپنے ڈربے میں بند تھے اور یہاں کم از کم آزادی کا سانس تو لے رہے ہیں۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم ...."

"نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عامر نے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "پہاڑ پر آ کر تو تم کوئی غلط بات کہہ ہی نہیں سکتے ——"

"بالکل درست —— لیکن جناب آخر یہ چکّر کیا ہے۔" اسلم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا —— "تم جیسا ہر وقت کا بسورنے والا اور شوریدہ سر آدمی یہاں آکر چہکنے کیوں لگا ہے؟"

"سچ پوچھتے ہو اسلم تو مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔"

"اماں ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ پورے علاقے کو اپنی پیدل سواری کے ذریعے کھوج ڈالیں گے۔ پھر تم کہوگے کہ فردوس بروئے زمیں است —— سمجھ گئے نا۔"

"خوب اچھی طرح سمجھ گیا —— آؤ چلو ناشتہ کہیں باہر ہی کرلیں گے۔"

ایک طویل سڑک پر چلتے ہوئے عامر یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے زندگی میں کوئی حماقت کی ہے تو صرف یہی کہ وہ اب تک اس حسین مقام پر کیوں نہ آیا تھا یہ معصوم فرشتوں کی سرزمین، سیدھے سادے خوش اطوار انسانوں کا مسکن اب تک کیوں اس سے پوشیدہ تھا؟ وہ سڑک پر چلتے ہوئے بائیں طرف نظر آنے والے

جاتا نظر دکھا جارہا تھا۔ ایک آدھ بار کسی راہ گیر سے ٹکرا بھی گیا تھا۔ اس نے فوراً جھک کر معافی مانگ لی تھی اور مقامی آدمی مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

سڑک آہستہ آہستہ بلند ہوتی جارہی تھی۔ جس مقام پر عامر اور اسلم کھڑے ہوئے تھے درحقیقت وہ سطحِ سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند تھا مگر عامر کو ضد تھی کہ وہ دائیں طرف کی پہاڑی سڑک پر ضرور جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ بلندی بھی دوسری اونچائیوں کے مقابلے میں پستی ہی نظر آرہی تھی۔ دائیں طرف والے پہاڑ پر چڑھنے کے بعد محسوس ہوگا کہ وہ زیادہ بلندی پر آگیا ہے۔

یہی بات سوچ کر وہ دائیں طرف والی سڑک پر ہولیا اور اس سیدھی سڑک کو چھوڑ دیا جو آگے جارہی تھی۔ اسلم پیدل چلنے کے معاملے میں بہت ہمت والا انسان تھا۔ عامر اسے بار برداری کے گدھے سے تشبیہہ دیا کرتا تھا مگر اسلم نے کبھی اس خطاب کا برا نہ مانا تھا۔ اس کے خیال میں آج عامر پر بھی یہ تشبیہہ پوری اترتی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

جلد ہی وہ دونوں اس مقام پر آگئے جہاں سے نچلی سڑک ایک پتلی سی پگڈنڈی دکھائی دیتی تھی۔ ان کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور وہ سستانے کے لیے وہیں ایک ڈھلان پر بیٹھ گئے۔ عامر اس وقت خود کو سب سے بلند و اعلیٰ محسوس کر رہا تھا۔ خدا اب اس سے کتنا نزدیک ہے۔ اگر وہ کوئی تمنا کرے تو کیا خدا اس کی سنے گا؟

خدا مصیبت میں اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے۔ اس کا انکشاف بھی فوراً ہی ہوگیا۔ پورے حسین منظر کو ندیدوں کی طرح دیکھتے رہنے کے بعد جب عامر نے دائیں طرف نشیب میں نظر ڈالی تو یہ نظر ایک مقام پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ سڑک پر ایک موٹر کھڑی ہوئی تھی۔ اور کوئی شخص اس کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ اتنی بلندی سے موٹر ایک ننھا سا کھلونا دکھائی دے رہی تھی۔ عامر نے اسلم کو ٹہوکا دیا۔

"بڑی عالیشان کار دکھائی دیتی ہے یار!" اسلم نے کہا۔ "کسی بڑے آدمی کی معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر وہ آدمی کیا کر رہا ہے؟" عامر سوچنے لگا۔ "وہ چڑھائی پر فرسٹ گیئر میں کار کو نہیں چڑھا رہا ہوگا۔ اس لیے یقیناً کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔

یہ لوگ اعلیٰ درجے کی کاریں تو لے کر آجاتے ہیں مگر ان کو بیل گاڑیوں کی طرح

پہاڑ پر چڑھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی گاڑیوں کے انجر پنجر جلد ہی ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔" اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔

عامر توجہ سے کار کو دیکھ رہا تھا۔ اسلم نے اپنی بات کا وزن قائم رکھنے کے لیے پھر پوچھا۔

"کیوں ــــ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ــــ ؟"

"ہوں ــــ" عامر اب بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

"نہیں اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

"مگر ــ مگر اسلم ــــ" عامر نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے رازدارانہ لہجہ میں کہا۔ "بھئی یہ آدمی مجھے آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"کیا مطلب ــ ؟"

"تم وہ دیکھو نا ــــ وہ ــــ وہ یعنی اس کا نازک سا جسم!"

"اماں ہاں یار ــــ!" اسلم نے غور سے دیکھنے کے بعد گویا سمجھ کر کہا۔ "وہ تو کوئی لڑکی ہے۔ اب وہ مڑ کر سامنے آئی ہے تو پتہ چلا ہے۔"

"ہے ناں ــــ ؟"

"بالکل ــــ سو فیصدی لڑکی ہے یار ــــ لیکن اس تنہا راستے میں لڑکی کیا کر رہی ہے۔ شاید اس کی کار خراب ہو گئی ہے۔ اگر تم کہو تو ...."

"میرے خیال میں ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔" عامر نے اسلم کی بات کاٹ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرنی چاہیے۔" اسلم نے اِدھر اُدھر کوئی شارٹ کٹ تلاش کرتے ہوئے کہا "آؤ اس چھوٹی سی پگڈنڈی سے نیچے چلیں۔ سڑک سے تو ہمیں دیر ہو جائے گی۔ اگر وہ کار اسٹارٹ کر کے چلی گئی تو مفت میں ہمارا احسان بیکار جائے گا۔"

بیحد احتیاط مگر تیز رفتاری کے ساتھ وہ دونوں پگڈنڈی پر دوڑتے ہوئے نیچے پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ ایسے مقام سے اترنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن چونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا لہٰذا ان کا توازن برقرار رہا۔ ہانپتے کانپتے جب وہ نچلی سڑک پر پہنچے تو اس لڑکی کو بدستور انجن پر جھکے ہوئے پایا۔ چونکہ اس کی پشت ان کی طرف تھی اس لیے وہ اس کی صورت اچھی طرح نہ دیکھ سکے۔

ان کے قدموں کی چاپ سناٹے میں بڑی طرح گونجی تھی۔ اس آواز کو سن کر وہ

لڑکی اچانک پلٹی۔ اور اس کے پلٹتے ہی عامر جو آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، اچانک رک گیا۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ چہرے پر ہوائیاں چھوٹ گئیں اور پھر فوراً ہی وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

وہ لڑکی کوثر کے سوا اور کوئی نہ تھی ___!

اس کا حسین چہرہ غصّے کے باعث تمتما رہا تھا۔ یہ غصّہ کسی اور پر نہیں، گاڑی پر تھا ___

"ارے آپ کوثر صاحبہ! ___ آپ یہاں کیسے؟" عامر کو خاموش دیکھ کر اسلم نے گفتگو میں پہل کی۔ کوثر نے پریشان زلفوں کو جھٹکے کے ساتھ شانے کے پیچھے ڈالنے کی ایک ناکام کوشش کی۔ رومال سے دلکش رخساروں پر لگے ہوئے سیاہ دھبّوں کو پونچھا اور پھر زبردستی کی مسکراہٹ پیدا کر کے بولی۔

"یہی سوال میں آپ دونوں سے بھی پوچھ سکتی ہوں ___؟"

"ہم ___ ہم تو ذرا یونہی سیر و تفریح کی غرض سے پہاڑ پر آ گئے ہیں۔"

"اور آپ عامر صاحب؟" ___ کوثر نے تمسخرانہ انداز سے پوچھا۔ "آپ تو بڑے کنجوس مشہور تھے کالج میں ___ آپ نے یہ ہمت کیسے پیدا کر لی؟"

اسلم نے تو ڈھٹائی سے ایک قہقہہ لگایا۔ لیکن عامر اپنی اس تذلیل سے کٹ کر رہ گیا۔ کوثر اس سے ہمیشہ اسی انداز سے بات کیا کرتی تھی۔ اور اس کے متفاخرانہ برتاؤ سے عامر کو ہمیشہ تکلیف پہنچتی تھی۔ اس نے دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ کر جواب دیا۔

"مجبور کو کنجوس مت سمجھیے کوثر صاحبہ! ___ مجھے اسلم یہاں لایا ہے۔ ورنہ مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ پہاڑوں کا یہ شاہانہ خرچ برداشت کر سکوں۔ یہ تو آپ جیسے امیر کبیر خاندان والوں ہی کا شوق ہے۔"

"آپ برا مان گئے ___" کوثر نے شوخی سے کہا۔ "آپ ہمیشہ ہی میرے باتوں کا برا مان جایا کرتے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں۔"

"اجی آپ کیسے غلط کہہ سکتی ہیں ___" اسلم نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا "آپ غلط کہہ ہی نہیں سکتیں۔ ___ کیوں عامر، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ___؟"

"اسلم صاحب، آپ کیا کسی میکینک کو یہاں لا سکتے ہیں؟" کوثر نے پوچھا۔ "میں نے کار ٹھیک کرنے کی بہت کوشش کر لی لیکن ناکام رہی۔"

"ابھی ایک سیکنڈ میں لاسکتا ہوں۔" اسلم نے فخر سے سینہ پھلالیا۔
"کیا یہیں کہیں قریب ہی ہے؟" کوثر نے حیرت سے ہرنی جیسی نظریں اٹھا کر ہر سمت میں دیکھا۔
"ہاں ـــ یہ موجود ہے ـــ" اسلم نے عامر کو آگے دھکیل دیا۔
"اچھا ـــ" کوثر نے کچھ حیرت اور کچھ خوشی کے ملے جلے لہجے میں کہا۔ "آپ یہ کام بھی جانتے ہیں!"
"سوائے دوسروں کو اپنا بنانے کے یہ ہر کام جانتا ہے۔" عامر کے بجائے اسلم نے ہی جواب دیا۔
"میں سمجھی نہیں ـــ" کوثر نے تعجب سے عامر کو دیکھا۔
"بعض باتیں سمجھنے کی نہیں ہوتیں کوثر صاحبہ۔" عامر نے پھیکے تبسم کے ساتھ کہا۔ "لایئے مجھے دیکھنے دیجیے اس میں کیا خرابی ہے؟"
کوثر اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی۔ عامر انجن پر جھک کر اس کی ہر چیز چیک کرنے لگا۔ کوثر اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس عجیب غریب اور بیوقوف سے نوجوان کو اس نے کالج میں بھی ایسی ہی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ دوسرے لڑکوں کی طرح یہ نوجوان اس کے پیچھے پیچھے نہیں پھرا کرتا۔ اس کے قدموں تلے اپنی آنکھیں نہیں بچھاتا، اس کی ناز برداری نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ اچھا خاصا قبول صورت اور جامہ زیب نوجوان ہے مگر کوثر کو اس کی یہی بات ناپسند تھی۔ اس کے خیال میں عامر خود پسند تھا۔ حالانکہ وہ بھیڑ بھاڑ اور ہنگاموں سے دور رہنے والا انسان تھا۔ جبکہ کوثر کو خود نمائی پسند تھی۔ اور وہ کھیل کود اور ہنگاموں کو بھی دل سے پسند کرتی تھی۔
شاید یہی باعث تھا کہ کوثر کو عامر کبھی اچھا نہ لگا۔ وہ سمجھتی تھی کہ غالباً عامر خود کو اس سے برتر سمجھتا ہے۔ پورا کالج جس لڑکی پر فدا ہو اور کوئی لڑکا اسے اپنے سے کم تر سمجھے، یہ کوثر ہی کی نہیں بلکہ حُسن کی توہین تھی ـــ اور کوثر یہ توہین ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھی ـــ
"ایسے مقامات پر بغیر ڈرائیور کے آنا اچھا نہیں ہے۔" عامر اب براہ راست کوثر سے مخاطب تھا۔ "یہ لیجیے یہ پلگ خراب ہے۔ اس کے ساتھ ہی فیول پمپ بھی کام نہیں کررہا ہے۔"
"بس آپ کو پلگ نکال کر دیتی ہوں۔" کوثر جلدی سے ڈکی کی طرف بڑھی اور ڈھکنا

اٹھانے لگی۔

عامر دوبارہ فیول پمپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کوثر اس وقت کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ آج تو اس نے اس سے کافی باتیں کی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس سے دُور دور اور سہما ہوا سا رہا۔ جب وہ خود ہی کوثر کی قربت حاصل کرنے کا خواہش مند نہیں تھا تو بھلا شرم وحیا کا وہ پیکر کس طرح اس کے نزدیک آجاتا ۔۔۔!

غیر ملکی سینٹ کا ایک جھونکا آیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کوثر پلگ ہاتھ میں لیے لمبی پلکوں کی چلمن کے پیچھے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ پلگ بالکل نیا ہے۔"

عامر نے اس کے ہاتھ سے پلگ لے کر انجن میں لگا دیا۔ اس کے ہاتھ میلے تھے۔ کوثر نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنے ہاتھ پونچھنا چاہتا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنا ننھا سا عطر بیز رومال عامر کی طرف بڑھا دیا۔ لیکن عامر نے مسکرا کر جیب سے اپنا رومال نکال کر اس سے ہاتھ صاف کر لیے۔

"آپ کا رومال بہت قیمتی ہے ۔۔۔ شکریہ!"

"کہو بھئی کیا ٹھیک ہوگئی موٹر ۔۔۔؟" اسلم کو اس لیے فکر تھی اور اُسے یہ توقع تھی کہ اب کوثر ان دونوں کو ساتھ لے کر انہیں ان کے ہوٹل تک چھوڑ آئے گی۔

"ہاں تیار ہے۔" عامر نے کوثر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ اسٹارٹ کیجیے۔"

کوثر ڈرائیونگ سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے سیلف دبایا اور انجن فوراً ہی اسٹارٹ ہوگیا۔ اس نے چند لمحے تک کچھ سوچا اور پھر بیگ کھول کر سو روپے کا ایک نوٹ عامر کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ اسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ سمجھ ہی نہ سکا کہ کیا ہوا ہے۔ غیر اختیاری طور پر اس نے نوٹ تھام لیا اور اس سے پہلے وہ کچھ کہتا۔ کار فرّاٹے بھرتی ہوئی بلندی والی سڑک پر دوڑنے لگی۔

"ہت تیرے کی ۔۔۔" اسلم نے سر پر دو ہتڑ مارتے ہوئے کہا۔ "یار، کوثر سے ہم کہہ ہی نہ سکے کہ وہ ہمیں کم از کم ادپرلے جا کر چھوڑ دے۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ۔۔۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

عامر کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ اسے کوثر کا یہ انداز ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ نوٹ سڑک پر پھینک کر اس نے غصّے سے کہا۔

"آخر وہ مجھے سمجھتی کیا ہے۔ کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ وہ مجھے سو روپے کی

بھیک دے؟"

اسلم نے جلدی سے دوڑ کر نوٹ کو اٹھایا اور پھر اسے دوبارہ عامر کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے بولا۔

"یار، یہ محنت کا معاوضہ ہے۔ محبوبہ کا انعام سمجھ کر رکھ لو۔"

"یہ انعام نہیں ہے۔ کوثر نے میری غریبی کو دیکھ کر یہ تھپڑ مارا ہے میرے منہ پر۔"

"نہیں بھیا ـــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"میں یہ نوٹ اسے واپس کر دوں گا۔ میں یہ بھیک ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔"

"چلو بھیک ہی سہی ــــ مگر میرے یار تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ مجنوں کے کاسۂ گدائی میں لیلیٰ نے خیرات ڈالی ہے۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھے..."

"مشکل تو یہ ہے کہ ہم اس سے اس کا پتہ بھی معلوم نہ کر سکے۔" عامر کو ابھی تک غصہ تھا۔

"ضرورت ہی نہیں ہے ــــ کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے ـــــ کیسی کہی؟ آج نہ آئیں گے تو کل سہی۔"

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسلم نے اچھی کہی تھی یا بری۔ لیکن عامر نے اس کی بات سُنی ان سُنی کر دی اور نوٹ دوبارہ سڑک پر پھینک کر اوپر چڑھنے لگا۔ ظاہر ہے اس موقع پر اسلم کو پھر سے نوٹ کو سڑک پر سے اٹھانے کا فرض انجام دینا پڑا۔
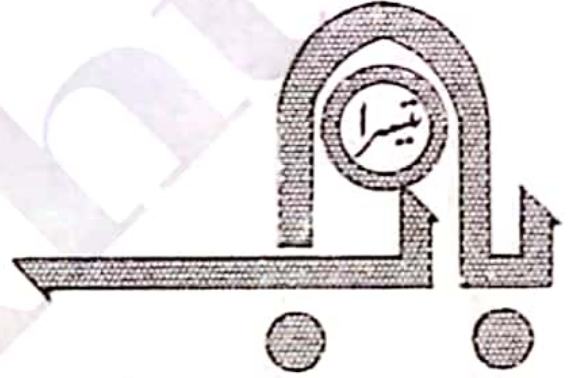
بازار میں ایک ایک دکاندار سے دریافت کرنے کے باوجود عامر کوثر کا پتہ معلوم نہ کر سکا۔ پورا دن اسی خلفشار میں گذر گیا۔ شام کو وہ ــــ بستر پر لیٹا تو اسے تکیے کے قریب سے وہی مانوس سی خوشبو پھر آئی۔ اس نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ اسلم بازار میں کچھ چیزیں خریدنے گیا ہوا تھا ـــ پھر یہ خوشبو!

کیا کوثر اس کے ذہن پر اس قدر چھا گئی ہے کہ ہر لمحہ اس کا تصور اسے پریشان کرتا رہتا ہے۔ جس وقت وہ کار درست کر رہا تھا اور کوثر کے جسم کی خوشبو نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ تو صرف اسی وقت کی بات تھی۔ پھر اب کیا ہے جو وہ خوشبو اسے پھر سے ستا رہی ہے؟

اس نے احتیاطاً تکیہ کو اٹھا کر دیکھا تو وہی نوٹ تکیے کے نیچے رکھا ہوا پایا۔ پہلی بار اُسے اسلم کی یہ حرکت پسند آئی۔ وہ اپنے دوست کے درد سے اچھی طرح واقف تھا۔ لہٰذا اس نے یہ اس کے درد کا درماں کیا تھا۔ بڑی آہستگی سے اس نے نوٹ اٹھا لیا۔ اسے ناک سے لگا کر ایک طویل سانس لی۔ وہ جانفزا مہک، وہ نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جسم کی خوشبو! ـــ عامر کی رگ رگ میں وہ روح پرور مہک سرائیت کر گئی۔ خود فراموشی کے سے عالم میں اُس نے اِس نوٹ کو جیب میں رکھ لیا اور پھر کھڑکی سے باہر دکھائی دینے والے منظر کو متبسم نظروں سے دیکھنے لگا۔

کافی بڑا دودھیا چاند چیڑ کے درختوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا بڑی حسین اور خنک رات تھی۔ اِس سرے سے اُس سرے تک پھیکی پھیکی سی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ درختوں کے پتوں سے چھن کر جب یہ روشنی نشیب میں نظر آنے والی جھیل کے ساکن پانی پر پڑتی تو یوں لگتا

گویا سیمابی مچھلیاں پانی پر تڑپ رہی ہیں۔ معصوم پھول، پتوں کی گود میں بےخود ہو کر دبک گئے تھے۔ ہوائیں نغمے بکھیر رہی تھیں اور پھر ان نغموں میں کہیں دور ریڈیو پر گاتی ہوئی کسی مغنیہ کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔ بڑی درد بھری، اور سریلی آواز تھی! عامر کو یوں لگ رہا تھا گویا جنّت کے کسی تنہا گوشے میں مقیم ہے اور خوش الحان حوریں وہاں نغمہ زن ہیں۔ یہ نغمہ سن کر حسین چاند بھی جھیل کے ساکت پانی پر منعکس ہو کر جھوم رہا تھا۔

زندگی اب کتنی حسین ہو گئی تھی!

کتنی پر کیف اور دلنشین!

عامر چاہ رہا تھا کہ بس — یہیں، اسی خطّے میں دم نکل جائے!

اسے یقین تھا کہ اسلم جب بازار سے لوٹے گا تو کوثر کا پتہ لے کر ضرور آئے گا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ نوٹ واپس کرنے کے بہانے سے وہ یقیناً درِ محبوب تک پہنچ سکے گا۔ مگر ان سب باتوں کا انحصار صرف پتے کے حصول پر تھا۔ اگر کوثر نہ مل سکی تو پھر وہ اتنا طویل وقفہ اس پہاڑ پر کس طرح بتا سکے گا ——؟

اسی انتظار میں پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اسلم نے اسے اٹھایا۔ سب سے پہلا سوال اس نے کوثر کے بارے میں ہی کیا اور جب اسلم نے جواب دیا کہ باوجود تلاشِ بسیار کے وہ کوثر کا پتہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو عامر کے ارمانوں پر جیسے اوس پڑ گئی۔ اسے یہ احساس ہوا گویا اس نے دن میں کوئی خواب دیکھا تھا جس میں کوثر اپنی کار کے پاس کھڑی ہوئی نظر آئی تھی!

انسانی فطرت کو اب کوئی کیا کہے۔ جب تک کوثر عامر کی نظروں سے دور تھی، اس سے اس نے کوئی بات نہ کی تھی تو عامر کے دل میں اتنی تڑپ نہیں تھی۔ وہ اتنا بیتاب نہ تھا۔ اس کے صبح و شام کچھ زیادہ بُرے نہیں گذرتے تھے۔ لیکن اب ایک چھوٹی سی ملاقات، ایک ذرا دیر کی قربت نے اُسے تڑپا کر رکھ دیا تھا ——

سڑک پر چلتے ہوئے وہ بالکل خاموش تھا۔ اُداس اُداس اور کھوئی ہوئی آنکھوں سے وہ اطراف کا جائزہ لے رہا تھا کہ شاید کسی دُکان پر یا کسی تفریحی مقام پر کوثر کا دیدار ہو جائے۔ مگر اسے ناامیدی ہی ہوئی تھی۔ اسلم خود بھی سوچ رہا تھا کہ چنگاری اب شعلہ بن اٹھی ہے۔ پہلے وہ مطمئن تھا کہ اس دلفزا مقام پر عامر کی اداسی کسی حد تک ضرور دُور ہو جائے گی۔ مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ جو آگ دامن کو لگی تھی اب وہ کوثر کی بے نیازی سے اور بُری طرح بھڑک اٹھی ہے!

"یار عامر ___ تم اب ایک کام کرو۔" اسلم نے کہا۔

"بولو ___"

"صرف کچھ دن کے لیے تم مسکرانا سیکھ لو ___ سچ ابھی تک ہماری اس تفریح میں جان نہیں ہے۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم ...."

".... تم غلط کہہ رہے ہو ___" عامر نے مسکرا کر فقرہ پورا کر دیا۔

"کیوں ___ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" اسلم نے ابروئیں اُچکائیں۔

"بالکل ___ کیونکہ دیکھو اس وقت میں مسکرا رہا ہوں ___"

"اماں یار اب اس کو مسکرانا تھوڑی ہی کہتے ہیں۔ تمھارے اس طرح مسکرانے سے یوں لگتا ہے گویا تمھیں ہونٹوں کو دائیں بائیں کھینچتے ہوئے کچھ تکلیف ہوتی ہے ___ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ___ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو ...."

"چھوڑو یار ___ کوئی اور بات کرو ___" عامر نے بیزاری سے کہا۔

"تو اور بات اس کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ ہم بارہ بجے والا شو دیکھ لیں ___"

"مطلب ہے فلم ___؟"

"ہاں ___"

"تم دیکھ آؤ ___ میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"مجھ احمق کا چاہ رہا ہے بھائی ___ چونکہ تم میری دُم سے بندھے ہوئے یہاں تک آئے ہو، لہٰذا ہر جگہ میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

اسلم اسے کندھے سے پکڑ کر زبردستی سینما گھر کی طرف لے چلا۔ عامر نے جان بوجھ کر مزاحمت نہیں کی وہ دراصل اسلم جیسے پیارے دوست کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ بکنگ خالی پڑی تھی۔ اسلم نے آگے بڑھ کر جب کلرک کو نوٹ دینے چاہے تو اچانک اس کی پشت سے ایک اور ہاتھ اسلم کے ہاتھ کو ایک طرف دھکیلتا ہوا اس سے پہلے کلرک تک پہنچ گیا۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"تین ٹکٹ دیجیے گا۔ یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں۔ ان سے پیسے مت لیجیے۔"

عامر نے پلٹ کر جلدی سے اُس شخص کو دیکھا جو زبردستی کا میزبان بننا چاہ رہا تھا۔ اور پھر اچانک اس کی باچھیں کھل گئیں۔

"ارے شوکت ___ تم ___ تم یہاں کہاں؟"

"جہاں تم جاؤ وہاں ہم تم سے پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں برخوردار۔" شوکت نے اُسے سینے

سے لگاتے ہوئے کہا۔

"شوکت اس نالائق سے ملو ـــ یہ میرا دوست اسلم ہے۔" عامر نے اسلم کا تعارف کرایا۔

"شوکت صاحب جب کوئی نالائق کسی سے تعارف کرائے تو میرے خیال میں سب نالائقوں کو ایک دوسرے سے مل کر خوشی ہی ہوتی ہے کہیے میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے گا کہ اسلم بھائی تم غلط کہہ رہے ہو؟"

"نہیں اسلم صاحب۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اتفاق سے میرا شمار بھی آپ جیسے نالائقوں میں ہی ہوتا ہے۔" شوکت نے قہقہہ لگایا۔ اور پھر اس کا ساتھ اسلم اور عامر نے بھی دیا۔

سینما ہال میں فلم تو کم دیکھی گئی البتہ باتیں زیادہ ہوئیں۔ اسلم کو شوکت کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے عامر نے کہا کہ وہ درحقیقت ایک بہت ہی عمدہ شخصیت اور بہت بڑی جائداد کا مالک ہے۔ دلّی میں اس کے کئی کارخانے ہیں اور وہ ایک بہت اچھا بزنس مین ہے۔ عامر کی اُس سے ملاقات اسی طرح راستے میں ہوئی تھی جبکہ وہ ایک دُکان میں خریداری کر رہا تھا۔ اتفاق سے اُن دونوں کو ایک ہی چیز پسند آئی تھی۔ پھر بعد میں دونوں یہی کوشش کرتے رہے کہ اُن میں سے کوئی ایک وہ شے لے لے۔ مگر فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر دُکاندار کو اسی وقت ویسی ہی دوسری چیز مہیا کرنی پڑی اور یوں معاملہ ختم ہوا۔ عامر نے شوکت کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ اس نے بعد میں اس شے کے پیسے بھی خود ہی ادا کیے تھے اور اُسے وہ تحفہ لے لینے کے لیے شدید اصرار کیا تھا۔ تبھی سے وہ ـــ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور گاہے گاہے عامر شوکت سے اس کے کارخانوں میں جا کر مل آیا کرتا ہے۔

"لیکن جناب آپ یہاں کیسے ہیں؟" اسلم نے دریافت کیا۔

"ہاں شوکت ـــ میں بھی تم سے یہی پوچھنے والا تھا۔ یہاں تم کس طرح آ گئے؟" عامر نے پوچھا۔ "شاید ہماری ہی طرح تفریح کرنے آئے ہو!"

"تمھیں شاید یاد نہیں رہا۔ میں نے بہت پہلے بتایا تھا کہ یہاں الموڑہ میں میرے سیب کے باغات ہیں۔ گرمیوں میں کبھی کبھار میں یہاں آجایا کرتا ہوں۔"

"واقعی میں تو بھول ہی گیا تھا۔" عامر نے ہنس کر کہا۔

"مجھے علم ہوتا تو ہم تینوں پہلے ہی ایک ساتھ یہاں آجاتے۔" شوکت نے افسوس

ظاہر کرتے ہوئے کہا ــــ "ارے ہاں، تم ٹھہرے کہاں ہو؟"

"مین بازار کے ایک معقول ترین ہوٹل میں ۔ ذرا خیال رکھیے گا۔ لفظ 'معقول ترین' پر میں نے کافی زور دیا ہے" اسلم نے عامر کی بجائے کہا اور پھر کہتے ہی ہنس پڑا۔

"ارے وہاں ــــ وہاں تو بڑے گھٹیا ہوٹل ہیں" شوکت نے منہ بنا لیا "خیر کل صبح آپ دونوں اپنا سامان کوٹھی میں لے آئیں ۔تکلف اور انکار کی ضرورت نہیں ۔میرا ملازم کل صبح ہوٹل پہنچ جائے گا ۔ اور آپ لوگ کل سے میرے ساتھ قیام کریں گے"

"مگر ــــ مگر میرا مطلب ہے ــــ" عامر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ــــ

"بس اگر مگر جیسا کوئی لفظ سننا نہیں چاہتا ۔ عامر تم میرے یہاں نہیں ٹھہرو گے تو میں تمھیں اُس ہوٹل میں سے بھی نکلوا دوں گا ــــ میں یہاں کا کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں" شوکت نے ہنس کر کہا۔

"شوکت صاحب برائے کرم ایسا مت کیجیے گا" اسلم جلدی سے بیچ میں ٹپکا ــــ "ہم ضرور آپ کی میزبانی کا لطف اٹھائیں گے ــــ لیکن دراصل اس ہوٹل سے ہمیں ایک فائدہ تھا"

"کون سا فائدہ ــــ؟"

"بازار وہاں سے قریب ہے ۔ ہمارے عامر کی ایک عدد لیلیٰ ان دنوں یہاں آئی ہوئی ہے ۔ مجنوں کو سڑک نوردی کرنے میں آسانی رہتی"

"اچھا ــــ یہ بات ہے عامر! یار تم اس چکر میں یہاں آئے ہو؟"

"ہرگز نہیں ــــ خدا قسم میں یہ سوچ کر یہاں نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے یہاں ملے گی ــــ بس اتفاقاً ہی اس سے ملاقات ہوگئی" عامر نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

ملاقات بھی ایسی ویسی ــــ شوکت صاحب، محبوبہ دلنواز نے سو روپے منہ دکھائی میں دیے ہیں بھائی صاحب کو ــــ کیوں عامر، میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو...."

"اچھا یار زیادہ بکواس مت کر اور فلم دیکھنے دے" عامر نے جان بوجھ کر بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"بٹیا دُکھتی رگ جو چھیڑ دی ہے ــــ شوکت صاحب اگر وہ کسی دن نظر آ گئی تو آپ کو بھی درشن کراؤں گا اس کے ــــ بخدا ایسی لاجواب چیز ہے کہ اگر ہوش نہ اڑ جائیں آپ کے تو نام پلٹ کر رکھ دیجیے گا ــــ کیوں عامر ــــ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ــــ اگر..."

انٹرول ہو گیا تھا لہٰذا بات حسبِ سابق ادھوری ہی رہ گئی۔

عامر تو اس پہاڑ پر یہ سوچ کر آیا تھا کہ چند دن سکون کے ساتھ بسر ہو جائیں گے۔
لیکن ایک تو چلتا پھرتا زلزلہ وہ اپنے ساتھ ہی لے کر آیا تھا۔ دوسرے کوثر اپنی جھلک
دکھا کر اس کا صبر و قرار پھر سے لوٹ کر لے گئی تھی اور اب یہ تیسری مصیبت یعنی شوکت!
شوکت بہت زیادہ بے تکلف اور دوستوں کی قدر کرنے والا انسان تھا۔ چند
ملاقاتوں ہی میں وہ عامر سے گھل مل گیا تھا۔ دلّی میں جب وہ تھے تو اس نے عامر کو کئی
بار کسی ریستوران یا کلب میں بلایا تھا۔ چند مرتبہ کے اصرار کے بعد عامر صرف ایک بار
اس کے ذاتی ریسٹورنٹ الماس میں ملنے گیا تھا۔ الماس کا ماحول اُسے ذرا بھی پسند نہ
آیا تھا۔ نیم عریاں لڑکیوں کے جذباتی ناچ اور بے ہنگم موسیقی سے وہ بہت زیادہ بور
ہوا تھا۔ پھر وہ دوبارہ الماس نہیں گیا۔ شوکت سے ملاقات اس کے آفس ہی میں
ہوتی رہی۔
شوکت اچھی طرح جانتا تھا کہ عامر بیحد غریب انسان ہے۔ اس نے بارہا دل میں یہ سوچا
تھا کہ اپنی فرم میں اسے کوئی اچھی جگہ دے دے مگر پھر یہ سوچ کر کہ عامر جیسا غیور اور خوددار
انسان شاید اسے پسند نہ کرے، چُپ رہا، اور کبھی بھولے سے بھی اس نے اس کا تذکرہ عامر سے نہیں کیا۔
اُن کی ملاقات کو صرف چند ماہ ہی تو ہوئے تھے، لیکن اتنے ہی دنوں میں شوکت
عامر کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ کوٹھی پر عالیشان دعوتوں میں ______________
______ بلائے جانے پر بھی جب عامر وہاں نہیں گیا، تو شوکت کو بہت
دُکھ ہوا۔ عامر نے ایسے موقع پر ہمیشہ ماں کی بیماری کا بہانہ کر دیا۔ غریب انسان کس
طرح شوکت کو بتاتا کہ اس کے پاس ایسی نفیس پارٹیوں میں پہن کر جانے کے لیے معقول
لباس نہیں ہے۔
اب یہی شوکت یہاں الموڑہ میں موجود تھا۔ جہاں اس کی موجودگی سے عامر کو
مسرت تھی وہاں یہ احساس بھی کھائے جا رہا تھا کہ اب اُسے اپنے اصولوں کو توڑنا پڑے گا۔
شوکت اُسے اپنی کوٹھی لے جانا چاہتا ہے۔ اور وہاں جانے کے بعد اس کے ہزاروں احسانات سے
زیر بار ہونا پڑے گا۔ یہ ایسی مجبوری تھی جس سے فرار ناگزیر تھا۔
صبح ہی صبح شوکت کا ایک باوردی پہاڑی ملازم ایک چھوٹی سی کار لے کر وہاں
آگیا۔ اسلم تو جیسے ادھار کھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ عامر کے ہزار منع کرنے پر بھی اُس
نے تمام سامان جلدی جلدی پیک کیا اور پھر ہوٹل کا حساب چکانے کے لیے کاؤنٹر پر
گیا۔

"آپ کا بل ادا ہو گیا شاب ـــ" کلرک نے کہا
"کیسے ادا ہو گیا؟" عامر نے حیرت سے دریافت کیا۔
"یہ پرچہ پڑھ لیجیے شوکت شاب کا ہے ـــ" کلرک نے ایک پرچہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ پرچے میں صاف لکھا تھا کہ ہوٹل والے اُن دونوں سے بل نہ لیں۔ بلکہ جو بھی بل ہے وہ شوکت لاج میں بھیج دیا جائے"
"مگر ـــ مگر یہ تو زیادتی ہے ـــ" عامر جز بز ہو کر بولا۔
"شاب ـــ مجھے آرڈر ملا ہے کہ آپ دونوں کو دس منٹ کے اندر اندر کوٹھی پر پہنچا دوں ـــ آپ کو ناشتہ وہیں کرنا ٹھہرا شاب۔" ڈرائیور نے بڑے انکسار کے ساتھ کہا۔
"ناشتہ وہیں کرنا ہے!" اسلم کی باچھیں کھل گئیں۔ "واہ وا ـــ خوب۔"
"جی ہاں ـــ اگر میں دس منٹ میں کوٹھی نہیں پہنچا شاب تو شاب مجھ پر بہت خفا ہوں گے ـــ" ڈرائیور نے عاجزی دکھائی۔
"میرے خیال میں اسلم یہ زبردستی ہے۔ یقین مانو مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" عامر نے منہ بنا کر کہا۔
"مگر یار مجھے تو اچھا لگ رہا ہے۔" اسلم نے اس کے کان میں جواب دیا۔ "اب یہ جو بھی ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔ خدا کی مرضی بھی شاید یہی ہے ـــ میں غلط تو نہیں کہہ رہا اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً..."
"چلو ڈرائیور ـــ" گھسے پٹے ریکارڈ کو سننے سے بچنے کے لیے عامر جلدی سے کار میں داخل ہو گیا۔
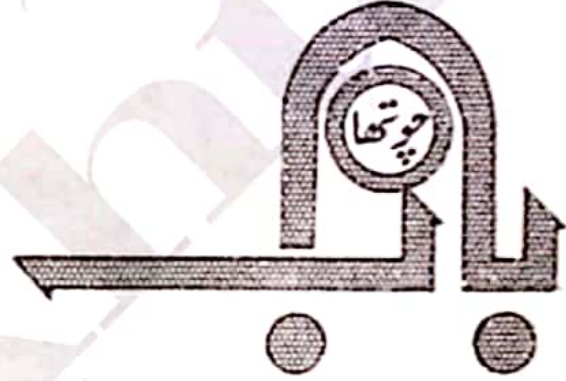
مین روڈ سے ہٹ کر بلندی کی طرف جانے والی ایک چھوٹی سی چکر دار سڑک "شوکت لاج" تک جاتی تھی۔ اس مقام کی سب سے بلند چوٹی پر شوکت کا بیحد خوبصورت اور عالیشان بنگلہ تھا۔ نیچے سے برفانی سلسلۂ کوہ کے بیچ میں جو چیزیں حائل ہوتی تھیں، اس مقام پر وہ بالکل نہیں تھیں۔ کوٹھی چونکہ بلندی پر تھی اس لیے اس مقام سے درخت نیچے اور برفانی چوٹیاں اوپر دکھائی دیتی تھیں۔

عامر کو حقیقت یہ ہے کہ وہ جگہ بہت ہی پسند آئی۔ کار پورٹیکو میں جاکر کھڑی ہو گئی۔ باوردی ملازمین نے اُن کا سامان اٹھایا اور پھر انھیں اوپر کی منزل میں بنے ہوئے دو بہت ہی خوبصورت اور کشادہ کمروں میں پہنچا دیا۔ زندگی میں پہلی بار انھوں نے اتنے حسین اور سجے ہوئے کمرے دیکھے تھے۔ جو ملازم اُن کو کمروں تک لے کر آیا تھا۔ اُس نے کہا۔

"آپ حضرات لباس تبدیل کر لیجیے۔ سرکار نیچے ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

جب ملازم چلا گیا تو عامر نے پھیکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔

"اس غریب کو بھلا کیا علم کہ میرے پاس تو دو ہی جوڑے ہیں۔"

"فکر کی کیا ضرورت ہے ــــ شوکت سے کہیں گے وہ اور بنوا دے گا۔" اسلم نے کہا۔

"اسلم ــــ" عامر نے گھور کر اسے دیکھا ــ "تم بعض اوقات بڑی چھچھوری باتیں کرنے لگتے ہو۔ اگر تم مجھے اپنے خرچ پر ساتھ لے آئے ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس طرح ہر ایک کا احسان برداشت کر لوں گا۔ تمھارے احسانات ہی مجھ پر اتنے ہیں کہ میں ان کے بوجھ

تلے دبا ہوا ہوں لیکن میں کسی اور کا زیر بار ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"یار مجھے معاف کردے۔ یہ زبان کمبخت خواہ مخواہ بہک گئی۔ آئی ایم سوری یار، واقعی میں بڑی بیہودہ بات کہہ گیا۔" اسلم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "پلیز عامر ـــ دل میں کوئی بات نہ رکھنا یار۔"

عامر جب مسکرایا تو اسلم کی جان میں جان آئی۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد نیچے ڈرائنگ روم میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

شوکت انھیں دیکھتے ہی چہک اٹھا۔

"کہو عامر ـــ میرا گھر پسند آیا ـــ؟"

"بہت اچھا ہے۔" عامر نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔ "سچ بات یہ ہے کہ مجھ جیسے لاابالی اور فقیر قسم کے انسان کے لائق ہرگز نہیں ہے۔"

"کیا تم میرا دل دکھانے کے لیے یہاں آئے ہو؟" شوکت نے کہا۔ "بیوقوف آدمی اس طرح کی باتیں یہاں مت کرنا۔ تم میرے دوست ہو اگر تم غریب ہو اور میں امیر تو بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اپنے کو حقیر سمجھنے سے بہتر یہ ہے کہ تم خود کو اسی گھر کا ایک فرد سمجھو۔ ورنہ میں سچ کہتا ہوں جب تک تم رہو گے میرا دل اداس رہے گا۔"

شوکت نے چونکہ یہ باتیں صدق دلی سے کہی تھیں چنانچہ عامر اُن سے بہت متاثر ہوا۔ کچھ دیر تک وہ اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور آخر کار بولا۔

"مجھے شرمندگی ہے شوکت۔ میں تمھارے خلوص کی قدر نہ کر سکا اور میں نے تمھارے دل کو ٹھیس پہنچائی۔"

"میں بھی اس کی طرف سے بہت شرمندہ ہوں شوکت صاحب۔" اسلم نے مصنوعی عاجزی سے کہا۔ "آپ چاہیں تو اس کو دی جانے والی سزا مجھے دے دیں۔"

"اچھا ـــ!" شوکت نے قہقہہ لگایا۔ "آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں اسلم صاحب۔"

"شکریہ! ـــ جو کوئی مجھ سے پہلے ملتا ہے اُس کی رائے یہی ہوتی ہے۔" اسلم نے کہنا شروع کیا۔ "آہستہ آہستہ اس کی یہ رائے بدلنی شروع ہوتی ہے۔ وہ مجھے گھور کر دیکھنے لگتا ہے اور بعد میں ناک چڑھا لیتا ہے۔"

"یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ دلچسپ آدمی نہیں ہیں ـــ!"

"جی نہیں ـــ بلکہ یہ کہ میں غیر معمولی طور پر دلچسپ آدمی ہوں۔ کیوں عامر میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

عامر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ابھی تک شوکت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کروڑپتی ہو کر وہ کتنا مخلص اور بے غرض ہے۔ بہت کم لوگوں میں یہ وصف ہوا کرتا ہے۔

"اب کیا سوچنے لگے تم ــــ؟" شوکت نے پوچھا۔

"یہی سوچ رہا ہوں کہ دراصل میں اس آرام کا عادی نہیں ہوں۔ میں تو کانٹوں کے بستر پر سونے کا عادی ہوں۔ جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر آجاتا ہے۔ میں چونکہ غربت کا پروردہ ہوں۔ اور ایسے لوگ زبان کے بالکل کھرے ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرے منہ سے اگر کوئی بات کڑوی نکل جائے تو براہِ کرم اس کا نوٹس مت لینا۔"

شوکت کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ملازم نے ناشتہ کی اطلاع دی اور پھر وہ تینوں اٹھ کر ڈائیننگ ہال میں چلے گئے۔

انواع واقسام کی اشیائے میز سجی ہوئی تھی۔ عامر اتنے سامان کو دیکھ کر اتنا ہی حیرت زدہ ہوا جتنا کہ اسلم خوش ہوا تھا۔ عامر سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کھانے کا سامان بہت ضائع کرتے ہیں اگر بڑے لوگوں کے دسترخوان پر اشیائے خوردنی کا اتنا ذخیرہ نہ سجایا جائے تو پھر وہ دوسروں پر اپنی امارت کا رعب کیسے ڈال سکتے ہیں؟

ایک خوش شکل پہاڑی لڑکی سامان کو قرینے سے لگانے اور چائے کی نفیس ترین چاندی کی کیتلی میز پر رکھنے کے بعد جیسے ہی آگے بڑھی، شوکت نے پوچھا۔

"بیلا ــــ تیری مالکہ کہاں ہیں؟"

"شاب وہ اپنے کمرے ہی میں ناشتہ کریں گی۔ وہ بہت تھکی ہوئی ہیں۔" لڑکی نے ادب سے جواب دیا۔

"ان سے کہو کہ مہمان آئے ہیں۔ نیچے ہی آکر ناشتہ کریں۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد اسلم نے کہا۔

"اگر میں شروع ہو جاؤں تو آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ یہ اشیاء مجھے ندیدے پن سے دیکھ رہی ہیں۔"

"ضرور ضرور ــــ شروع کیجیے۔" شوکت مسکرایا۔

"اسلم ــ" عامر نے ڈانٹا ــــ "تم نے سنا نہیں شوکت نے ابھی ملازمہ سے کیا کہا ہے۔ میزبان کی عدم موجودگی میں ناشتہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"بھیا میں کہہ چکا ہوں نا۔ میں ان کھانوں کو نہیں دیکھ رہا۔ بلکہ یہ سب چیزیں بیتابی سے مجھے دیکھ رہی ہیں ــــ"

"واہ اسلم صاحب واہ ——" شوکت پھر ہنسا۔" آپ تو واقعی کمال کے آدمی ہیں۔ بہت ہنس مکھ اور بے تکلف، مجھے ایسے لوگ بہت پسند آتے ہیں۔"

"جناب آگے چل کر تو میرے جوہر اور کھلیں گے —— کیوں عامر۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہے —— اگر میں غلط ...."

بات ادھوری ہی رہ گئی —— کیونکہ اسلم ان دونوں کی پشت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی!

"کمال ہے —— بھیا آپ نے مجھے پہلے سے اطلاع کیوں نہ دی کہ مہمان آئے ہوئے ہیں۔" ایک بیحد شیریں اور کیف آگیں آواز آئی۔

"ہاں —— یہ مجھ سے غلطی ہوگئی —— آؤ بیٹھو ——"

عامر نے مصلحت کی وجہ سے ابھی تک آنے والی ہستی کو نہیں دیکھا تھا —— اب جو دزدیدہ نظر سے دیکھا تو گھبرا کر استقبال کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اسلم بھی بوکھلا کر اس طرح اٹھا کہ کرسی پیچھے کی طرف لڑھک گئی ——

"کوثر —— ان سے ملو —— میرے دوست عامر اور مسٹر اسلم ——"

شوکت بہت دیر تک ان کی تعریف میں کچھ کہتا رہا، مگر کوثر حیرت اور تعجب کے ملے جلے انداز میں انھیں دیکھتی رہی۔ اُسے یہ امید ہرگز نہ تھی کہ کالج کے دوسر پھرے نوجوانوں سے ان حالات میں اور اتفاق سے پھر ملاقات ہوگی۔ عامر نے اسے ایک نظر دیکھ کر آنکھیں جھکالی تھیں۔

"بیٹھو بھئی، تم کھڑے کیوں ہوگئے؟" شوکت نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کوثر نے کچھ نہیں کہا۔ بس وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی اور کنکھیوں سے عامر کا جائزہ لینے لگی۔ وہ اچھی خاصی خنکی سے بے نیاز کرتے پاجامے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ میری بہن کوثر ہے۔ دلّی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔" شوکت نے مزید کہا۔

"جانتا ہوں۔" عامر نے آہستہ سے کہا۔" آپ سے بارہا ملاقات ہو چکی ہے —— پہلے بھی ہوئی تھی اور کل بھی ہوئی تھی۔"

"اچھا —— وہ کیسے؟" شوکت نے حیرت سے دریافت کیا۔

"تم تو جانتے ہی ہو کہ میں بھی دلّی یونیورسٹی میں تھا اور اتفاق سے میں کوثر صاحبہ کا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہوں۔"

"ارے —— تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تمھاری بہن ہیں ——" عامر نے پریشانی کے ساتھ کہا۔

دراصل اُسے کل سینما جانے سے پہلے کی وہ بات یاد آرہی تھی جبکہ نادانستگی میں اسلم نے ایک محبوبہ دلنواز کی الموڑہ میں آمد کا تذکرہ کر دیا تھا۔ اسے خوف تھا کہ مبادا شوکت خود سمجھ جائے۔

"چلو اب تو معلوم ہوگیا"۔ شوکت نے کہا "مگر بھئی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک ساتھ پڑھنے کے باوجود تم دونوں بالکل اجنبی سے دکھائی دیتے ہو ــــ؟"

"عامر صاحب بہت سیدھے سادے اور شرمیلے سے ہیں"۔ کوثر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ــــ

"عجیب بات ہے، حالانکہ لڑکیاں اس قسم کی ہوا کرتی ہیں"۔

"آپ انھیں بھی ایسا ہی سمجھ لیجیے ــــ" کوثر نے پھر طنز کیا۔

شوکت نے تو ایک زور دار قہقہہ لگایا، لیکن اسلم اپنے عزیز دوست کی اس تذلیل پر بھنا گیا۔

"اصل میں بات یہ ہے شوکت صاحب کہ آج کل لڑکیوں اور لڑکوں میں تمیز کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔ آج کل کے لڑکوں کو اگر آپ پیچھے سے دیکھیں تو واللہ انھیں لڑکی سمجھیں گے۔ شانوں تک آئی ہوئی زلفیں، پتلی سی کمر، بیل بوٹم ٹائپ کی پتلون اور ناز و انداز کا بھرپور مجسمہ۔ ہمارا یار ان سب صفات سے مبرا ہے۔ وہ مرد ہے اور مردانہ لباس ہی پہنتا ہے"۔

شوکت بری طرح ہنس رہا تھا گردن کے اشارے سے اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"اور پھر کوثر صاحبہ کو بھی ہم لوگ کافی دنوں تک لڑکا ہی سمجھتے رہے۔ مردانہ انداز کے کٹے ہوئے بال۔ مردانہ پتلون اور قمیض ــــ اور ہٹلر جیسے فوجی انداز ــــ معاف کیجیے گا کوثر صاحبہ ــــ اب آپ ہی ایمان سے کہیے کہ عامر سیدھا سادا نوجوان ہے تو اُس میں اس کی کیا خطا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ــــ"

"بالکل ــــ بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ ــــ" کوثر غصے میں بپھر گئی۔ "آپ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر میری توہین نہیں کر سکتے۔ بھیا آپ نے عجیب لوگوں کو مہمان بنایا ہے"۔

"بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کوثر ــــ اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے"۔ شوکت نے مسکرا کر کہا۔ "اس وقت تو مذاق ہو رہا ہے"۔

"جی ہاں ــــ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔ آپ بُرا مان گئیں ــــ" اسلم نے شرارت سے کہا۔

"اسلم کی جانب سے میں معافی چاہتا ہوں کوثر صاحبہ"۔ عامر نے شرمندگی سے کہا۔

وہ اسلم کی حماقتوں کو خوب جانتا تھا۔
"ٹھیک ہے۔ مگر مجھے اس قسم کی باتیں پسند نہیں ہیں"۔ کوثر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔" مذاق بھی سوچ سمجھ کر ہی کرنا چاہئیے"۔
"مجھے افسوس ہے ——" اسلم نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے لب البتہ مسکرا رہے تھے۔
کچھ دیر تک ماحول میں کشیدگی رہی —— کوثر خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی ——
"اور کہو عامر —— اب کیا پروگرام ہے"۔ شوکت نے دانستہ بات کا رُخ پلٹ دیا۔"گلیشیئر بھی جاؤ گے کیا ——؟"
"وہاں جا کر کیا کروں گا —— ویسے سوچ رہا ہوں کہ کل یا پرسوں یہاں سے واپس دلّی ہی چلا جاؤں ——"
"کیوں —— اتنی جلدی کیوں؟"
"والدہ اکیلی ہیں —— تم جانتے ہی ہو شوکت میں اپنی ماں کی کتنی عزت کرتا ہوں۔ میری سب کچھ وہی ہیں۔ میں جو کچھ کماتا ہوں انھیں دے دیتا ہوں۔ اس عرصے میں نہ جانے انھوں نے کیسے دن بتائے ہوں گے۔"
"ہمارے تو ماں باپ بھی نہیں ہیں عامر —— ہمیں کیا معلوم ماں کی ممتا کیا ہوتی ہے؟" شوکت نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔
"ہاں۔ اس بات کا مجھے بھی افسوس ہے ——" عامر نے کہا —— "اگر تم بُرا نہ مانو تو میں کل ہی یہاں سے واپس جانا چاہتا ہوں۔"
"ہرگز نہیں ——" شوکت نے جلدی سے کہا۔ "تم اتنی جلدی نہیں جا سکتے۔ شاید تم کوثر کی بات سے ناراض ہو کر ایسا سوچ رہے ہو۔"
"میں بھلا کسی سے کیوں ناراض ہو سکتا ہوں۔" عامر نے کنکھیوں سے کوثر کو دیکھا۔
"میری اتنی مجال کہاں؟ میں معمولی سا غریب انسان، بھلا مجھ میں اتنا حوصلہ کہاں۔"
"بھئی تم خود کو اتنا پست تصور کیوں کرتے ہو؟" —— شوکت نے بیزاری سے کہا۔" جب دیکھو تم اپنی غربت کا تذکرہ لے کر بیٹھ جاتے ہو؟"
"دوسرے مجھے ایسا سمجھنے پر مجبور کر دیتے ہیں"۔ عامر نے کوثر کو دیکھ کر جواب دیا۔
"اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو وہ خود پست ذہنیت کا ہوگا ——" شوکت نے گردن جھٹک کر کہا۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم مجھے ایسا نہیں سمجھتے"۔ عامر نے دزدیدہ نظر سے دیکھا تو کوثر منہ پھلائے

بیٹھی تھی۔

"ویسے بھی ہم دونوں آج کل تقریباً چھ ہزار فٹ بلند ہیں۔ لہٰذا پست ہو ہی نہیں سکتے۔ کیوں عامر۔۔۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔۔۔" اسلم نے چائے کا لمبا گھونٹ لے کر کہا۔

شوکت نے حسب معمول ایک قہقہہ لگایا اور پھر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ کار کا ڈرائیور اسی کی طرف آرہا تھا۔

"کیا بات ہے رام سنگھ؟"

"سرکار۔ نیچے سے کسی مکینک کو بلانا پڑے گا۔ کار اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے بہت کوشش کر لی سرکار۔۔۔" ڈرائیور نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔۔۔ مجھے تو ضروری کام سے رانی کھیت تک جانا تھا۔" شوکت سوچ میں پڑ گیا۔

"کچھ دن پہلے مین بازار کے ایک ہوٹل میں ایک بہت اچھا مکینک آیا ہوا تھا بھیا۔" کوثر نے عامر پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ "آپ اسی کو بلا کر کیوں ٹھیک نہیں کرا لیتے۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟" شوکت نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا۔

"میں اس سے کار ٹھیک کرا چکی ہوں۔۔۔"

اسلم احمقوں کی طرح کوثر کو تک رہا تھا اور عامر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

"اچھا۔۔۔ پھر تو اسی کو بلاتے ہیں۔"

"معمولی سے کام کے سو سو روپے لے لیتا ہے بھیا۔۔۔" کوثر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں اچھا ہی ہے۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"بیچارے کا گزارہ چل جاتا ہے۔۔۔ سو روپے تو بہت ہوتے ہیں۔"

"ہوں۔" شوکت نے چند لمحے سوچنے کے بعد رام سنگھ سے کہا۔ "تم جا کر اس موٹر مکینک کو تلاش کرو اور اسے ساتھ لے کر آجاؤ۔۔۔"

"بہت اچھا صاب۔۔۔" ڈرائیور جانے کے لیے مڑا۔۔۔

"اوپر آنے میں کچھ پس و پیش کرے تو کچھ روپوں کا لالچ دے دینا۔ یہ مکینک لوگ بہت لالچی ہوتے ہیں۔" شوکت نے پکار کر کہا۔

"بھیا وہ واقعی ایسا ہی ہے۔ بہت زیادہ لالچی ہے۔ سو روپے لینے کے بعد باقی

واپس ہی نہیں کرتا۔" کوثر اتنا کہہ کر اوپر جانے لگی اور عامر دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

اور یہ بات صرف اسلم نے ہی دیکھی کہ جب کوثر اوپر جا رہی تھی تو دکھاوٹی برہمی کے ساتھ ہی اس کے یاقوتی لبوں پر شرارت بھری مسکراہٹ بھی بکھری ہوئی تھی۔

"سب کام چوپٹ ہو کر رہ گیا۔" شوکت نے منہ بنا کر کہا۔ "مجھے بیحد ضروری کام سے رانی کھیت جانا تھا اور اب یہ گڑبڑ ہو گئی۔"

"تم کیوں نہیں دیکھ لیتے عامر — چھوٹا موٹا کام تو تم بھی کر سکتے ہو۔" اسلم نے جان بوجھ کر ذرا بلند آواز میں کہا۔

"میں — میں کس طرح کر سکتا ہوں۔" عامر گڑبڑا گیا۔ "بھلا مجھے یہ کام کہاں آتا ہے۔"

"ارے بھئی تھوڑا بہت آتا ہے تو دیکھ لو — حرج بھی کیا ہے۔" شوکت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ باہر چلتے ہیں۔"

"اماں ہاں یار، دیکھ لو۔" اسلم نے سرگوشی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے پھر سے سو روپے کا پتہ ہاتھ میں آجائے — کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم ...."

"اچھا تم خاموش رہو —" عامر نے اسے ڈانٹا۔ اور پھر اٹھ کر شوکت کے ساتھ باہر چلا گیا۔
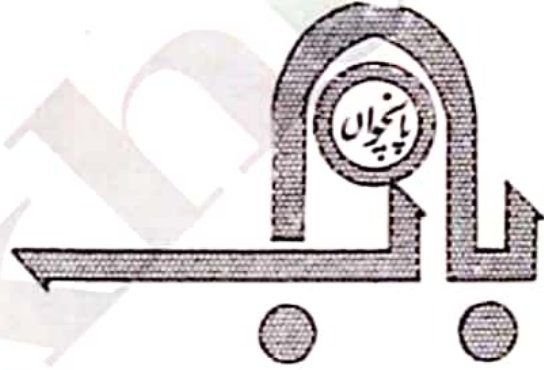
گیئر بکس میں خرابی تھی۔ عامر نے تھوڑی ہی دیر میں خامی کا پتہ لگا لیا تھا۔ شوکت کو خود بھی بہت تعجب تھا کہ عامر نے چند لمحوں میں ہی گاڑی کے مرض کو سمجھ لیا تھا۔ عامر نے رام سنگھ کو کاغذ پر چند پرزوں کے نام لکھ کر دیے اور پھر اس سے کہا کہ وہ جلد از جلد نیچے جا کر یہ سامان لے کر آئے۔ اگر نہ ملے تب بھی فوراً آ کر بتائے۔

"تم رام سنگھ کو کیوں بھیج رہے ہو۔ کسی اور کو بھیج دیتے ہیں۔ اب تمھاری مدد کون کرے گا؟" شوکت نے کہا۔

"اسلم مدد کے لیے کافی ہے۔ رام سنگھ ڈرائیور ہے۔ وہ پرزے آسانی سے لا سکے گا۔" عامر نے جواب دیا۔ "اور اب تم بھی کسی اور سواری میں رانی کھیت جاؤ ۔ کیونکہ تمھاری گاڑی شام سے پہلے ٹھیک نہیں ہو سکتی۔"

"اچھا یہ تو بڑی بُری خبر سنائی ۔ مگر میں اب جاؤں کیسے؟"

"میری کار لے جائیے بھیا۔" اوپر کھڑکی میں سے کوثر کی آواز آئی۔ "مجھے آج کہیں نہیں جانا۔"

"ارے ہاں ۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تمھاری فیئٹ یہاں موجود ہے۔" شوکت نے انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہا۔

"بھیا کیا مکینک آ گیا ۔" کوثر نے دانستہ عامر کو جلانے کے لیے کہا۔

"ارے یہ مکینک کہاں ہے۔" شوکت نے عامر کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا جو اس وقت کار کے نیچے لیٹا ہوا تھا۔ "یہ تو عامر ہے ۔ بھئی یہ تو اچھا خاصا کام جانتے ہیں۔"

"چلیے ۔ تو پھر مکینک کے پیسے بچ گئے ۔"

"اور نہیں تو کیا — لیکن میں عامر کو مکینک سمجھ کر کام تھوڑے ہی کرار ہا ہوں ۔ یوں سمجھو کوثر کہ یہ میری نہیں بلکہ آج اپنی کار ٹھیک کر رہے ہیں ۔ دلی واپس جاتے وقت انھیں یہی کار لے کر جانا ہوگا۔"

عامر یہ بات سن کر جلدی سے گھبرا کر باہر نکلنے کی کوششیں کرنے لگا۔ شوکت جانتا تھا کہ وہ کیا کہے گا۔ لہٰذا اس کی بات سننے سے پہلے ہی وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔ اتنی دیر میں کوثر بھی اوپر سے نیچے آگئی۔ اور عامر کو کام کرتے ہوئے غور سے دیکھنے لگی۔

"آپ نے یہ کام کہاں سیکھا تھا ؟" وہ کار کے انجن پر جھک کر نظا ہر کچھ دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہیں دلی میں سیکھا تھا۔" عامر اپنے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہنے لگا۔ "بات یہ ہے کہ پیٹ کی دوزخ بھرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"یار عامر — کیوں نہ میں ذرا اس کوٹھی کے باغ کی سیر کر آؤں۔" اسلم نے دانستہ وہاں سے ٹل جانے کی سوچتے ہوئے کہا۔ "جب سے آنکھ کھلی ہے الٹی سیدھی باتیں ہی سن رہا ہوں — کیوں کوثر صاحبہ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں — اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ . . ."

"تمھاری تو آنکھ کھل بھی گئی ، مگر بہت سے لوگوں کی آنکھ تو اس حسین جگہ پر کھل ہی نہیں سکتی —" عامر نے مسکرا کر کہا ، مگر اسلم اتنی دیر میں جا چکا تھا۔

"آپ کا اس دنیا میں کیا واقعی کوئی نہیں ہے ؟" کوثر نے اُسے غور سے دیکھ کر پوچھا۔ نہ جانے اس وقت وہ کیوں مہربان ہو رہی تھی۔

"اماں کے علاوہ کوئی نہیں — ویسے کوششیں کر رہا ہوں کہ کوئی اپنا بن جائے۔" عامر نے ہلکی سی آواز میں جواب دیا۔

"کالج میں آپ خاموش خاموش سے کیوں رہا کرتے تھے ؟" کوثر نے جیسے کچھ یاد کر کے پوچھا۔

"بولنے کو ہے ہی کیا میرے پاس — ڈرتا ہوں کہ کوئی بات زبان سے نکلے اور فوراً پکڑا جاؤں" "کون پکڑے گا — ؟"

"ہمارا سماج — میں اتنا غریب آدمی ہوں کوثر صاحبہ کہ مجھے اس غربت سے خوف محسوس ہوتا ہے ۔ غریب کی کوئی آواز ہی کہاں ہوتی ہے ۔ وہ تو دوسروں کا حکم سننے کا عادی ہوتا ہے ۔ ذہنی طور پر بالکل مفلوج ۔ اپنی پسماندگی پر وہ اتنا شرمندہ اور ملول ہوتا ہے کہ اُس کی آواز نکل ہی نہیں سکتی ۔ بس خاموش ہی رہتا ہے ہمیشہ۔"

"اچھا — !" کوثر ہنسی۔

"ہاں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے — ایسا انسان بولنا چاہے تو دوسروں کا رُعب اُس

کی آواز کو دبا دیتا ہے۔"

"لیکن اس وقت تو آپ بول رہے ہیں۔" کوثر طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ وہ بہت غور سے اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

"برسوں کا رُکا ہوا پُر جوش دریا بندھ کی درزوں میں سے رستا ضرور ہے۔" عامر نے آہستہ سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ہمت بندھا دی جو اتنی باتیں بھی کر لیں۔ ورنہ کہاں میں کہاں آپ! آپ ایک امیر خاندان کی لڑکی ہیں اور میں پستیوں میں رینگنے والا مفلوک الحال انسان۔"

"آخر سب لوگ مجھے امیری کا طعنہ کیوں دیا کرتے ہیں۔" کوثر بپھر گئی۔۔۔ اُس کی جبیں پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

"چاند جب رات کو چمکتا ہے تو ہم اُسے سورج تو نہیں کہتے۔ حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاتا کوثر صاحبہ! میں غریب ہوں تو غریب ہی رہوں گا، آپ امیر ہیں تو امیر ہی رہیں گی۔"

"میں عاجز آگئی ہوں۔۔ میں جانتی ہوں کہ لوگ جلن کے باعث ایسا کہتے ہیں۔ کسی کو کھاتا پیتا نہیں دیکھ سکتے۔۔۔۔"

"یہ بات نہیں۔۔۔ دراصل آپ امیری کی نمائش بھی تو کرتی ہیں۔"

"نمائش۔۔۔ کیا مطلب؟"

"اس دن بہت معمولی سا کام تھا جبکہ آپ کی کار راستے میں خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اُسے ٹھیک کر دیا تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے مجھے اتنے سے کام کے وہ سو روپے کیوں دیئے تھے۔ اپنی امارت کی تشہیر کرنے کے لیے یا میری غربت پر ترس کھایا تھا آپ نے؟"

"میں اس وقت بہت غصے میں تھی۔" کوثر کی ابروئیں کمان ہو گئیں۔ "مجھے غصہ آیا تو میں نے وہ نوٹ آپ کو دے دیا۔"

"واہ۔۔۔" عامر ہنسا۔۔۔ "آپ غصے میں لوگوں میں نوٹ بانٹتی پھرتی ہیں کیا۔۔۔؟"

"چلیے یوں ہی سمجھ لیجیے کہ میں نے آپ کو پہچان کر ہی وہ نوٹ دیا تھا۔"

"پہچان کر نہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ آپ میرے وقار اور میری عزت کو ٹھیس پہنچانا چاہتی تھیں کہ میں آپ کے کالج کا ساتھی ہوں۔ اسی لیے جان بوجھ کر آپ نے میری انا کو مجروح کیا۔ اس طرح آپ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ آپ الموڑہ کی سب سے معزز اور امیر لڑکی ہیں۔۔۔ میں ٹھیک عرض کر رہا ہوں نا۔۔۔؟"

"چلیے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر۔۔۔۔" کوثر اب بہت ناراض ہو گئی۔ "کیا میں یہ جانتی نہیں تھی کہ آپ غریب ہیں۔ آپ نے جو کام کیا تھا کیا آپ کو اس کا معاوضہ نہیں ملنا چاہیے تھا۔"

"مگر معاوضہ تو بہت تھا۔" عامر نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ "کیا میں اس سے اندازہ نہیں لگا سکتا کہ آپ نے مجھے حقیر سمجھا۔"

"چلیے یونہی سمجھ لیجیے۔" کوثر نے خشمگیں نگاہوں سے اُسے گھورا۔ "مگر میں پوچھتی ہوں اگر ایسا ہی تھا تو آپ نے وہ نوٹ واپس کیوں نہ کر دیا ـــــ اسے خرچ کیوں کر دیا۔ بتایئے ـــــ؟"

"میں نے اسے خرچ نہیں کیا ـــــ یہ لیجیے، یہ رہا آپ کا وہ نوٹ۔" کوثر نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ عامر نے نوٹ پیچھے کر لیا۔

"یہ نوٹ نہ تو آپ کو واپس ملے گا، نہ ہی خرچ کیا جائے گا۔" عامر نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"کیوں ـــــ؟" حسین ابرو ئیں اوپر اٹھیں۔

"میں اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گا۔" عامر کی آواز لرز رہی تھی۔

"اچھا ـــــ!" کوثر کو حیرت ہوئی۔

"اس میں بہت سی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔ برا مت مانیے گا۔ گونگے کو آج قوت گویائی ملی ہے۔ مجھے کہنے دیجیے کہ اس میں آپ ایک کاغذی پیرہن میں ملبوس ہو کر میرے پاس رہیں گی۔ آپ کے جسم کی جانفزا مہک میرے تن مردہ میں جان ڈال دے گی۔ بس میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ ـــــ اپنی اس جسارت پر ہی مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ مزید کیا کہوں؟"

عامر اتنا کہنے کے بعد پھر دوبارہ کار کے نیچے لیٹ گیا اور کوثر اسے اس طرح دیکھنے لگی گویا وہ دنیا کی عجیب ترین مخلوق ہو ـــــ ایک عجیب عالم بیخودی میں وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے۔ یوں لگا گویا ایک زلزلہ آیا اور گزر گیا، اُسے درحقیقت عامر کی جسارت اور ہمت پر حیرت ہو رہی تھی۔

یہ کتنا عجیب اور حیرت انگیز انسان ہے! کس صفائی سے اپنے دل کی بات کہہ گیا؟ پھر ایک شبہ نے اس کے دل میں سر ابھارا۔ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہے ـــــ مگر نہیں۔ اتنی اچھی شکل و صورت والا آدمی بھلا پاگل کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر کیا یہ میرا تمسخر اڑانا چاہتا ہے ـــــ!

کوثر نے اندازہ لگا لیا کہ یقیناً یہی بات ہے۔ وہ شروع ہی سے اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ امیری اور غریبی پر اس نے کافی سے زیادہ کہہ دیا ہے۔ اب اس کی خوشامد کرنے کے لیے اس نے یہ باتیں کی ہیں ـــــ ورنہ اگر اسے ان باتوں کا اظہار کرنا ہی تھا تو بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا۔ اس وقت کر دینا چاہیے تھا جب وہ کالج میں روزانہ اس سے ملا کرتا تھا۔ اس نے محض چڑانے اور جلانے کے لیے یہ خوشامد کی ہے۔ ورنہ وہ جس قدر ضدی اور خود سر ہے، سارا کالج اچھی طرح جانتا ہے۔

بڑے ناز اور نخوت کے ساتھ کوثر نے گردن موڑی۔ ہلکا سا بھرپور طنز والا ایک

قہقہہ لگایا اور پھر اس ہنسی کے بوجھ سے بار بار جھکتی اور اٹھلاتی ہوئی وہ کوٹھی کی سمت جانے لگی۔
اسلم بڑی دیر سے ایک تناور درخت کے پیچھے چھپا ہوا نہ صرف انھیں دیکھ رہا تھا بلکہ ان کی گفتگو بھی سُن رہا تھا۔ جب کوثر کوٹھی کی طرف آنے لگی، تو وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

"ارے آپ جا رہی ہیں؟"

"اور نہیں تو کیا ـــــ" کوثر اب بھی ہنس رہی تھی۔ "سچ اسلم صاحب، آپ کے دوست بہت ہی دلچسپ انسان ہیں۔ جو کبھی اُن کی باتیں سنے گا، ہنسے گا ضرور ـــــ"

اسلم نے باتیں تو تقریباً سبھی سنی تھیں۔ ایسی باتیں تو نہیں تھیں کہ جن پر ہنسا جائے۔
وہ سمجھ چکا تھا کہ کوثر نے دراصل عامر کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اس نے پوچھا ـــــ

"آپ شاید اس کی حماقت پر ہنستی رہی ہیں!"

"پھر کس بات پر ہنسوں؟"

"میرے خیال میں وہ سنجیدہ ہے۔"

"اب آپ بھی احمقوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ لہٰذا کیا میں آپ پر بھی ہنسوں؟"

کوثر کے اتنا کہتے ہی اسلم بغلیں جھانکنے لگا لیکن پھر فوراً ہی اسے اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات مل گئی۔ ایک کوتاہ قد لڑکی جو ماڈرن لباس زیب تن کیے ہوئے تھی۔ سفری تھیلا پشت پر لٹکائے ہوئے ان کی طرف آتی دکھائی دی۔ کوثر اسے دیکھتے ہی جیسے کھل گئی۔

"منجو ـــــ ارے منجو تو کب آئی؟"

وہ دوڑ کر اس لڑکی سے بغلگیر ہو چکی تھی۔

"میں سیدھی پنڈاری گلیشیر سے آ رہی ہوں ـــــ" لڑکی جس کے خط و خال قدرے پہاڑی تھے، ہانپتے ہوئے بولی۔

"تجھے کس نے بتایا کہ میں آج کل یہاں آئی ہوئی ہوں ـــــ؟" کوثر نے جلدی جلدی اُس کا سامان اتارنے میں مدد دی۔

"تمہارے ڈرائیور رام سنگھ نے۔ وہ مجھے نیچے ملا تھا۔ میں بس سے اُتر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے یہ خوشخبری دی کہ تم آئی ہوئی ہو اور میں پھر تجھ سے ملے بغیر نہ رہ سکی۔ لہٰذا اوپر آ گئی۔"

منجو نے سامان اتارنے کے بعد اطراف کا جائزہ لیا اور پھر اسلم کو دیکھنے لگی۔

"یہ مسٹر اسلم ہیں ـــــ یونیورسٹی میں میرے ساتھ ہیں۔" کوثر نے تعارف کرایا۔ "میرے بھیا کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ تو آغاز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر اس سے بھی زیادہ خوشی ہو۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے

کہ بھائی اسلم آپ غلط کہہ رہے ہیں ــــ" اسلم نے حسب عادت اپنا راگ الاپا۔

کوثر نے ایک نقرئی قہقہہ لگایا اور منجو سے بولی کہ وہ اندر چلے۔ منجو غور سے کار کے نیچے لیٹے ہوئے آدمی کو دیکھ رہی تھی۔ جب عامر نے سر باہر نکالا تو منجو نے چونک کر کہا۔

"ارے تمہیں مکینک ہاتھ آگیا ــــ ویری گڈ۔"

"ہاں، شہر سے بلایا گیا ہے ــــ" کوثر نے ہنسی کے درمیان کہا۔

"شوکت کہاں ہیں ــــ؟"

"کیوں ــــ بھیا کو کیوں پوچھ رہی ہے ــــ؟"

"یونہی ــــ کوئی خاص بات نہیں ــــ" منجو کے گالوں پر شرم کی سرخی پیدا ہوگئی۔

صرف اسلم ہی یہ بات جان سکا کہ منجو اپنے دل میں شوکت کے لیے کچھ خاص جذبات رکھتی ہے۔ اس معاملے میں وہ جہاندیدہ تھا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ کون سی لڑکی کون سی بات سن کر جھینپتی ہے، یا شرماتی ہے۔ اسلم ایسی لڑکیوں کے رخسار دیکھ کر اندازہ لگا لیتا تھا کہ ان کے شرمانے یا جھینپنے کی اصل بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟

"اچھا یہ بتا کہ تو یہاں کیوں آئی ہے۔" کوثر نے پوچھا۔ "تو بہت مطلبی ہے۔ میں جانتی ہوں کوئی خاص کام ہوگا ــــ"

"معاف کیجیے گا، آپ شوکت صاحب کو پوچھ رہی تھیں ــــ کہیں یہی کام تو نہیں تھا۔" اسلم نے شریر نظروں سے منجو کو دیکھا اور منجو پھر سرخ ہوگئی۔ دانستہ اس نے بات کا رخ پلٹ دیا۔

"میں کچھ پینٹنگ کرنا چاہتی ہوں کوثر۔ اب کے بڑے بڑے خوبصورت پھولوں کو فور گراؤنڈ میں لے کر کچھ تصویریں بنانی ہیں ــــ"

"ارے ــــ پھر تو تیرے لیے ہمارا وہ چھوٹا سا بنگلہ ٹھیک رہے گا جو یہاں سے کچھ ہی نیچے ہے ــــ ادھر آکر دیکھ ــــ" کوثر منجو کو ساتھ لے کر کار کے قریب سے گزرتی ہوئی اس ڈھلان کے سرے پر آکر ــــ کھڑی ہوگئی، جہاں سے خوبصورت سی سیڑھیاں نیچے ایک بنگلے کی طرف جا رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں پر ندی کے گول اور حسین پتھر خوبصورتی سے جما دیے گئے تھے، جو بےحد حسین اور جاذب نظر دکھائی دیتے تھے۔

منجو نے وہ بنگلہ دیکھا تو خوشی سے اچھل گئی۔ کیونکہ مشکل سے وہ اوپر والی کوٹھی سے صرف پچیس تیس میٹر نیچے تھا۔ کھپریل کی سرخ چھت اور اعلیٰ درجے کی لکڑیوں سے بنا ہوا وہ بنگلہ درحقیقت اتنا دلفریب تھا کہ ہر شخص اس میں چند لمحات گزارنے کی خواہش کر سکتا تھا۔

"بس بس ۔۔۔ وہی جگہ مجھے سوٹ کرے گی۔" منجو نے بچوں کی طرح تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

"رودر پور کے ایک زمیندار ہیں وجاہت خاں ۔۔۔ تو جانتی تو ہو گی۔"

"نہیں ۔۔۔ ویسے کیا بات ہے ۔۔۔؟"

"ان کی لڑکی پروین کو بھی یہی خبط ہے جو مجھے ہے۔ اگر تو کہے اور بار نہ گذرے تو اسے بھی چند دن کے لیے اپنے ساتھ رہنے کے لیے بلا لوں۔"

"ضرور بلا لے ۔۔۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی۔" کوثر نے جواب دیا۔

"بس تو یہ موٹر مکینک جب کار ٹھیک کرنے کے بعد نیچے جانے لگا تو اس کے ہاتھ ایک پرچہ لکھ کر بھیج دوں گی۔ وہ زمیندار صاحب کے گھر تک پہنچا دے گا۔"

اس عرصہ میں عامر کار کے نیچے سے نکل آیا تھا اور اسلم کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اسی سمت میں آ رہا تھا۔ اس کے بے داغ کھدر کے کپڑوں پر موبل آئل کے دھبے پڑ چکے تھے۔ کوثر کے قریب پہنچ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کی کار ٹھیک ہو گئی ہے۔ اجازت دیں تو اب میں جاؤں؟"

"ارے ہاں ۔۔۔!" کوثر کے بجائے منجو نے کہا۔ "دیکھو جب تم نیچے جاؤ تو ذرا وجاہت صاحب کی کوٹھی پر ایک پرچہ دے دینا۔"

"وجاہت ۔۔۔ یہ کیا چیز ہیں؟" عامر نے مسکرا کر پوچھا۔

"بدتمیز! تم وجاہت صاحب کو چیز کہہ رہے ہو ۔۔۔" منجو نے غصے سے کہا۔ کوثر خاموش رہی اور کنکھیوں سے عامر کو دیکھتی رہی۔

"محترمہ انھیں چیز نہیں تو پھر کیا ناچیز کہوں؟" عامر مسکرایا۔

"بڑا احمق آدمی ہے ۔۔۔" منجو نے اپنے پیر پٹخ کر کہا۔

"جی ہاں ۔۔۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس سے بڑا بیوقوف شاید ہی اس پہاڑ پر کوئی دوسرا ہو ۔۔۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا کوثر صاحبہ۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھے ۔۔۔۔"

"منجو، یہ مکینک نہیں ہیں ۔۔۔" کوثر نے اسلم کا فقرہ کاٹ کر جواب دیا۔ "یہ مسٹر عامر ہیں۔ دلی یونیورسٹی میں میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ ہم لوگوں پر رحم کھا کر انھوں نے کار ٹھیک کر دی ہے۔"

"آئی سی ۔۔۔" منجو نے سر سے پاؤں تک عامر کا جائزہ لے کر کہا۔ "آئی ایم سوری مسٹر عامر"

"کوئی بات نہیں ۔۔۔" عامر مسکرایا اور پھر اس نے کوثر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لوگ مجھے ہمیشہ پست خاندان کا کم عقل آدمی سمجھتے ہیں۔ صورت ہی ایسی ہے میری۔ ویسے آپ جیسی عالی قدر خاتون کی تعریف؟"

"میری سہیلی مس منجو ساہ ہیں — بہت اچھی آرٹسٹ ہیں۔" کوثر نے تعارف کرایا — لینڈ اسکیپ بہت عمدہ بناتی ہیں۔"

"بہت خوب — آپ سے مل کر خوشی ہوئی، آؤ اسلم کمرے میں چلیں۔"

عامر اسلم کو ساتھ لے کر کوٹھی کی طرف جانے لگا اور اس وقفے میں منجو اسے بہ نظر تحقیق دیکھتی رہی۔ بڑی عجیب اور پرکھنے والی نظریں تھیں اس کی۔ پھر کوثر نے بھی عامر کا مزید تعارف کرانے کے بعد آخر میں اتنا اور کہا۔

"خبطی انسان ہے۔ ہمیشہ چٹکی لے کر بات کرتا ہے۔"
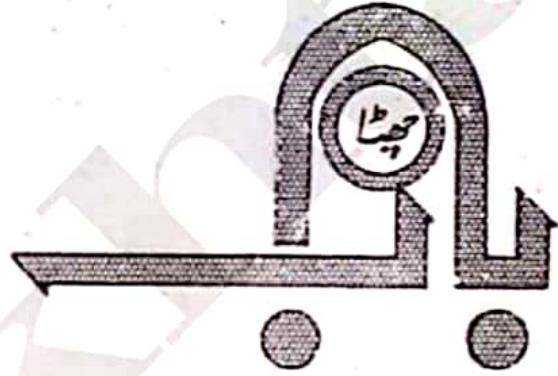
شام سے پہلے شوکت بھی واپس آگیا اور اس کوٹھی کی نئی مہمان پروین بھی —— پروین کو دیکھ کر اسلم کو یوں محسوس ہوا گویا وہ اگر کسی شخصیت کی تلاش میں اب تک سرگرداں تھا تو وہ یہی پروین تھی۔ معمولی سی اور مناسب ناک نقشے والی یہ سرخ و سفید لڑکی اسلم کو بہت بھائی اور اس کا سامان کار میں سے اتروانے سے لے کر اسے سرخ بنگلے تک پہنچانے کا تمام کام اس نے خود انجام دیا۔ اسلم ہونق ضرور تھا مگر اتنا سجیا نک نہیں۔ شکل وصورت کے لحاظ سے اچھا خاصا معقول انسان دکھائی دیتا تھا۔

—— چنانچہ پروین نے بھی بڑی گہری نظر سے اسے دیکھا۔ شاید کبھی پہلے اتنی گہری نظر سے کسی اور کو ہرگز نہ دیکھا ہوگا۔ اسی انداز سے اسلم نے بھی پروین پر بھرپور نظر ڈالی —— نظروں کے اس تبادلے میں دِلوں کی بھی ادل بدل ہوگئی —— اتنی آہستگی سے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوسکا۔

شوکت المونڑے میں کئی مرتبہ منجو سے مِل چکا تھا۔ متناسب اعضا اور خوبصورت جسم رکھنے والی یہ پہاڑی دوشیزہ اسے بہت پسند آئی تھی۔ ایک نوجوان اور مالدار شخص میں ہزاروں خوبیوں کے ساتھ عموماً کوئی نہ کوئی برائی ضرور ہوتی ہے۔ شوکت بھی اس خامی سے مبّرا نہ تھا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ حرام اس نے نہیں کھایا جس کے ہاتھ نہ آیا۔ لہٰذا ایسے خوابصورت جسم والی دوشیزائیں اس کی سب سے بڑی کمزوری تھیں۔ اس نے بڑی بھوکی اور ہوسناک نظروں سے منجو کو دیکھا تھا۔ اور بھولی بھالی معصوم منجو ان نظروں کو محبت کی نظر سمجھ بیٹھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب صبح اسلم نے دانستہ شوکت کا ذکر کیا تھا تو منجو شرما گئی تھی۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا —— منجو خود سے چل کر شوکت کے گھر آگئی تھی۔ اس امید پر آگئی تھی کہ کوثر کی سہیلی ہونے کے ناطے ایک تو کچھ تھا دیر بھی سکون سے بن جائیں گی۔ دا اتنے بڑے

سرخ پھول صرف شوکت لاج کے سرخ بنگلے کے اطراف ہی میں کھلتے تھے) دوسرے شوکت کا قرب بھی حاصل ہو جائے گا ـــــــــ یہ قرب پانے کے لیے شاید شوکت کو اتنی خواہش نہ ہو جتنی منجو کو تھی ـــ اس نادان لڑکی نے شوکت کو اپنے دل کی دھڑکن میں ہمیشہ کے لیے سمو لیا تھا۔
شوکت نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا ـــ اپنی ایک تصویر بنوانے کی خواہش کا بھی اظہار کی۔ ایسی نگاہوں سے منجو کو دیکھا کہ وہ موم کی طرح پگھل کر رہ گئی۔ رات بھر کوٹھی میں نئے مہمانوں کی آمد کی خوشی میں ایک جشن ہوتا رہا۔ پروین اور اسلم ایک گوشہ میں نا ختم ہونے والی باتوں میں مصروف رہے۔ اور شوکت منجو کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی پڑھ کر قسمت کا حال بتانے لگا۔ عموماً وہ اسی طرح لڑکیوں سے بے تکلفی کا آغاز کیا کرتا تھا۔
"آپ اس پہاڑ کے خوبصورت دامن میں کھلا ہوا ایک حسین پھول ہیں۔ منجو آپ کو گلاب کا پھول پسند ہے۔ آپ کے ہاتھوں کی لکیریں بتاتی ہیں کہ آپ گلاب کی نازک کلیوں کی تلاش میں جگہ جگہ بھٹکتی پھرتی رہی ہیں گی ـــ"
"یہ تو سچ ہے ـــ" منجو اٹھلائی۔
"کانٹوں سے دامن بچاتی ہوئی اور بھنوروں کی دسترس سے بچ کر آپ اپنی منزل پا لیں گی۔ آپ کو ایسے انسان کی محبت نصیب ہو گی جو خود آپ ہی کی طرح پھولوں کا شیدائی ہو گا ـــ"
منجو نے دزدیدہ نظروں سے اُسے دیکھا اور شرما گئی۔
"وہ شخص نام کا امیر ہو گا لیکن اس کا دامن محبت کے پھولوں سے خالی ہو گا۔ آپ اُسے محبت کا بھکاری سمجھ لیجیے۔ وہ اگر آپ سے محبت کی بھیک مانگے تو انکار مت کر دیجیے گا ـــ کیونکہ ایسا وقت زندگی میں بار بار نہیں آتا۔"
منجو نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اشاروں کنایوں میں کہی گئی باتوں کو وہ خوب سمجھ گئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ منجو اُن کے سوا کسی... کی نہیں ہو سکتی۔ وہ اُن کی پجارن ہے۔ اور اس پجارن کی عقیدت روز بروز بڑھتی ہی چلی جائے گی ـــ کبھی کم نہ ہو گی۔
ان سب سے الگ ہٹ کر عامر کوٹھی سے باہر، بالکل تنہا اس مقام پر کھڑا ہوا تھا جہاں سے الموڑہ کی عمارتیں ہو بہو گڑیوں کے بنے ہوئے گھر نظر آتی تھیں۔ برفانی چوٹیاں رات کی سیاہ چادر میں چھپ جانے کے باوجود اپنا وجود ظاہر کر رہی تھیں۔ بالکل اس طرح جیسے کسی سوگوار حسینہ کا تابناک چہرہ سیاہ دوپٹے میں سے نظر آ جاتا ہے!
خالی خالی نظروں سے وہ قیمتی ترین اندھیروں میں دیکھ رہا تھا۔ پہاڑی مینڈک اپنی بے ہنگم آواز سے دلآویز سکوت کو توڑنے میں مصروف تھے۔ اندھیرے میں نظر آ جانے والی ہلکی سی روشنی

یوں لگتی تھیں گویا لاتعداد جگنو ایک مقام پر مل کر کپکپا رہے ہوں۔

عامر کو یہ مقام صبح بھی بہت اچھا لگا تھا۔ نہایت ہی حسین اور شوخ پھول اس سرے سے اس سرے تک بکھرے ہوئے تھے۔ لطیف و نازک پنکھڑیوں والے بڑے بڑے گلابی اور پیلے پھول۔ ان کی پنکھڑیوں پر قدرت نے عجب کاریگری دکھائی تھی۔ باریک سی شریانیں ہر پنکھڑی میں نمایاں تھیں! وہ قدرت کا عاشق تھا۔ لہٰذا اسی مقام پر کھڑا ہوا پھولوں کو دیکھتا رہا!

صبح سے لے کر شام تک، وہ جتنی دیر کار ٹھیک کرتا رہا تھا، دراصل کار کے پیچھے سے وہ کوثر کو ہر ہر زاویہ سے دیکھتا رہا تھا۔ اس سے باتیں کرتے وقت بھی اس کی نظریں کوثر کے چہرے کو پڑھتی رہی تھیں۔ پہلے وہ خطہ شاید اسے حسین نہ لگتا ہو لیکن اب اُسے یوں لگتا تھا گویا جنت میں آ گیا ہو ـــ اس کا دل مسرت سے لبریز تھا۔ اُسے اس بات کا بھی احساس نہ تھا کہ مسرت سے لبریز پیمانے بالآخر چھلک بھی پڑتے ہیں!

پہلے یہ پہاڑی مقام اُسے بالکل بے جان اور بے کیف سا نظر آتا تھا۔ مگر اب اُسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس پورے خطے نے جی بھر کر کوثر کو دیکھ لیا ہے۔ یہی باعث تھا کہ پہاڑ غرور و نخوت سے تن گئے تھے۔ ننھے منے پودوں کی اوٹ سے پیارے پیارے پھولوں نے اپنے سر باہر نکالے تھے۔ نشیب میں نظر آنے والی چھوٹی سی جھیل کے ساکن پانی پر ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ تیز ہوائیں مدھم راگنیوں میں بدل گئی تھیں ـــ پورا خطہ جنت بن گیا تھا۔ !

اور عامر کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ کوثر کی موجودگی سے ہوا ہے!

اور یہ خیال تھا بھی صحیح ـــ کیونکہ اس نے بارہا یہی دیکھا تھا کہ کوثر جب کسی پیاری سی پگڈنڈی پر چلتی تو وہیں کسی جھاڑی میں سے کوئی شریر پھول بیتاب ہو کر نکلتا اور اس کے احمریں لبوں کو چھو کر گم ہو جاتا!

چیڑ کی ڈالی پر کہیں سے کوئی حسین پرندہ آ کر بیٹھتا۔ حیرت سے وہ کوثر کو دیکھتا اور غالباً اس کا لمس محسوس کرنے کی خاطر بالکل اس کے قریب سے ہو کر اڑ جاتا!

کتنی تتلیاں عامر کے دیکھتے دیکھتے حسین پھولوں سے منہ موڑ کر کوثر پر نثار ہونے لگتیں۔

وہ جس چھوٹی سی اور پتلی روش پر محوِ خرام ہوتی تو ہری ہری گھاس فوراً پگڈنڈی کو اپنی آغوش سے علیحدہ کر دیتی۔ ننھے منے خودرو پھول تڑپ کر گھاس میں سے نکلتے اور کوثر کے قدموں تلے آ کر کچل جاتے!

اس طرح کچل جانے ہی سے ابدی حیات ملتی تھی اور عامر چاہتا تھا کہ ایسی ہی حیات اس کی بھی ہو ــــ خواہ بے شک وہ کچل دیا جائے!

شوکت لاج میں ریڈیو گرام پر مختلف گانے بجتے رہے۔ قہقہوں سے فضا گونجتی رہی اور عامر
بالکل خاموش اور ماحول سے بے پروا اسی مقام پر کھڑا ہوا نشیبی علاقوں کو دیکھتا رہا۔ جھیل کے
ساکن پانی پر برف سے ٹھٹھرے ہوئے چاند کا عکس پڑ رہا تھا۔ پہلے یہ عکس غیر متحرک تھا کیونکہ
ہوائیں تھم گئی تھیں مگر اب پانی پر کچھ سے ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ وہ جھیل کو دیکھ رہا تھا۔
چپ چاپ سی جھیل!۔۔۔ جیسے غموں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہو۔ جس میں مسرت کی ننھی سی بھی لہر
پیدا نہ ہوتی ہو۔۔۔ جس میں انبساط کے حباب بھی اٹھتے ہوں تو آلام کے دباؤ کے تحت یک لخت
دب۔۔۔ جاتے ہوں!

ٹکٹکی باندھے وہ چاند کو گھور رہا تھا۔۔۔ چاند، جو آئینہ نما ہے اور جس میں حسین و جمیل چہروں
کا عکس بھی نظر آیا کرتا ہے۔۔۔!

ایک جانی پہچانی خوشبو اچانک اس کے قریب آگئی۔ کوثر تھی۔۔۔ وہ اس خوشبو
کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"چاند کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ مجھے اسے دیکھنے کا خبط ہے۔۔۔" عامر نے آہستہ سے
جواب دیا۔۔۔ اور پھر گردن موڑ کر اس کے چاند جیسے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"شاید چاند کو پانے کی آرزو میں آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔" طنز نشتر۔۔۔!

"میں جانتا ہوں کوثر صاحبہ کہ چکور چاند تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اگر ہمت
ہار دی جائے تو اس طرح تو چکور کی قوتِ پرواز ہی ختم ہو جائے!"

"ضرورت بھی کیا ہے قوتِ پرواز کی۔۔۔" کوثر نے ناک چڑھا کر کہا۔۔۔ "جس چیز
کو حاصل نہ کیا جا سکے، اس کے پیچھے دوڑنے سے حاصل!"

"اسے جنون یا پاگل پن کہہ سکتی ہیں آپ۔" عامر نے سرد آہ بھر لی۔

"ہاں یہ بات تو ضرور ہے۔" کوثر نے دانستہ اسے نظر انداز کر کے کہا۔۔۔ "ویسے کیا
میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہوئے تھے۔۔۔؟"

مجھے یہ جگہ پسند ہے۔۔۔ نہ جانے میں کیوں یہاں آ کر کھڑا ہو گیا ہوں۔ ایسا لگتا ہے
گویا کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔۔۔" عامر نے اس کے حسن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

آپ نے یہ بات بھی درست کہی۔۔۔ یہاں جو بھی آتا ہے خواب ہی دیکھتا ہے۔۔۔
ویسے میں آپ سے بطور ہمدرد کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کہئے۔۔۔" عامر نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"یہ خوابوں کی دنیا ہے۔ زیادہ متاثر مت ہوئیے، ورنہ آنکھ کھلنے پر بڑا افسوس ہوگا۔"
کوثر نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔

"آنکھیں تو کھل چکی ہیں۔ بہت پہلے کھل چکی ہیں ۔۔۔" عامر تلملا گیا۔

"پھر بھی آپ جاگتے میں خواب دیکھ رہے ہیں!" نیزے کی آنی کوثر نے عامر کے سینے میں ماری۔

"کیا کروں ۔۔۔ خواب ہی میرا مقدر ہے ۔۔۔ آنکھیں کھل جانے کے باوجود میں خواب دیکھ رہا ہوں ۔۔۔ کون روک سکتا ہے مجھے ایسا کرنے سے؟" وہ تقریباً سسکنے لگا۔

"کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ آپ جلد ہی حقیقتوں کا شکار ہو جائیں گے" کوثر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ۔۔۔ "بہر حال آپ کے اسلم صاحب نے جب گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا تو آپ کو نہ پا کر بہت پریشان ہوئے۔ ان ہی کے کہنے پر میں آپ کو دیکھنے یہاں تک آئی ہوں، چلئے بھیا آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

وہ مسمریزم کے معمول کی طرح کوثر کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اپنی بے بسی پر وہ آنسو بہا رہا تھا۔ بچہ نہیں تھا کہ کوثر کی کہی ہوئی باتوں کا مطلب نہ سمجھتا ۔۔۔ خوب سمجھتا تھا ۔۔۔ ایک ایک بات سمجھتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کوثر کے دل میں اپنی جگہ بنانے میں وہ ابھی تک ناکام رہا ہے۔ صرف دو دن کی مختصر سی ملاقاتیں کس طرح زندگی بھر کا نباہ بن سکتی ہیں ۔۔۔ وہ جانتا تھا ۔۔۔ مگر سراب کے پیچھے دوڑ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ جو کچھ وہ سوچ رہا ہے ناممکن ہے۔ محل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگ سکتا ۔۔۔!

مگر ہائے رے ظالم دل ۔۔۔ یہ انسان کو کتنے عظیم فریب دیتا ہے۔!

عامر کو علم تھا کہ وہ دھوپ کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کوثر کو کبھی نہیں پا سکتا۔ اس نے بے کار ہی آس و امید کے قمقموں سے اپنے دل میں چراغاں کیا ہے! آرزوؤں اور امیدوں کے گھروندے تعمیر کیے ہیں ۔۔۔ لیکن ریت کے محل سمندر کے کنارے برقرار رہ سکتے ہیں؟

اسے توقع تھی کہ اس عارضی قربت کے طفیل کوثر کم از کم اب تو اس سے کھل کر بات کرے گی ۔۔۔ مگر وہاں سوائے نیز و نشتر کے اور کچھ نہ تھا۔ دل میں رکا ہوا پرجوش دریا امنڈ آیا ۔۔۔ اندھیری رات میں اتنے ستارے ٹوٹے کہ اس کے کوتاہ دامن میں ان ستاروں کو جذب کرنے کی جگہ بھی نہ رہی ۔۔۔!

اسی طرح دن آئے، راتیں گئیں اور وہ کوثر کے دو محبت بھرے بول سننے کے لئے ترستا رہا۔ اسلم پروین کے ساتھ چپک گیا تھا اور منیجر عموماً شوکت کے ساتھ نظر آتی تھی وہ

تنہا بیٹھا یا تو کوئی کتاب پڑھتا رہتا یا پھر ٹکٹکی باندھے خلا میں گھورے جاتا۔ کوثر کبھی کبھار اس کے قریب آتی مگر پھر ناک چڑھا کر واپس چلی جاتی۔ کیونکہ اسے وہ لوگ پسند نہیں تھے جو ہر وقت منہ لٹکائے بیٹھے رہتے ہوں۔

رنگ برنگے گلاب کے حسین پھول کوثر کی کمزوری تھی۔ وہ سرخ رنگ کا بنگلہ بھی دراصل اسی کا تھا جو شوکت لاج سے کچھ نیچے نشیب میں واقع تھا۔ اس بنگلہ کے اطراف میں ایسے حسین اور مختلف اقسام کے گلاب لگے ہوئے تھے۔ منجو انہیں پھولوں کی تصویر کشی کی خاطر وہاں آئی تھی۔ لہٰذا اشنام کے بعد وہ اور پروین مشتوری کے سامان کے ساتھ اس بنگلے میں منتقل ہو گئیں۔ منجو کا ارادہ صبح کے وقت کام کرنے کا تھا۔ البتہ اسلم کو پروین کا یوں الگ ہو جانا قطعی نہ بھایا۔ لیکن مجبوری تھی دل پر پتھر کی سِل رکھ کر خاموش ہو جانا ہی پڑا۔

کوثر کو وہ پھول تو پسند تھے ہی۔ لیکن زرد گلاب کی وہ ننھی سی نازک کلیاں اسے جان سے زیادہ عزیز تھیں جو بنگلے سے کچھ ہی نیچے ایک چھوٹی سی پہاڑی چٹان کے آس پاس کھلی ہوئی تھیں۔ اس مقام پر صرف دل والے ہی جا سکتے تھے۔ کیونکہ سرخ بنگلے کے بعد وہ نوکیلی اور قدرے آگے نکلی ہوئی چٹان تھی اور چٹان کے بعد بہت گہرا کھڈ۔ جس میں جھانکتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ کوثر اس جگہ کھلے ہوئے زرد گلاب کی کلیوں کو عموماً ڈرائیور رام سنگھ سے منگوائی تھی۔ موٹا تازہ رام سنگھ بڑی مشکل سے زمین پر بیٹھ کر اور ہاتھوں سے چٹان کا سہارا لیتا ہوا ان تک پہنچتا تھا اور تب وہ زرد کلیاں کوثر کے جوڑے کی زینت بنتی تھیں۔

رام سنگھ اتفاق سے چھٹی پر تھا اور کوثر اپنی سہیلی منجو کے موقلم کی شوخیاں دیکھنے کے لئے صبح ہی صبح سرخ بنگلے میں آگئی تھی۔ منجو نے کینوس پر جو منظر کھینچا تھا، درحقیقت تڑپا دینے والا تھا۔

(روپہلے پتھروں کی طرح نیلے آسمان میں جڑے ہوئے برفانی سلسلۂ کوہ کے پس منظر میں ایک بیحد خوبصورت اور بڑا گلاب کا پھول ایک تنہا سی ٹہنی پر کھڑا تھا۔!)

صبح کی سیر سے واپسی پر عامر اور اسلم یونہی اس طرف نکل آئے۔ اگر سچ کہا جائے تو اسلم ہی پروین کی خاطر عامر کو زبردستی اس طرف کھینچ لایا تھا۔ پروین بھی اپنے ایزل پہ کچھ نقش و نگار کھینچنے میں مصروف تھی۔ ابھی صرف پنسل سے آؤٹ لائن کھینچی گئی تھی۔ لیکن اسلم نے اسی کو آرٹ کا شاہکار قرار دے دیا۔

"قسم ہے پاک پروردگار کی کہ اس سے بہتر مصوری میں نے آج تک دیکھی ہی نہیں ـــــ

کیا غضب کی لکیریں ڈالی ہیں آپ نے پروین صاحبہ"
"آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ پروین نے کیا بنایا ہے؟" منجو نے شوخ نظروں سے اسلم کو دیکھا۔
"کیوں نہیں — میں نے بھی آرٹ سیکھا ہے —" اسلم نے سینہ تان کر کہا۔
"وہ دیکھئے اوپر آسمان میں کچھ نکیلی جھونپڑیاں ہیں — بالکل اہرام مصر جیسی۔"
"اچھا —" پروین نقرئی گھنٹیوں جیسی آواز میں ہنسی۔ "یہ برفانی چوٹیاں آپ کو جھونپڑیاں نظر آتی ہیں — اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے یہ بالکل نیچے کیا ہے —؟"
"وہ — وہ تو —" اسلم بوکھلا گیا اور بار بار عامر کو دیکھنے لگا کہ شاید وہ کوئی بات کہے۔
"ہاں ہاں — بتاؤ —" عامر نے الٹا اسی سے دریافت کیا۔
"میرے خیال میں یہ دو لکیریں شاید ریلوے لائن کی ہیں —" اسلم نے گھبرا کر جواب دیا — اور یہ جواب سن کر سبھی ہنس پڑے۔ کوثر ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی اور بولی —
"ریلوے لائن — واہ —" "آپ تو بہت قابل انسان ہیں اسلم صاحب کیوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں — اگر غلط کہہ رہی ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجئے کہ بہن کوثر تم غلط کہہ رہی ہو —"
اسلم سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ مگر کوثر کی اس بات سے عامر کے ہونٹوں پر تبسم کھیل گیا۔ ایک بڑے سے پتھر سے سہارا لے کر وہ منجو کی بنائی ہوئی تصویر کو دیکھنے لگا۔
"آپ کیا دیکھ رہے ہیں مسٹر عامر —" منجو نے اسے اپنی طرف دیکھتے پاکر پوچھا۔
"میں آپ کی اس تصویر کو دیکھ رہا ہوں —" عامر نے جواب دیا۔ "معاف کیجئے گا۔ کیا آپ اس میں تھوڑی سی ترمیم کر سکتی ہیں؟"
"ترمیم — کس بات کی؟" منجو نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"میں کہتے ہوئے ڈر رہا ہوں مس منجو، کیونکہ ہماری ملاقات کچھ بہتر ماحول میں نہیں ہوئی تھی — میں نے بھی بحث کی تھی — شاید آپ ناراض ہوں۔"
"جی نہیں — غلطی تو میری ہی تھی کہ آپ کو مہمان کے بجائے کچھ اور سمجھ بیٹھی۔" منجو نے ہنستے ہوئے کہا — "بہر حال فرمائیے کیا کہہ رہے تھے آپ؟"
"گلاب کا پھول تو آپ نے اتنا عمدہ بنایا ہے کہ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ہاتھ بڑھا کر

اسے توڑ لیا جائے ـــــ لیکن ـــــ" عامر جھجکتے ہوئے بولا ـــــ "لیکن پس منظر بہت ہی کنٹراسٹ ہے۔ پھول اس میں دب جاتا ہے، جب کہ اسے بیک گراؤنڈ میں سے بالکل الگ نکلنا چاہیئے۔"

"ارے واقعی!" منجو نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر پینٹنگ کو دیکھا۔ "آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں عامر صاحب ـــــ"

پروین، اسلم اور کوثر بھی تعجب سے عامر کو دیکھنے لگے۔ ان کے نزدیک عامر کا آرٹ میں اتنی شُد بُد رکھنا حیرت انگیز تھا۔ شاید منجو برش سے تصویر میں تصحیح کرنا شروع کر دیتی، مگر کوثر اچانک بول پڑی۔

"یہ موٹر میکنزم نہیں، فائن آرٹ ہے۔ لوگ اعتراض تو کر دیتے ہیں مگر جانتے کچھ نہیں ـــــ"

کیوں نہیں جانتا ـــــ بہت کچھ جانتا ہے۔" اسلم نے حسبِ معمول عامر کا پارٹ لیا۔ "کیوں عامر میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم ـ ـ ـ ـ ـ"

"ہاں آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں ـــــ" کوثر چڑ گئی ـــــ "ہر آدمی اسی طرح کہتا ہے۔ تنقید کرنا آسان ہے مگر عمل بہت مشکل۔ میں تو جب جانوں جب عامر صاحب خود ہی اس خامی کو درست کر دیں۔"

"مس منجو برا مان جائیں گی ـــــ" عامر مسکرانے لگا۔

"جی نہیں ـــــ آئیے آئیے ـــــ آپ برش ہاتھ میں لیجئے ـــــ" منجو اسٹول سے اٹھتے ہوئے بولی۔

عامر نے چند لمحوں کے اندر ہی بیک گراونڈ کی ہائی لائیٹس کو کم کر دیا اور پہاڑوں کے جو رنگ پہلے چیختے ہوئے محسوس ہوتے تھے اب مدھم ہو گئے۔ بیک گراونڈ ہلکا ہوتے ہی گلاب کا پھول خود بخود منظر میں ابھر آیا۔ منجو اور پروین حیرت سے آنکھیں پھاڑے عامر کو کام کرتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ ان کی آنکھوں میں جلن کی بجائے ستائش تھی، البتہ کوثر کو عامر کا اس طرح دوسروں کی نظروں میں اہمیت حاصل کر جانا بہت کھلا ـــــ وہ جل کر پینٹنگ کی بجائے چٹان کے اس حصے کو دیکھنے لگی جہاں زرد گلاب کی کلیاں کھلی ہوئی تھیں ـــــ اور دانستہ عامر کی طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی ـــــ

"کوثر ـــــ دیکھ ـــــ واقعی مسٹر عامر نے کمال کر دیا ـــــ" منجو چیخی۔

"تعجب ہے ـــــ عامر صاحب آپ اتنے اچھے آرٹسٹ بھی ہیں!" پروین عقیدت

کی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی ___

"ارے صاحب میں نے کہہ دیا تھا کہ اپنا شیر کمال کا انسان ہے ___ کیوں خواہ مخواہ غلط تو نہیں کہہ رہا ___ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو . . . ." اسلم کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ منجو نے کوثر کو پھر مخاطب کیا تھا۔ "کوثر ادھر تو آ ___ وہاں نیچے چٹان پر کیا دیکھ رہی ہے ؟"

"مجھے تمہارا یہ سرخ پھول پسند نہیں ___ میں تو ان زرد کلیوں کو دیکھ رہی ہوں جو مجھے جان سے زیادہ پیاری ہیں ___" کوثر ان پھولوں کی طرف بڑھنے لگی ___ وہ جان بوجھ کر عامر کے دل کو جلا رہی تھی۔

عامر نے اسے بڑی اداس نظروں سے دیکھا۔ سرخ بنگلے کی حد دیر پا نسوں کے درمیان کانٹے دار تار لگے ہوئے تھے۔ کوثر وہاں پہنچ کر رک گئی اور پھولوں کو دیکھنے لگی۔

"تجھے یہ سرخ گلاب پسند نہیں ___ زرد کلیاں پسند کرتی ہے!" منجو نے پوچھا۔

"ہاں ___ رام سنگھ سے روز منگوا کر گلدان میں سجاتی ہوں"

"مگر وہ تو بڑی خطرناک جگہ پر اُگے ہوئے ہیں۔ رام سنگھ کیسے پہنچتا ہوگا ؟" پروین نے پوچھا۔

"میرا حکم جو ٹھہرا اس سے کون سرتابی کر سکتا ہے ؟ ___ اسے یہ حکم ماننا ہی پڑتا ہے ___" اتنا کہہ کر وہ واپس مڑی اور پھر کوٹھی کی طرف جاتے والی سنگی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ شوکت اوپر سے نیچے آرہا تھا پینٹنگ دیکھنے نہیں بلکہ منجو کی قربت حاصل کرنے کے لئے۔

کوثر غسل خانے میں سے نکل کر آئی تو اس کے گھنے اور مشک بار بالوں میں شبنم کے موتی پروئے ہوئے تھے گنگناتی اور مسکراتی ہوئی جب وہ کمرے کی سنگھار میز کے قریب پہنچی تو اچانک ٹھٹھک کر رہ گئی ـــ

زرد گلاب کی چند حسین کلیاں بڑے قرینے سے میز پر رکھی ہوئی تھیں! ـــ ان کا حسن دیکھنے کے لائق تھا۔

رام سنگھ رخصت پر گیا ہوا تھا۔ پھر یہ کام کس نے کیا؟ ہلکے ہلکے قدم بڑھا کر وہ میز تک پہنچی اور پھر کلیاں اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ اچانک اسے خیال آیا، پہلے خادمہ سے دریافت کرے کہ کہیں اس نے تو لا کر نہیں رکھ دیے۔ خادمہ بیلا آواز دینے پر فوراً حاضر ہو گئی۔

"یہ پھول تو لائی ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"نہیں تو مس شاب ـــ میں نہیں لائی ـــ" بیلا نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"پھر ـــ پھر یہ کس کا کام ہے؟"

"میں کیا جانوں؟"

"اچھا تو جا ـــ"

کوثر کے اتنا کہتے ہی بیلا فوراً کمرے سے باہر چلی گئی۔ پھولوں کو بغور تکتے ہوئے اور پھر انھیں سونگھنے کے بعد کوثر نے اندازہ لگا لیا کہ یقیناً منجو یا پروین کسی نہ کسی طرح یہ زرد گلاب توڑ کر لائی ہوں گی ـــ اس پر بھی کوثر بڑی حیرت زدہ تھی کہ اس خطرناک جگہ پر جانے کی ان دونوں نے ہمت کیسے کر لی؟

پندرہ بیس منٹ اسے خود کو سنوارنے میں لگے۔ گلاب کی نازک کلیاں اس نے جوڑے میں پرولیں اور پھر ڈائننگ روم میں پہنچنے کا ارادہ کر کے سیڑھیاں اترنے لگی ـــ اسے یقین تھا کہ اسلم اور عامر بھی لازماً وہیں ہوں گے۔ منجو اور پروین کی موجودگی میں وہ خود کو زیادہ سے

زیادہ جاذبِ نظر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ یہ اسی کی نہیں بلکہ ہر لڑکی کی فطری کمزوری ہوتی ہے۔ یہ کمزوری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کہ توجہ سے دیکھنے والے مرد ہوں۔

عامر اسے دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا۔ اتنی پیاری تو وہ کبھی نہیں لگی تھی! اس کا روپ کتنا نکھر آیا ہے ۔۔۔ بالوں کی جو لٹ ماتھے پر رقصاں ہے وہ کتنی حسین لگتی ہے! خدایا! اب وہ کس طرح اس کا سامنا کر سکے گا۔ کہیں غیر اختیاری طور پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو نہ صرف کوثر کو بلکہ شوکت کو بھی بری لگے۔

کوثر واقعی اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اس کے ملکوتی حسن کے رعب نے عامر کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا کر دیا۔ ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ ہمت نہ ہو سکی کہ اسے جی بھر کر دیکھے۔ کوثر نے یہ بات محسوس کر لی اور اپنی کامیابی کے احساس سے اس کا سینہ اور تن گیا۔ نرگسی آنکھیں فرطِ غرور سے نیم وا ہو گئیں۔ صرف ایک نظر اس نے عامر پر ڈالی اور پھر ناشتہ میں مصروف ہو گئی۔

شوکت کا اس وقت عجیب حال تھا۔ یوں لگتا تھا گویا ناشتہ کی میز پر منجو کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ بار بار وہ کھانے کی ہر شے منجو کی طرف ہی بڑھاتا تھا۔ پروین اسلم کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور اسلم اس کا پورا پورا خیال رکھ رہا تھا۔ سب مصروف تھے مگر عامر کو یوں لگ رہا تھا گویا اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں۔ وہ اس وسیع دنیا میں تنہا ہے۔ کوثر اس سے بالکل لاتعلق بیٹھی رہی۔ خاموشی سے اس نے ناشتہ کیا اور پھر منجو اور پروین کے ساتھ باہر چلی گئی۔

روز کی طرح وہ دن بھی خوش گپیوں میں گزر گیا۔ پھر بے حد خنک رات آئی۔ اس مرے سے اس سرے تک لاکھوں خوشبوئیں ہوا کے دوش پر سفر کرتے لگیں۔ کوثر کمرے میں محوِ مطالعہ رہی۔ پروین اور منجو لال بنگلے میں آتش دان کے پاس بیٹھی رہیں۔ شوکت ان دونوں کے پاس رہا اور ان سے مختلف موضوعات پر باتیں کرتا رہا۔ اسلم حسبِ سابق یہی غلط تو نہیں کہہ رہا کی گردان کرتا رہا اور عامر ۔۔۔ ؟

عامر بے چارہ کوٹھی سے باہر اپنے پسندیدہ مقام پر کھڑا ہوا انہیں۔ بس رینگتے ہوئے اندھیروں کو دیکھتا رہا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ اندھیرے اس کی طرف اپنا بھیانک موتھ کھولے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی قسمت میں بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لہٰذا اسے ان اندھیروں کو دیکھ کر اب خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ پیار سا ہو گیا تھا ان سے۔

کوثر اس کو زندگی پر چھائے ہوئے ان اندھیروں میں مشعل بن کر جگمگا رہی تھی۔ اس کے

تغافل کی وجہ عامر کی سمجھ میں آج تک نہ آسکی تھی۔ وہ اتنا بدصورت بھی نہیں تھا۔ صحت بھی اس کی لاجواب تھی۔ پھر کیا کوثر کو اس کی غربت سے چڑ ہے؟

اور کوثر اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے اسے سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں عامر پر لگی ہوئی تھیں اور وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس آدمی سے کوثر کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ نہ جانے وہ اسے کیوں اچھا نہ لگتا تھا! اسے خود بھی یہ احساس تھا کہ وہ اتنا برا نہیں جتنا وہ اسے سمجھتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے اس نظر سے نہیں دیکھ سکی جس سے کہ ایک نوجوان لڑکی کو دیکھنا چاہیئے۔ عامر اسے بزدل نظر آتا تھا۔ کوثر کے خیال میں عامر کو چاہیئے تھا کہ وہ اسے تنہا دیکھ کر روک لے۔ اس کے حسن کی تعریف کرے۔ اس سے کچھ چھیڑ خانی کرے۔ چوری چھپے اسے چھوٹے چھوٹے پرچے لکھے۔ مگر وہ تو بالکل ہی چغد قسم کا نوجوان تھا۔ ایسے نوجوان کا خیال کوثر اپنے دماغ میں بھلا کس طرح لا سکتی تھی؟

پھر وہ شاید سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ کسی کی دلنشیں آواز نے اسے خوابوں سے جگا دیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔۔۔ عامر تھا۔!

وہ گھاس پر اپنے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے ہوئے لیٹا تھا۔ مومن کی نہایت درد انگیز غزل تھی جو اس وقت اس کے دل کی چیخ بن کر فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ ہر ہر شعر روح کو تڑپا دینے والا تھا۔ اس پر اس کی آواز، غالباً وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گا رہا تھا۔

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

کوثر نے حیرت زدہ ہو کر کھڑکی کا پردہ اور کھول دیا تاکہ اسے اور اس کی آواز کو بغور دیکھ اور سن سکے۔ کھڑکی کھل جانے پر ہوا کے تیز جھونکے اندر آ رہے تھے مگر کوثر کو ٹھنڈک کا ذرا سا بھی احساس نہ ہو رہا تھا۔

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم
ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

کوثر نے دانتوں پر دانت جما رکھے تھے۔ اس کی نظریں عامر پر سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ اسے علم نہیں تھا کہ عامر کی خوبصورت آواز میں اتنا سوز اور اثر ہے کہ وہ خود کھڑکی کے پاس بے خودی کے عالم میں یہ لحن داؤدی سن رہی ہے۔

اس کو میں جا رہیں گے ملے دائے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم
ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خار راہ غیر
کیوں کر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم

کوثر نے دانتوں سے ہونٹ کاٹنے شروع کر دیئے۔ خدا جانے اس کا یہ اقدام باعث غضب تھا یا باعث ندامت ۔۔۔ وہ اور توجہ سے اشعار سننے لگی۔

کیا گل کھلے گا دیکھئے ہے فصلِ گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

عامر کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ وہ کس جگہ ہے۔ اسی خود فراموشی کے باعث آواز کھل کر بلند ہو رہی تھی۔ ممکن ہے یہ آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی جاگ گئے ہوں۔ مگر کوثر تو جاگ ہی رہی تھی اور رنالی خالی نظروں سے خلا میں تک رہی تھی، اس نے جب اسلم کو لان میں تیزی سے عامر کی طرف جاتے دیکھا تو وہ پردوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

"پاگل ہو گیا ہے عامر ۔۔۔" اسلم نے قریب آ کر کہا ۔۔۔ "بے وقوف کیا بیمار پڑنے کا ارادہ ہے۔ ٹھنڈی گھاس پر اوس میں، لیٹا ہوا گا رہا ہے؟"

عامر نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اپنی اس وقت کی حرکت سے خود ہی بوکھلا گیا۔ ندامت کے باعث وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کتنا خود فراموش ہو گیا تھا بس ۔۔۔ اسے شدت سے یہ احساس ہوا کہ جب اسلم نے اس کی آواز سن لی اور باہر آ گیا تو نہ جانے کس کس نے سنی ہو گی۔ شرمندگی کے اس احساس نے اسے سرنگوں کر دیا۔

"خدا کے واسطے اب اندر چل یار ۔۔۔" اسلم نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ۔۔۔ "بے وقوفی کی انتہا ہو گئی۔ تیری اس خود فراموشی سے تو بیارے دونوں کا بھرم جاتا رہے گا۔ شوکت کیا سوچے گا ۔؟"

"ہاں مجھے اس کا احساس ہے ۔۔۔ میں واقعی بے وقوف ہوں۔" عامر نے شکست کھائے ہوئے انسان کی طرح کہا۔

"چلو عقل تو آئی۔ میں خود تیری حالت دیکھ دیکھ کر پریشان ہوا جا رہا ہوں ۔۔۔ ان تلوں میں تیل نہیں ہے یا مہر ۔۔۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تو مجھ

سے ذرا کم ہو رہے ہیں۔ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ـــــ"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسلم ـــــ واقعی پتھر ہیں جو نکتہ نہیں اگل سکتی۔"
عامر نے آہستہ سے کہا اور کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ "کیوں نہ ہم کل ہی یہاں سے چلے جائیں ؟"

"کل ہی کیوں ـــــ" اسلم رک کر اس کی شکل حیرت سے دیکھنے لگا۔ "کل چلے گئے تو پھر میرا کیا ہو گا ـــــ پروین کیا کرے گی ؟"

"میں سمجھ گیا ـــــ" عامر نے جیسے کچھ سوچ کر کہا ـــــ "اچھا تو پھر میں اکیلا ہی نیچے چلا جاؤں گا ـــــ اسی ہوٹل میں رہوں گا جہاں پہلے تھا ـــــ مگر اسلم ـــــ سچ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہاں وہ لوگ رہ سکتے ہیں جن کے دل پتھر کے ہیں جن کی نظروں میں محبت و وفا کی کوئی قیمت نہیں ـــــ جن کے دلوں میں نہ درد پیدا ہوا ہے اور نہ ہی کسی کے درد کو سمجھ سکتے ہیں۔"

"سمجھ گیا ـــــ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ـــــ" اسلم نے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا ـــــ

"تو میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں اسلم جو دوسروں سے محبت کی بھیک مانگا کرتے ہیں۔ میں اپنے وقار کو اب ٹھیس نہیں لگنے دوں گا" عامر وہیں کھڑا رہا ـــــ "مجھے دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔ میری بوڑھی ماں ہے۔ اس کے دل میں بڑے ولولے ہیں کہ بیٹا بڑا آدمی بنے گا محنت کرے گا اور کچھ کر کے دکھائے گا ـــــ بیٹا کیا صرف یہی کر کے دکھانا چاہتا ہے کہ ایک خود سر خود پسند اور مغرور لڑکی کے لئے مجنوں بن جائے۔ ہر وقت اس کے فراق میں آہیں بھرتا رہے ـــــ اس کے لئے راتوں کی نیند اپنے لئے حرام کر لے۔"

"بالکل ـــــ بالکل ـــــ" اسلم نے بے وقوفوں کی طرح گردن ہلائی۔

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ـــــ عامر یہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔ اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا ـــــ کوثر کو ان کا یہ گھر، اور ان کے احباب مبارک ہوں۔ اب عامر ان سے بالکل لاتعلق رہے گا سمجھ گئے ؟ آؤ اب اندر چلیں۔"

وہ دونوں تو اپنے کمرے کی طرف چلے گئے، لیکن اپنے اندھیرے کمرے میں کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہوئی کوثر پھٹی پھٹی نگاہوں سے خلا میں گھورتی رہی ـــــ اس کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ فرطِ طیش سے کپکپا رہے تھے۔

وہ رات جیسے عامر نے انگاروں پر بسر کی۔ اس کا ایک لمحہ بھی چین سے بسر نہ ہوا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسلم سے کیا کچھ کہہ دیا ہے ؟ کہنے کو تو اس نے کہہ دیا لیکن کیا در حقیقت وہ ایسا کر سکے گا ۔ رہ سکے گا دور کوثر سے ؟ بھلا سکے گا اسے اپنے ذہن سے ؟ ۔۔۔ اس کے دل نے ان سوالوں کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا ۔

آنکھ اس وقت کھلی جب کہ مشرق سے ہلکی سی روشنی کی کرن پھوٹی ۔ اس وقت وہ صبح کی سیر کے لئے جایا کرتا تھا ۔ اس نے اسلم کو دیکھا کہ وہ سو رہا ہے ، چنانچہ وہ اونی چادر اپنے جسم سے لپیٹ کر باہر نکل آیا ۔ جن لوگوں کو پہاڑ پر جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ وہ لمحات کتنے پرکیف اور حسین ہوتے ہیں جب سورج تاریکی روشنی بکھیرتا ہوا مشرق سے گویا دنیا میں پہلی بار داخل ہوتا ہے ۔ پرندے اپنی سریلی آواز سے اس کی آمد کا استقبال کر کے دنیا کے اس حسن میں اور اضافہ کر دیتے ہیں اور پورا علاقہ یوں لگتا ہے گویا جنت کا حسین گوشہ ہو !

عامر کافی دیر تک لان میں ٹہلتا رہا ۔ پھر نیچے جانے والی سڑک پر کچھ دور جا کر لوٹ آیا اس کے بعد اس کے قدم غیر ارادی طور پر لال بنگلے کی طرف اٹھنے لگے ۔ بنگلے کے نیچے ہی تو وہ چٹانیں تھیں جن کی گود میں زرد گلاب کی کلیاں کھلتی تھیں !

لال بنگلے میں اس وقت سناٹا تھا ۔ غالباً منجو اور پروین محو خواب تھیں ۔ عامر خاردار تاروں سے نیچے نکل کر نشیبی چٹانوں کے قریب پہنچا ۔ اونی چادر جسم سے علیحدہ کر کے ایک طرف رکھ دی لیکن تاروں تک جانے کی کوشش میں اس کے بازو میں کانٹوں کی نوک ایک خونی لکیر بنا گئی مگر اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی ۔ اس نے آگے بڑھ کر چند کلیاں توڑیں اور ان کلیوں کو نہایت احتیاط سے ہاتھ میں تھام کر اوپر آیا ۔

جگہ بے حد خطرناک تھی ۔ پاؤں اگر پھسل جاتا تو اس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلتا ۔ نیچے تلے قدم بڑھاتا اور ایک ہاتھ سے مختلف چٹانوں کا سہارا لیتا ہوا وہ اوپر آ ہی گیا ۔ یہاں خاردار تاروں نے پھر اس کا استقبال کیا ۔ شاید ایک آدھ کانٹا پھر چبھا ، مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی اور تاروں کو پھلانگ کر لال بنگلے سے اوپر جانے والی سیڑھیاں طے کر کے کوٹھی میں آ گیا ۔ کلیوں کو اونی چادر میں چھپا کر وہ دوسری منزل پر پہنچا ۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ کوثر کے کمرے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا ۔

دل اس طرح دھڑک رہا تھا گویا وہ اپنی تمام دھڑکنیں اسی وقت پوری کر لے گا ۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے بارے میں سوچا مگر پھر فوراً ہی اپنا یہ ارادہ ترک

کر دیا۔ کیونکہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہلکا سا ہاتھ لگتے ہی وہ اندر کھل گیا۔
اس کا خیال تھا کہ وہ کل کی طرح ان کلیوں کو میز پر رکھ کر فوراً ہی واپس آ جائے گا ——— گذشتہ کل کے مقابلے میں یہ کام آج آسان تھا۔ اس نے کمرے میں جھانکا ——— کوثر حسب معمول غسل خانے میں تھی۔ موقع غنیمت تھا۔ وہ پہلے کی طرح دبے دبے پاؤں رکھتا ہوا سنگھار میز کے قریب پہنچا۔ پھول نکال کر میز پر رکھے۔ پھر پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ غسل خانے سے کوثر لمبا تولیہ اپنے جسم سے لپیٹے ہوئے برآمد ہوئی۔ شرمندگی کے احساس سے چونکہ عامر کی نگاہیں زمین بوس تھیں۔ لہٰذا وہ کوثر کے ملکوتی حسن کو جی بھر کر نہ دیکھ سکا۔

"اچھا تو یہ آپ ہیں!" کوثر نے ناراض اور متعجب لہجے میں کہا۔ لیکن عامر سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"میرے حال پر آپ ہی یہ احسان فرمایا کرتے تھے!" وہی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز ———!

"میں ——— دراصل میں ———" عامر سچ مچ گھبرا گیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی آپ کو یہاں کھڑا ہوا دیکھ لے تو میری کتنی بے عزتی ہوگی ——— ؟"

"مجھے افسوس ہے کوثر صاحبہ، واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"دیکھئے مسٹر عامر ——— مجھے یہ ڈھکوسلے پسند نہیں ہیں۔" کوثر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "نہ میں اس قسم کی لڑکی ہوں اور نہ ایسی باتیں پسند کرتی ہوں۔"

"وہ کیسی باتیں ——— ؟" مدھم لہجے میں اس نے سوال کیا۔

"یہی پرانی دقیانوسی باتیں۔ خطرتیں ڈوبے ہوئے خط اور پھولوں کی کلیاں، پیغام رسانی کے بہت ہی قدیم طریقے ہیں۔ آج کے دور میں یہ نہیں چلتا ———"

"پھر کیا چلتا ہے اس زمانے میں ؟" عامر نے ہمت کر کے پوچھا۔

"صاف صاف باتیں ——— یعنی حقیقت" کوثر نے طنزیہ طور پر مسکرا کر جواب دیا

"یعنی ——— آپ کا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔"

"جی ہاں بالکل یہی مطلب ہے۔ میں آپ سے عرض کر دینا چاہتی ہوں کہ واقعی ان تلوں میں تیل نہیں ہے ——— اسلم نے یہی تو کہا تھا آپ سے ؟"

"جی ——— ؟" عامر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی ہاں ۔۔۔ پتھر میں نہ کبھی جونک لگی ہے نہ لگے گی ۔۔۔ آپ کے ہی الفاظ ہیں۔
کوثر شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"سمجھ گیا ۔۔۔" عامر نے ٹھنڈی سانس بھر لی ۔۔۔ "آپ نے مجھے بڑا اچھا سبق دیا ہے۔ حالانکہ یہ سبق خود مجھے کل تک یاد تھا لیکن نہ جانے رات مجھے کیا ہوا۔ خیالات کے کون سے تانے بانے بنتا رہا کہ آج صبح ان پھولوں کو دیکھتے ہی مجھے وہ سبق یاد نہ رہا۔ بہر حال مجھے افسوس ہے ۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں ۔۔۔"

اتنا کہنے کے بعد پشیمانی کا بوجھ اپنے دل پہ لیے ہوئے وہ مرے مرے قدم اٹھاتا ہوا کوثر کے کمرے سے باہر آ گیا ۔۔۔ دروازہ بند کرنے کے بعد جیسے ہی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا ۔۔۔ درمیانی کھڑکی میں سے کلیوں کا گچھا اس کے قدموں میں آ گرا۔

اُف ! زرد کلیوں کی یہ بے قدری !

وہ اسے کیا سمجھے ؟ یہ کوثر کی محبت ہے جو اس کے قدموں میں آ گری ہے یا پھر وہ اس کی نظروں کے محلات سے ذلیل ہو کر نکال دیا گیا ہے !

بڑی آہستگی سے اس نے ان پھولوں کو اٹھایا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔ گلدان میں یہ کلیاں سجائیں اور پھر چھوٹے سے اٹیچی کیس میں اپنے گنے چنے کپڑے رکھنے لگا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اسلم نہ اٹھ جائے لہٰذا وہ اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی چلا جانا چاہتا تھا۔

"پھول شاخوں کی گود میں ہی حسین لگتے ہیں یا پھر گلدان میں ۔۔۔" اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ اسلم جاگ چکا تھا اور اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا ۔۔۔ تو اس کی چوری اسلم نے بھی پکڑ لی۔

"پھولوں کو کسی مغرور لڑکی کو پیش کرنے کے لئے توڑنا ، دراصل پھولوں کی بے قدری ہے۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ۔۔۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ۔۔۔"

"اسلم ۔۔۔ اسلم میرے دوست ۔۔۔ خدا کے لئے اب یہاں سے چلے چلو۔ میں اپنے ارادوں سے شکست کھانے لگا ہوں۔" وہ بلک پڑا۔

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں ۔۔۔ چٹان سے سر ٹکراؤ گے تو چٹان کا تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا سر ہی دو پر تقسیم ہو جائے گا ۔۔۔" اسلم بولا۔

"میرے پائے استقامت کو لغزش ہونے لگی ہے۔ میں نے جو کل چلے جانے کا وعدہ

کیا تھا وہ میری کمزوری کا شکار ہو گیا بس آج ہی چلے چلو ـــــ اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"
"مگر یار ـــــ اس طرح پھر میرا کیا ہو گا؟" اسلم نے پھر وہی بات کہی ـــــ "پروین کیا سوچے گی؟"
"کیا زندگی بھر تم یہیں رہو گے؟"
"ہاں یہ بات بھی درست ہے"۔ اسلم سوچنے لگا۔
"میری مانو تو کل صبح یہاں سے واپس چلو۔ دل گھبرائے تو پھر آجانا ـــــ پروین کہیں بھاگی نہیں جاتی۔"
"خیال اچھا ہے۔ میں یہاں آکر چائے کا ایک ریسٹورنٹ کھول لوں گا ـــــ آم کے آم گٹھلیوں کے دام ـــــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔ یعنی دیکھو نا کام بھی ہوتا رہے گا اور پروین کا قرب بھی حاصل ہو رہے گا ـــــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط۔"
"ہاں تمہارا خیال برا نہیں ـــــ۔" عامر نے اکتا کر جواب دیا ـــــ "میں آج ذرا نیچے مین بازار میں جا رہا ہوں ـــــ تم چاہو تو پروین کے پاس رہ سکتے ہو ـــــ لیکن یاد رکھنا ہمیں واپس ضرور جانا ہے۔"
"ابھی تو وقت ہے جانے میں تم نیچے ہو آؤ۔ نیچے جا کر اوپر آنے میں تو میرا دم نکل جائے گا۔ لہٰذا میں نیچے جا کر کیا کروں گا۔" اسلم نے جھینپ کر کہا۔ "تم ہی ہو آؤ ـــــ بس کا صحیح وقت بھی معلوم کرتے آنا۔"
ناشتے کا انتظار کیے بغیر عامر پیدل ہی مین روڈ کی طرف روانہ ہو گیا ـــــ کوثر کے کمرے میں جانے کے بعد وہ اتنا شرمندہ تھا کہ اب بے مقصد ایک طویل سڑک پر چل کر اس شرمندگی کو دور کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خواہش کوثر سے دور رہنے کی بھی تھی۔ آگ کے قریب رہ کر جسم کو تو جلنا ہی تھا اب ضرورت اس بات کی تھی کہ آگ سے دور ہی دور رہا جائے۔
اس کا دل بری طرح جل رہا تھا۔ وہ دراصل اپنی ہی تمناؤں کا ٹھکرایا ہوا انسان تھا۔ پکی سڑک کے ایک طرف ہو کر وہ ہلکے ہلکے قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دل میں اب کوئی تمنا نہیں تھی۔ آرزوئیں دم توڑ چکی تھیں۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ کوثر نے اس کے لائے ہوئے پھول اٹھا کر باہر پھینک دیے تھے۔ اس کی ان تھک محنت کا یہ صلہ ملا تھا اسے۔!

وادی میں سفید بادل محوِ خرام تھے۔ اس بلندی سے یہ بادل ایسے نظر آتے تھے جیسے وادی میں دھواں ہی دھواں بھرا ہوا ہو پہاڑوں کی مُنبک اور بلند چوٹیاں آسمان کو چھو رہی تھیں اور یہ چوٹیاں آہستہ آہستہ نارنجی رنگ میں نہاتی جا رہی تھیں، پرندے نشیبی درختوں سے اڑ اڑ کر بلندی کی طرف آ رہے تھے۔

ان مناظر کو دیکھنے میں وہ اتنا محو تھا کہ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کوثر کی کار کب پیچھے سے آئی؟ متواتر بجنے والا ہارن بھی اس نے نہ سُنا۔ کار جب فراٹے بھرتی ہوئی قریب سے گزر کر آگے چلی گئی تب وہ چونک کر ایک طرف ہٹا۔ کوثر نے اسے دیکھ تو لیا تھا۔ مگر دانستہ اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔

عامر کلپ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، ہونٹ لرزنے لگے۔ کیا ہو جاتا جو وہ اسے کار روک کر اپنے ساتھ بٹھا لیتی ۔۔۔ اتنی نفرت! ۔۔۔ اللہ اتنی نفرت کرتی ہے وہ؟ عامر کو کیا معلوم تھا کہ جس کے دامن میں کانٹے بھرے ہوتے ہیں وہ دوسروں کو ان کے سوا اور دے ہی کیا سکتا ہے؟

بازار میں وہ غیر ضروری طور پر ادھر سے ادھر پھرتا رہا۔ بس اسٹاپ سے اس نے مراد آباد جانے والی بسوں کا صحیح وقت معلوم کیا لیکن اس عرصے میں اس نے یہ عجیب بات نوٹ کی کہ ایک بوڑھا پہاڑی اسے لگاتار گھورے جا رہا تھا۔ پہلے تو اس نے اسے ایک اتفاق سمجھا۔ لیکن جب وہ بس اسٹاپ سے چلنے لگا تو وہ پہاڑی بھی اس کے تعاقب میں لگ گیا۔

ایسی باتوں سے عامر کو بڑی وحشت ہوتی تھی جب اس میں کسی کی ٹوہ میں لگے رہنے کی عادت نہیں ہے تو پھر یہ شخص اس سے کیا چاہتا ہے؟ ۔۔۔ پہلے تو اسے یہ احساس ہوا کہ شاید اسی سے غلطی ہوئی ہے لیکن جب بوڑھا پہاڑی اپنی گول کمانی کی موٹے شیشوں والی عینک میں سے اسے گھورتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا تو عامر ذہنی خلجان میں مبتلا ہو گیا۔

اس نے دانستہ کچھ دیر کانوں میں داخل ہو کر خواہ مخواہ دو کانداروں سے بھاؤ معلوم کیے پھر اونچے بازار سے نچلے بازار تک جانے والی سیڑھیوں پر اترنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ تعاقب اب کسی بھی طرح جاری نہ رہ سکے گا۔ مگر پھر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پہاڑی سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔

عامر پلٹ کر اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے بوڑھے کو سیڑھیوں پر ڈگمگاتے دیکھا۔ وہ جلدی سے اوپر چڑھا اور اسے سہارا دے کر اسے گرنے سے روک لیا۔

"شکریہ بیٹا۔ اگر تم مجھے نہ پکڑتے تو میں ضرور گر جاتا" بوڑھے نے اس کا ہاتھ محبت سے پکڑ کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بابا، لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"میں سمجھ گیا تم کیا پوچھنا چاہتے ہو" پہاڑی نے اس کی بات کاٹ کر کہا — "یہی نا کہ میں تمہارا پیچھا کیوں کر رہا تھا؟"

"ہاں —"

"میں بتاتا ہوں — لیکن پہلے مجھے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے بائیں ٹخنے پر چوٹ کا ایک بڑا اور گہرا نشان ہے یا نہیں۔؟"

"نشان — !" عامر کو بڑا تعجب ہے "فرض کرو اگر ہے بھی تو تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ نشان کا پتہ لگنے کے بعد ہی میں تم سے کچھ کہہ سکتا ہوں" پہاڑی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تو پھر تمہارا خیال درست ہے — وہ نشان میرے ٹخنے پر موجود ہے!" عامر نے جلدی سے کہا۔

پہاڑی نے یہ سنتے ہی بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اور خوش ہو کر بولا۔

"او عمّو — میرے پیارے بیٹے عمّو — آؤ کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کریں گے"

"تمہیں میرا بچپن کا نام بھی معلوم ہے — !" عامر حیرت زدہ رہ گیا — اور بہت غور سے بوڑھے کو دیکھنے لگا۔

"مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ تم خان بہادر سلیم احمد صاحب کے لڑکے ہو — کیوں، میں نے غلط تو نہیں کہا — ؟"

"غلط ہے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں جلیل احمد کا لڑکا ہوں تمہیں غلط فہمی

ہوئی ہے۔ میرے والد کا نام جلیل احمد تھا۔"

"جلیل احمد" بوڑھا سوچ میں پڑ گیا۔" یہ بات تمہیں کس نے بتائی کہ تم جلیل احمد کے لڑکے ہو۔ بیٹا"

"میری اماں نے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔" عامر نے بیزاری سے کہا۔ کیوں اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ بوڑھے کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

بوڑھا بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہیں بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور پھر اسی جگہ رک کر بولا۔

"ٹھیک ہے، اسی میں مصلحت ہے۔ مگر بیٹے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جسے شاید تم پسند نہ کرو۔"

عامر کو اس بوڑھے پہاڑی کی شخصیت بڑی عجیب سی لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اس آدمی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔ ایک اجنبی آدمی، جس سے تھوڑی ہی دیر کی جان پہچان تھی۔ بڑی حیرت انگیز اور پراز معمہ باتیں کر رہا تھا۔

"کہو ــــ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہاں سے اوپر پہاڑی پر ایک کوٹھی ہے شوکت لاج۔" بوڑھے نے کہا ــــ" یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے۔"

"میں جانتا ہوں ــــ آج کل میں اسی میں ٹھہرا ہوا ہوں۔" عامر نے جلدی سے کہا۔

"اسی میں ٹھہرے ہوئے ہو!۔ مگر کیوں ــــ تم وہاں کس طرح پہنچے؟" پہاڑی کی حیرت زدہ آنکھیں عینک کے شیشوں میں سے جھانکنے لگیں ــــ وہ یہ بات سنکر پریشان ہو گیا تھا۔

"شوکت میرا عزیز دوست ہے۔ میں اسی کے بلاوے پر وہاں آیا ہوں ــــ پہلے میں ہوٹل میں تھا لیکن وہ زبردستی مجھے وہاں لے گیا۔"

"اچھا اچھا ــــ یہ بہت اچھی بات ہے۔" پہاڑی نے اپنی نیلی آنکھیں گھمائیں اور پھر عامر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولا۔

"دیکھو بیٹا، مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ شاید تمہیں تعجب ہو کہ میں تمہارے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتا ہوں۔"

"بے شک ــــ میں یہ بات تم سے دریافت کرنا بھی چاہتا تھا ــــ" عامر نے کہا ــــ" آخر تم مجھے کس طرح جانتے ہو۔؟"

"میں فی الحال زیادہ باتیں تو تمہیں نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا کہوں گا کہ مجھے غیر مت سمجھنا۔
اس کے باوجود میں ایک عجیب کام تم سے لینا چاہتا ہوں جس کے بارے میں میں پہلے ہی
کہہ چکا ہوں کہ شاید تم پسند نہ کرو۔"

"کیا کام ہے وہ ۔۔۔ ؟" عامر بڑھتے ہوئے اسرار سے پریشان ہو گیا تھا۔

"شوکت لاج کے نیچے ایک لال بنگلہ ہے ۔۔۔ ہے نا؟"

"ہاں لال بنگلہ ہے ۔۔۔" عامر اسے گھورنے لگا۔

"تمہیں اس بنگلے میں رات کو جانا ہوگا۔ بنگلے میں وہ کمرہ جو سونے کا کام دیتا ہے
اس میں پہنچنا ہوگا ۔۔۔ خواہ کسی بھی طرح پہنچو۔ مگر پہنچنا ضروری ہے ۔۔۔" بوڑھے نے
بہت پراسرار لہجے میں کہا۔

"پھر ۔۔۔؟" عامر نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔

"سونے کے کمرے میں مغربی دیوار کے اوپر ایک بہت بڑی تصویر لٹکی ہوئی ہے
جس میں نرشول پہاڑ بنایا گیا ہے۔ تمہیں اس تصویر کو فریم سے نکال کر لانا ہے ۔۔۔"

"بوڑھے بابا ۔۔۔ تم جیسا شریف آدمی مجھے چوری سکھا رہا ہے۔" عامر نے ناراضی
سے کہا۔

"مجھے اسی جواب کی توقع تھی۔ تم جیسا شریف اور اعلیٰ نسل کا آدمی یہی جواب مجھے
دے گا ۔۔۔ اس بات کو میں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا ۔۔۔" بوڑھے نے دوبارہ عامر کا ہاتھ
دبایا "مگر میرے بیٹے اس نسلی شرافت کے باوجود تمہیں یہ چوری، اگر تم اسے چوری سمجھتے ہو،
کرنی تو ضرور پڑے گی۔"

عامر حیرت سے بوڑھے کو دیکھنے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اب تک اسے سمجھ ہی نہ
پایا تھا۔ چوری کی ترغیب دینے کے باوجود وہ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

"سوچ کیا رہے ہو۔" بوڑھے نے اسے خاموش دیکھ کر کہا ۔۔۔ "وہ تصویر
تمہیں ضرور وہاں سے لانی ہے۔"

"مطلب یہ کہ تصویر لا کر پھر میں تمہیں دے دوں ۔۔۔ کیوں؟"

"نہیں نہیں ۔۔۔ ایسا سوچنا بھی مت۔" بڈھے نے اپنے دونوں کان پکڑے ۔۔۔
"میں وہ تصویر اپنے لیے نہیں مانگ رہا ہوں۔ بلکہ تمہاری ماں جی کے لیے مانگ رہا ہوں۔
مجھ سے زیادہ تمہاری ماتاجی کو اس تصویر کی ضرورت ہے۔ میں انھیں دینے کے لیے ہی تم سے
کہہ رہا ہوں۔ وہ تصویر تمہاری ماتاجی کے لیے ہی ہے!!"

"کیا ــــ! عامر کو جیسے سکتہ ہو گیا ــــ "اماں کے لیے ہے؟"

"ہاں ــــ کیونکہ وہ تصویر اُن کے لیے بے حد ضروری ہے۔"

"بابا ــــ عامر نے بوڑھے کے دونوں ہاتھ تھام کر التجائی لہجے میں کہا ــــ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور ان باتوں سے تمھارا کیا مقصد ہے؟"

"ان باتوں کو راز رہنے دو بیٹے ــــ میرا کہا مانو گے تو فائدے میں رہو گے۔ کسی سے بھی میرا ذکر نہ کرنا۔ اپنا نام بھی میں اسی لیے تمھیں نہیں بتا رہا ہوں۔ اگر تم نے کسی سے ذکر کیا تو میرا تو صرف یہی حشر ہوگا کہ کسی رات مار دیا جاؤں گا مگر اپنے بارے میں سوچ لو ــــ تم ایک بہت بڑے فائدے سے محروم ہو جاؤ گے۔"

"لیکن ــــ!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں ــــ اگر اپنی والدہ کو خوش کرنا چاہتے ہو تو وہ تصویر اُن تک پہنچنی ضروری ہے۔ ایک بات اور سُن لو، تمھاری اپنی زندگی بھی اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب تم کسی سے بھی اُس تصویر کا تذکرہ نہ کرو ــــ"

"مگر مجھے اتنا تو بتاؤ کہ مجھے خطرہ کس سے ہے، کون میری زندگی کے درپے ہوگا؟ کس کو مجھ سے بیر ہے؟"

"میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا ــــ اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔ میری مانو گے تو دردر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جاؤ گے۔"

بوڑھا پہاڑی اتنا کہنے کے بعد زبردستی اپنا ہاتھ چھڑا کر جلدی سے آگے بڑھ گیا اور عامر اسی جگہ کھڑا اسے حیرت سے تکتا رہ گیا۔

دوپہر کے بارہ بج چکے تھے۔ عامر کے مونہہ میں ابھی تک ایک کھیل بھی اُڑ کر نہیں گئی تھی۔ ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر اس نے پہلے کھانا کھایا۔ شوکت لاج سے وہ بغیر ناشتہ کیے ہی چل پڑا تھا۔ لیکن ادھر ادھر گھومنے کے بعد کافی وقت گزر گیا تھا ــــ چنانچہ کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ باہر سڑک پر آ گیا۔ نیچے نشیب میں وہ چھوٹی سی جھیل نظر آ رہی تھی جو شوکت لاج سے ایک دوشیزہ کی خوابیدہ آنکھ جیسی دکھائی دیتی تھی۔

اس نے اوپر سے یہ جھیل بارہا دیکھی تھی، مگر آج اس کی طبیعت چاہ رہی تھی کہ اُس جھیل تک ضرور پہنچے۔ اگلے دن تو الموڑہ سے واپس دلی جانا ہی تھا، لہٰذا کیوں نہ آج کے موقعہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پہاڑی مقامات پر جو لوگ بس سے سفر کرتے ہیں۔ درحقیقت

وہ صحیح طور پر مناظرِ قدرت سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے، عامر چونکہ خود بھی ایسے مناظر کا دلدادہ تھا، لہٰذا اس نے پیدل ہی اس جھیل تک جانے کا ارادہ کر لیا۔

"کیوں بھئی ——" اس نے ایک پہاڑی مزدور کو روک کر پوچھا "اگر سڑک سڑک جائیں تو وہ جھیل یہاں سے کتنی دور ہو گی؟"

"وہ جھیل تو شاب یہاں سے کوئی آٹھ میل دُور ٹھہری ——" مزدور نے دانت نکال دیے۔ "دور نہیں ہے شاب، وہ دکھائی دے رہی ہے۔"

"اچھا اچھا —— لیکن آٹھ میل تو بہت زیادہ ہیں۔" عامر سوچ رہا تھا کہ آٹھ میل جانا تو آسان ہے لیکن آٹھ میل اوپر چڑھ کر واپس آنا مشکل کام ہے —— !"

ہمت ہارنا اس نے سیکھا نہیں تھا۔ چنانچہ تن تنہا وہ اس سڑک پر ہو لیا جو بتدریج نیچے ہی نیچے چلی جا رہی تھی۔ دو بج چکے تھے اور سورج اپنی مکمل تمازت بکھیر رہا تھا۔ لیکن پہاڑوں میں رات بھر کی جذب شدہ ٹھنڈک اس تمازت پر غالب تھی۔ عامر بہت خوش تھا۔ اس کے ذہن سے علی الصبح والی بات بھی دُھل گئی تھی۔ اُسے بالکل یاد نہ رہا تھا کہ کوثر نے صبح اس کی کتنی بے عزّتی کی تھی۔!

پہاڑی لنگور بار بار درختوں سے اتر کر اس کا راستہ روک لیتے۔ اور جب وہ انھیں کچھ دیے بغیر آگے بڑھ جاتا تو یہ لنگور دانت نکال کر اُسے کوستے۔ اُسے فوراً اسلم یاد آجاتا —— اس نالائق میں اور ان لنگوروں میں کیا فرق ہے؟

مختلف موڑ گھومتا —— طویل کنکریٹ کی سڑک پر اپنے ہی قدموں کی بازگشت سنتا ہوا وہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ دِل خوشی سے معمور تھا۔ ہوائیں راگنیاں سنا رہی تھیں اور درخت جھوم رہے تھے، وہ بھی اپنی دُھن میں مست آہستہ آہستہ نیچے جا رہا تھا۔ اُس کیف آگیں ماحول نے اس پر خود فراموشی سی طاری ہو چکی تھی۔ یہی باعث تھا کہ جب اس نے خود کو جھیل کے بالکل نزدیک پایا تو سہ پہر ہو چکی تھی۔ اور ہلکی سی خنکی نے جھیل پر تسلط کر لیا تھا۔

بڑی خوب صورت جھیل تھی جو شوکت لاج سے بس یونہی سی نظر آتی تھی۔ گہرا نیلا پانی اور شفاف آئینہ کی سی سطح۔ تہہ تک آسانی سے دکھائی دے رہی تھی۔ اور اس تہہ میں تیرتی ہوئی رنگ برنگی مچھلیاں جھیل کے حسن کو دوبالا کر رہی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی ایک چیز اور تھی جس نے جھیل کے اس پُرسکون پانی میں آگ لگا رکھی تھی۔

کوثر جھیل کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی اُسے حیرت سے تک رہی تھی۔

جیسے اُسے یقین نہ آتا ہو کہ جو کچھ دیکھ رہی ہے، حقیقت ہے!

اُس نے سُرخ ساڑھی پہن رکھی تھی اور اس کا عکس پانی میں لرزاں دکھائی دے رہا تھا۔ اِسی عکس کو دیکھ کر عامر کو محسوس ہوا تھا گویا پانی میں آگ لگ گئی ہے۔

دونوں اپنی اپنی جگہ متعجب تھے۔ عامر سوچ رہا تھا کہ یہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ اور کوثر کا خیال تھا کہ عامر یقیناً اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے! بیوقوف کہیں کا۔

عامر کو یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ اس سے یوں تنہائی میں ملاقات ہوگی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آج صبح جو تکلیف اس کو پہنچی تھی وہ اس سے بہت زیادہ دِل برداشتہ ہو گیا تھا اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کوثر سے زیادہ بات نہیں کرے گا۔ اس کے اس اقدام سے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ وہ اس کے دل کے نہاں خانوں سے نکل جائے گی۔ اُسے زبردستی بھولنے پر اس کی یادوں کی یلغار اور بڑھ جائے گی۔ اس کا کسی کام میں جی نہ لگے گا ـــــ اسے سب گوارا تھا، ہر بات گوارا تھی ـــ مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ کوثر اُسے حقیر سمجھے، اور یوں اُس کے مردانہ وقار کو ٹھیس پہنچائے!

پہلے تو اس نے سوچا کہ ابھی، اسی وقت واپس لوٹ جائے لیکن پھر خیال آیا کہ اس میں تو بڑی سبکی ہوگی! کوثر سوچے گی اس سے ڈر گیا ـــ تو کیا سچ مچ وہ اُس سے ڈرتا ہے ـــ نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ واپس نہیں جائے گا اور جھیل کا مکمل چکر لگا کر ہی دَم لے گا۔ لیکن چکر لگانے سے پہلے کیوں نہ ذرا دیر جھیل کے کنارے پڑے ہوئے پتھر پر آرام کر لیا جائے!

آٹھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بری طرح تھک گیا تھا لہٰذا جھیل کی طرف مونہہ کر کے پتھر پر بیٹھ گیا۔ اپنا رُخ دانستہ کوثر کی طرف سے موڑ لیا۔ اُس نے سوچ لیا کہ اگر کوثر نے پوچھا بھی تو جواب دے دیا جائے گا کہ چونکہ آپ دوسرے کنارے پر تھیں اس لیے آپ کی صورت ٹھیک طرح نظر نہ آ سکی۔

پہاڑوں میں شام ویسے بھی جلدی ہی ہو جاتی ہے اور پھر یہ تو اونچی اونچی پہاڑیوں کا نشیب تھا۔ جن کی ڈھلانوں کے آپس میں مل جانے سے یہ جھیل ظہور میں آئی تھی۔ یہاں بلندی کے مقابلے میں شام اور جلدی ہو رہی تھی ـــ عامر کو خود بھی فکر تھی کہ اگر رات ہو گئی تو اوپر کس طرح جائے گا۔ مگر اپنے ساتھ اسے کوثر کا بھی خیال تھا ـــ لیکن پھر فوراً ہی یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ کوثر کے پاس تو اس کی اپنی کار ہے!

جھیل کے کنارے پر بڑی عجیب مہک تھی۔ عجیب سی دل آویز خوشبو! ـــ

عامر کو یقین تھا کہ کوثر کے بدن کی خوشبوئیں ہر سمت بکھر گئی ہیں۔ ماحول بڑا دل کش اور خوابیدہ سا تھا۔ پرندے نیچی پرواز کر کے اپنے اپنے آشیانوں کی سمت جا رہے تھے۔ تتلیاں پھولوں سے مونہہ موڑ کر اب پناہ ڈھونڈ رہی تھیں اور ہوائیں تھم گئی تھیں۔ درختوں کے پتے ساکت ہو گئے تھے۔

عامر کا اب بھی یہی خیال تھا کہ غالباً منظر اور ماحول کوثر کو دیکھ کر بھونچکے رہ گئے ہیں!

چڑیوں کی چہچہاہٹ بڑھ گئی تھی اور پرندوں کا ترنم پورے خطّے پر چھانے لگا تھا۔ وہ مدہوش سا ہو گیا تھا اور اسی مدہوشی کے عالم میں اس نے ایک بے حد مترنم آواز سُنی، گویا کسی نے رباب چھیڑ دیا ہو!

"سُنیے ——!"

وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ کوثر یوں اس کے قریب آ کر اس سے مخاطب ہو گی۔

"میں —— میں دراصل......" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"میں جانتا ہوں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ——" اس نے صفائی پیش کرنے کے ارادے سے کہنا شروع کیا —— "لیکن یقین مانیے گا میں آپ کا تعاقب کرتا ہوا یہاں نہیں آیا۔"

کوثر نے کٹورے جیسی آنکھیں اُٹھا کر اُسے حیرت سے دیکھا

"جی ہاں —— میں تو بس بازار میں ٹہل رہا تھا۔ وہاں سے یہ جھیل دیکھی، سوچا کہ کل تو واپس دلی جانا ہی ہے لگے ہاتھوں اسے دیکھ ڈالوں —— بس —— بس اسی لیے ——"

وہ پشیمانی سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"مگر —— مگر میں کچھ اور کہہ رہی تھی ——" کوثر نے جھجکتے ہوئے کہا "میں۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ......"

"میں اسی کا تو جواب دے رہا ہوں ——" عامر نے جلدی سے کہا۔ "سچ مانیے تو میں نے آپ کی کار کو بھی اس طرف آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میرا ہرگز یہ خیال نہیں تھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ بس بعض دفعہ ایسی حماقتیں سرزد ہو جاتی ہیں ——" اتنا کہہ کر وہ پلٹا اور اوپر جانے والی سڑک کی طرف بڑھا۔ مگر اُس کے قدموں میں کوثر کی مترنم آواز نے پھر بیڑیاں ڈال دیں۔

"سنیے تو سہی —— مجھے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

عامر احمقوں کی طرح مونہہ کھولے اُسے تکنے لگا۔

پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ غالباً کوثر اپنے کیے کی معافی مانگنا چاہتی ہے۔ یقیناً وہ اب پچھتا رہی ہے لہٰذا اس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اور بتانا چاہتی ہے کہ علی الصبح اُس سے غلطی ہو گئی تھی۔

"مجھ سے کچھ کہنا ہے ــــ!" اُس نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

"ہاں ــــ" کوثر نے ٹھنڈی سانس بھر لی ــ "بات یہ ہے کہ مجھے دیر ہو گئی ہے میں جب چلی تھی تو صبح تھی۔ مگر اب بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"ہاں خیر دیر تو ہو گئی ہے۔" عامر نے گردن اونچی کر کے آسمان کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ صبح سے اب تک یہیں تھی ؟

"میں یہاں مچھلی پکڑنے آئی تھی۔" کوثر رُک رُک کر بولی۔

"آپ کو یہ شوق بھی ہے ! مچھلی پھانسنا تو مردوں کا کام ہے آپ تو اگر مچھلیوں کو ذرا سا اشارہ کر دیں تو وہ خود بخود کنارے پر آ جائیں۔ اور آپ کو دیکھ کر خود ہی گھائل بھی ہو جائیں ــ"

"میں شاعرانہ باتیں نہ تو کرتی ہوں، نہ سننا پسند کرتی ہوں۔" کوثر کی پیشانی پر برہمی کی چند لکیریں پڑ گئیں۔ مگر پھر کچھ سوچ کر مسکرا دی۔ اور جھیل کے ساکن پانی میں تیرتی ہوئی سرخ مچھلیوں کو دیکھنے لگی۔ جو واقعی جیسے ایک جگہ رک کر اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"معافی چاہتا ہوں ــــ دراصل بکواس کرنے کی میری عادت ہے، زیادہ تو بولتا نہیں، لیکن جب بولتا ہوں تو ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں بولتا ہوں ــ" عامر نے کوثر کے تبسم سے کچھ حوصلہ پا کر کہا ــ ویسے اس میں شک نہیں کہ وہ سہم ضرور گیا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ خود میرا بھی دماغ عجیب سا ہو گیا تھا جو اِدھر مچھلیاں پکڑنے آ گئی —" کوثر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"مگر یہ مچھلیاں تو چھوٹی چھوٹی ہیں۔ آپ انھیں پکڑ کر کریں بھی کیا؟"

"کھانے کا پروگرام نہیں تھا — کوثر مسکرائی۔" گھر میں ایکیوریم ہے، اس میں ڈالتی۔ میں جال لے کر آئی ہوں۔ ڈور کانٹا نہیں۔"

"اچھا اچھا — خیر کوئی بات نہیں —" کوثر کو مسکراتے دیکھ کر عامر کے دل کی کلی کھلی جا رہی تھی۔ حالانکہ یہ عامر وہی تو تھا جو کوثر سے بات کرتے ہوئے گھبراتا اور یہی وہ کوثر تھی جس نے عامر سے شاذ و نادر ہی نرمی سے گفتگو کی تھی!

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ اب میں واپس کیسے جاؤں؟" کوثر کے لہجے میں شرمندگی اور پچھتاوا تھا۔

"کیوں — کیا ہوا؟ — آپ کے پاس تو کار ہے، میرے خیال میں یہ سوال تو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ میں یہاں تک پیدل ہی آیا ہوں —"

"میری حالت بھی آپ کی حالت سے اب مختلف نہیں ہے۔" کوثر نے جھجک کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میری کار پھر خراب ہو گئی ہے —"

"اوہ — !"

"میں نے بہت کوشش کر لی کہ ٹھیک ہو جائے، مگر..... مگر —" وہ ہونٹ چبانے لگی۔

"تو لائیے، لگے ہاتھوں دیکھ لوں کیا گڑبڑ ہے —"

عامر اتنا کہنے کے بعد کار کی طرف بڑھا۔ کوثر نے لاکھ یہ چاہتے ہوئے بھی کہ اس سے کوئی کام نہ لیا جائے، مجبوراً عامر کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے، اس کی ضدی طبیعت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ عامر سے کسی قسم کا تعلق باقی رکھے — مگر اس وقت تو وہ درحقیقت فرشتہ بن کر اس کی امداد کے لیے آ گیا تھا۔ موقع پرست اور ابن الوقت لوگوں کی طرح کوثر نے اسے غنیمت جانا اور اپنی ہٹ دھرمی و غرور کو اس موقع پر مصلحت کی نذر کرنا پڑا۔

عشق کی بے بسی دیکھیے کہ عامر، کوثر کے اس طرح نرمی سے مخاطب ہونے پر غرور کی چال چلتا ہوا کار تک پہنچا۔ اور پھر ایک ماہر مکینک کی طرح کار کا بونٹ اٹھا کر

انجن کو اچھی طرح چیک کرنا شروع کر دیا۔ شام کے سائے اب گہرے ہو چلے تھے۔ عامر کو کل پرزوں کو دیکھنے میں بہت مشکل ہو رہی تھی۔ ایسا کوئی انتظام نہ تھا کہ انجن کے قریب بیٹری کے ذریعے تھوڑی بہت روشنی ہو جاتی۔ ہیڈ لائیٹس بھی اس لحاظ سے بے کار تھیں۔ لیکن اتنی ہی دیر میں عامر اندازہ لگا چکا تھا کہ کار کی فین بیلٹ ٹوٹ چکی ہے۔ پلگ پھر خراب ہو گئے تھے۔ ان سب چیزوں کو درست کرنے کے لیے نہ صرف دن کی روشنی اور وقت درکار تھا بلکہ اوپر مین بازار تک جا کر وہاں کسی دکان سے نئی فین بیلٹ خرید کر واپس اسی مقام پر آنا بھی بے حد ضروری تھا۔ عامر نے یہ سب باتیں جب کوثر کو بتائیں تو جیسے اس کی جان نکل گئی۔

"یہ تو بہت برا ہوا ـــــ اب کیا ہو گا؟" اس کا حلق سوکھ گیا۔

"میرے خیال میں صرف ایک طریقہ ہے!" عامر نے سوچتے ہوئے کہا ـــــ "آپ اسی جگہ ٹھہریے، میں اوپر جا کر یہ سامان لے کر آتا ہوں۔"

"میں یہاں اکیلی کیسے رہ سکتی ہوں۔ رات کو تو یہاں درندے آ جاتے ہیں" کوثر نے سہم کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر میں یہاں رہا تو درندہ تو پھر بھی آپ کے ساتھ رہے گا" عامر نے مسکرا کر کہا۔

"میری مجبوری کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ میں آپ کو درندہ تو نہیں سمجھتی۔!"

"اس عنایت کا شکریہ! اچھا تو پھر ایسا کیجیے کہ میں یہاں کار کے پاس بیٹھتا ہوں آپ اوپر جا کر یہ سامان لے آیئے ـــــ" عامر نے اندھیرے میں کوثر کے چہرے پر پھیلنے والی زردی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا ـــــ

"میں ـــــ میں بھلا اتنی دور کیسے جا سکتی ہوں؟"

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے" عامر سوچتے ہوئے بولا "تو پھر یوں کرتے ہیں کہ کار کو چھوڑ کر دونوں ہی پیدل اوپر چلتے ہیں۔"

"بات تو ایک ہی ہے" کوثر روہانسی ہو گئی ـــــ "میں پیدل اتنی دور چڑھائی پر نہیں چل سکتی۔"

"تو پھر آپ ہی بتلایئے کہ کیا کریں؟"

"میں کیا بتاؤں ـــــ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا ـــــ"

اتنا کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عامر حیرت سے اس کے دھندلے سے سائے کو دیکھنے لگا۔ روتے ہوئے وہ کتنی پیاری لگ رہی ہے! اس وقت جبکہ ہر سمت سکوت ہی سکوت ہے اس کی یہ مترنم آواز کتنی بھلی لگ رہی ہے! اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اُسے چپ کیسے کرائے؟ اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ قریب جا کر محبت کے دو لفظ کہتا یا اس کے آنسو پونچھتا۔ وہ اچھی طرح

جانتا تھا کہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا نہایت مشکل کام ہے۔ کوثر روتے روتے پیٹھ موڑ کر ایک بڑی سی سپاٹ چٹان پر بیٹھ چکی تھی اور اب اس نے باقاعدہ سسکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا تھا۔ عامر احمقوں کی طرح اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ لیکن آخر کب تک ؟

"سنیے ـــــ ایک مشورہ ہے۔" اس نے کچھ قریب جا کر کہا

"ہوں ـــــ" کوثر نے روتی ہوئی آواز میں صرف اتنا ہی کہا۔

"میں آپ کو اس کار میں بند کر کے اکیلا اوپر چلا جاتا ہوں۔ اور خود ہی سامان لے کر واپس آجاتا ہوں۔ اب کہیے۔"

"نہیں خدا کے لیے ایسا مت سوچیے۔ مجھے بہت تکلیف ہوگی۔ اکیلے میں مجھے ڈر لگے گا۔" کوثر نے خوف کی وجہ سے لرزتے ہوئے کہا۔

"تکلیف تو میرے یہاں رہنے سے بھی ہوگی آپ کو ـــ"

"کیوں ـــــ ؟" کوثر رونا بھول گئی۔

"آپ مجھے اچھا نہیں سمجھتی ہیں نا ـــــ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔"

عامر نے اتنا کہہ کر ٹھنڈی سانس بھر لی۔ کوثر نے کچھ نہ کہا خاموش ہی رہی ـــ البتہ ایک دو بار اُس نے عامر کو غور سے دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

"کہیے ـــــ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ ؟"

"کیا آپ کسی کو مدد کے لیے نہیں پکار سکتے ؟" اُس نے بات کا رُخ پلٹ دیا۔

"مدد کی ضرورت تو آپ کو ہے ـــ آپ ہی پکاریے، میرا کیا ہے میں تو اکیلا بھی اوپر تک جا سکتا ہوں ـــ عامر آہستہ آہستہ خود میں ہمت پیدا کر رہا تھا۔" اکیلے میں ڈر مجھے تھوڑی ہی لگے گا۔"

کوثر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ موہنہ ہی موہنہ میں کچھ بڑبڑائی ضرور، مگر عامر سُن نہ سکا۔

"اور پھر اگر میں نے آواز بھی دی تو میری ہی آواز مجھے اس کا جواب دے گی۔" عامر نے ایک بار اپنی چادر کھول کر دوبارہ جسم سے لپیٹتے ہوئے کہا۔ "سب طرف پہاڑ ہیں۔ آواز گونج پیدا کرے گی اور یوں اپنی ہی آواز مجھے سنائی دے گی ـ"

"تو پھر میں کیا کروں ـــ" کوثر پھر رونے لگی۔ "کوٹھی میں سب پریشان ہوں گے۔ میں تو خواہ مخواہ یہاں آکر پھنس گئی ـــــ !"

"دیکھیے ایک طریقہ اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"کون سا ـــــ ؟"

"آپ کار کی پچھلی سیٹ پر آرام سے لیٹ جائیے اور دروازے اندر سے بند

کر لیجیے۔" اس طرح نہ تو آپ کو باہر کی آواز سنائی دے گی اور نہ ہی کوئی خطرہ محسوس ہو گا"

"اور آپ ___ آپ کیا چلے جائیں گے؟"

"جی نہیں ___ میں کار کے پاس ہی اس پتھریلی چٹان پر بیٹھا رہوں گا۔" عامر نے اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کوثر کچھ دیر سوچتی رہی ___ اسے اس تجویز ہی میں اپنی عافیت نظر آتی تھی۔ لہٰذا اس نے عامر کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"مگر میں جلدی سونے کی عادی نہیں ہوں ___ مجھے رات کے گیارہ بجے تک نیند آتی ہے۔"

"کار میں ریڈیو موجود ہے اُسے کھول لیجیے گا۔" عامر نے مسکرا کر کہا۔" ہو سکتا ہے کسی بھی اسٹیشن سے کوئی لوری وغیرہ سنائی دے جائے۔ تب تو آپ کو ضرور نیند آجائے گی۔"

"آپ ___ آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟ کوثر بپھر گئی۔

نہیں تو ___ میں بھلا ایسی جرأت کر سکتا ہوں؟ میں نے تو حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بڑے لوگ عموماً سوتے وقت یا تو خواب آور گولیاں کھاتے ہیں یا پھر موسیقی کا سہارا لیتے ہیں۔"

"میں ان میں سے نہیں ہوں ___" کوثر نے مونہہ بنا کر جواب دیا۔

"یہ اطلاع پاکر بہت خوشی ہوئی ___ عامر پھر مسکرایا۔ مگر کوثر اس کی مسکراہٹ نہ دیکھ سکی۔ دیکھ لیتی تو لازمی طور پر جلی کٹی ضرور سناتی ___

"بس تو یہ پروگرام طے پا گیا۔" عامر نے بات جاری رکھی۔" آپ اندر آرام فرمایئے۔ نیند آ ہی جائے گی ___ اور میں باہر بیٹھ کر پہرہ دیتا ہوں۔ یہی بہترین طریقہ ہے۔"

عامر اتنا کہہ کر چٹان پر بیٹھ گیا۔ کوثر کچھ لمحے تذبذب میں رہی اور مجبور ہو کر پھر کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس کا مونہہ پھولا ہوا تھا۔ پہلے اس نے سوچا اندر کی لائٹ کھول لے مگر پھر خیال آیا کہ عامر باہر بیٹھ کر اس کی ہر حرکت کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ یقیناً دل میں خوش ہو گا اور کوثر نہیں چاہتی تھی کہ وہ خوش ہو۔ وہ تو چاہتی تھی کہ عامر سدا تڑپتا رہے۔ کڑھتا رہے اُس کے فراق میں اور پھر ایک دن اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دے۔ مگر فی الحال ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ اب تو وہ خود اس کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کی حفاظت میں تھی ___ اس دن کوثر کو اپنے لڑکی ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔

کتنی مجبور و بے کس ہوتی ہے لڑکی کی ذات!

وقت کو تو گزرنا تھا لہٰذا گزرتا رہا۔ کوثر اب نیم دراز ہو گئی تھی۔ خنکی تو سرِ شام ہی بڑھ گئی تھی مگر رات جوں جوں بڑھتی جا رہی تھی پہاڑوں میں جذب شدہ ٹھنڈک ہر سو پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ جھیل کی اپنی خنکی بھی کافی تھی، کوثر کار کے اندر سوتے رہنے کے باوجود ٹھٹھر رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کر یہ پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ شوکت لاج سے چلی ہی کیوں تھی؟ — اگر اس نے کھڑکی میں سے عامر کو چادر لپیٹے، طویل سڑک پر جاتے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا۔ تو اُسے جلانے کی خاطر اپنی کار لے کر اس کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟

وہ یہی تو چاہتی تھی نا کہ عامر اسے تنہا جاتے دیکھ کر کار رکوائے گا اور اس کی خوشامد کرے گا کہ بین بازار تک اسے چھوڑ دے۔ مگر نہ تو اس نے خوشامد کی اور نہ کار رکوائی — آخر وہ اسے نیچا دکھانے پر کیوں تلی ہوئی ہے — عامر نے وہ کون سی خطا کی ہے جو وہ اسے اس کی سزا دے رہی ہے! وہ اگر سب سے جدا انسان ہے تو اس میں اس کا کیا قصور — یہ کیا کم ہے کہ وہ ایک بے حد شریف انسان ہے!

سوچا کچھ تھا اور ہو کچھ گیا۔ ضدی طبیعت رکھنے والی کوثر کے غرور کو یوں ٹھیس لگے گی — یہ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ بہرحال اس وقت مجبوری تھی — آئندہ کے لیے اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ عامر سے بات چیت کرنے میں ذرا احتیاط برتے گی۔

رات بھیگتی جا رہی تھی — چاند طلوع ہو چکا تھا مگر نشیبی علاقوں میں اس کی دودھیا کرنیں دیر تک میں پہنچتی تھیں۔ چاند کے نکلنے سے اتنا تو ہوا کہ عامر پہاڑ کی بلندیوں کو صاف صاف دیکھنے لگا۔ ورنہ پہلے تو سیاہ آسمان میں اونچے دھندلے پہاڑ روپوش ہو گئے تھے۔ رات کے نو بج چکے تھے اور کوثر مضطرب سہمی ہوئی ہرنی کی طرح شیشوں کے پار دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کر یہ خوف ستا رہا تھا کہ رات کا وقت ہے۔ سنسان علاقہ۔ جہاں دور دور تک کسی متنفس کا پتہ نہیں۔ عامر نے اس کے سامنے اپنی چاہت ظاہر تو کر دی تھی تو کیا عامر اس سناٹے سے فائدہ اُٹھانے کی نہ سوچے گا؟ وہ اس کے ساتھ بالکل اکیلی ہے۔ ننھی سی مسکین بھیڑ کی طرح۔ کیا عامر بھوکے بھیڑیے کی مانند اس پر ٹوٹ تو نہ پڑے گا۔ سہمی ہوئی نظروں سے وہ اسے بار بار اُٹھ کر دیکھتی تھی۔ مگر کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی عامر کار کے قریب بالکل نہ آیا۔ اور یہیں سے کوثر کو احساس ہوا کہ وہ اس کے بارے میں غلط سوچتی رہی ہے۔

ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ صرف جھیل کا پانی چاند کی منعکس کی ہوئی روشنی سے چمک رہا تھا۔ دوسری طرف دیکھنے پر اسے چٹان پر بیٹھا ہوا عامر نظر آیا۔ وہ پلک جھپکائے

بغیر پہاڑ کی چوٹی پر سے اُبھرتے ہوئے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ چاند، جو ہو بہو آئینہ جیسا تھا اور جس میں ہر کسی کو اپنے محبوب کا عکس نظر آیا کرتا ہے۔ کوثر سوچ رہی تھی کہ یہ کیسا انسان ہے۔ کئی گھنٹوں سے وہ اسی طرح بیٹھا ہے۔ کیا اس کے دل میں مجھ سے بات کرنے کی ذرا سی بھی تمنا نہیں ہے ـــــ؟

"سنیے ـــــ" عامر نے کار کے قریب آکر اپنی انگلی سے کھڑکی کے شیشے کو بجاکر کوثر کو مخاطب کیا۔ اور جیسے اس کی تمنا بر آئی۔

کوثر کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس نے جلدی جلدی شیشے کو نیچے گرا کر اپنی لمبی لمبی پلکوں کی اوٹ سے عامر کو حیرت سے دیکھا۔ گویا پوچھ رہی ہو ـــــ کیا بات ہے؟

"سردی بہت ہوگئی ہے ـــــ" عامر نے اپنی گرم چادر جسم سے علیحدہ کر کے اُسے پیش کرتے ہوئے کہا ـــــ "آپ یہ چادر اوڑھ لیجیے۔"

کوثر نے بے خودی کے عالم میں وہ چادر لے لی۔

"میلی نہیں ہے۔ دھلی ہوئی ہے۔" عامر نے مسکرا کر کہا اور کوثر کٹ کر رہ گئی۔ عامر کے اس عمل سے جیسے اُسے سکتہ ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے؟

"کھڑکی کا شیشہ چڑھا لیجیے ـــــ" عامر اتنا کہہ کر پھر پتھر پر آکر بیٹھ گیا۔ ویسے اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا تھا کہ کوثر نے چادر اپنے جسم پر ڈال لی تھی۔

کوثر کے دل میں جیسے طوفان اُٹھ رہے تھے۔ آندھیاں چل رہی تھیں۔ سینہ تانے ہوئے تناور درخت ان آندھیوں میں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ اس کے غرور کے محل چکنا چور ہو گئے تھے۔ شان و شوکت کے گھروندے مسمار ہو چکے تھے۔ اس ادنیٰ چادر میں سے عجیب سی دل آویز خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا گویا کسی کی گرم گرم باہوں نے اُسے جکڑ لیا ہے۔ اس کے گرد حلقہ بنا لیا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عامر اس پر حاوی ہوتا جارہا ہے۔ وہ اُس کے سانسوں کی خوشبو محسوس کر رہی تھی۔ اس کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ موم کی طرح وہ اب پگھل رہی تھی۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے اور جسم میں ارتعاش تھا۔

عامر کھدر کے کپڑوں میں ملبوس اسی شانِ بے نیازی سے چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی میں کوئی خوش گلو پرندہ کسی درخت کی شاخ پر بیٹھا نغمے الاپ رہا تھا۔ اس کی درد انگیز آواز اُسے کوثر کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے جارہے تھے، وہ ایک آزاد خیال اور مغرور

لڑکی ضرور تھی مگر ایسی صفات رکھنے والوں کے سینے میں دِل بھی ضرور ہوتا ہے ـــ اور وہ دِل ـــ وہ ظالم دِل اُس وقت کوثر کے سینے میں بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ رحم اور محبت کا متضاد جذبہ رہ رہ کر دِل کی شریانوں میں بیدار ہو رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کتنا اعلیٰ ظرف انسان ہے۔ اِسے اپنی تکلیف کی تو ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن اُس نے اپنی گرم چادر اُسے دے دی ہے۔ کار میں تو سردی بھی کم ہے مگر باہر تو بے حد ٹھنڈک ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ـــ؟

کھڑکی کا شیشہ ابھی تک گرا ہوا تھا۔ کوثر نے کنکھیوں سے اُسے دیکھا۔ سفید لباس میں وہ کوئی فرشتہ دکھائی دیتا تھا۔ ایسا فرشتہ جو چپکے سے آسمان کی وسعتوں سے محض اس کی امداد کی غرض سے وہاں آ گیا ہو۔ کچھ دیر تک وہ تذبذب میں مبتلا رہی۔ آخر اپنے حواس مجتمع کر کے بولی۔

"مگر ـــ بات یہ ہے کہ آپ کو بھی تو سردی لگے گی؟"

"اوہ ـــ ہاں ـــ" عامر اس کی آواز سُن کر چونکا اور پھر حسبِ عادت مسکرا کر بولا۔

"لیکن آپ فکر مت کیجیے۔ دل میں ایسی آگ سلگ رہی ہے جس نے سردی کے احساس ہی کو مٹا ڈالا ہے۔"

کوثر ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

"آپ مجھ بے وقوف سے آدمی کے لیے پریشان نہ ہوں۔ شیشہ چڑھا کر آرام سے سو جائیے۔ لیجیے! میں بھی سو جاتا ہوں۔"

عامر اتنا کہہ کر اسی چٹان پر نیم دراز ہو گیا اور کوثر یہی سوچتی رہی کہ اب کیا کہے ـــ ایک ہی مقام پر اپنی نگاہیں مرکوز کیے وہ لگاتار سوچتی رہی ـــ سوچتی رہی اور پھر اس کے لب کپکپانے لگے۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا، عامر بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا۔ شاید وہ سو چکا تھا۔ مگر کوثر کی آنکھوں سے نیند روٹھ کر چلی گئی تھی۔ سوچتے رہنے کے درمیان اُس نے تقریباً آدھ گھنٹہ صرف کر دیا تھا اور اس عرصے میں عامر نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔

اسے سوتا دیکھ کر کوثر نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔ چاند اب پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی ہلکی روشنی میں کوثر، عامر کا متبسم چہرہ بہ آسانی دیکھ سکتی تھی۔ آج پہلی بار وہ اس چہرے کو اتنے قریب سے اور اتنی دیر تک دیکھ رہی تھی، اچھا خاصا خوب صورت چہرہ تھا۔ نہایت ہی متناسب اعضا والا نوجوان تھا۔ آخر وہ اسے اتنا پریشان کیوں کرتی رہی ہے۔ کیوں وہ اس سے اتنی نفرت کرتی رہی ہے۔ اس لیے کہ وہ غریب ہے۔ مگر غریب ہونا کوئی جرم تو نہیں، اگر عامر غریب ہے تو اس کا دل ـــ

کیا ایسا لازوال دِل، جس میں ہمدردی اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، غریب ہو سکتا ہے!

نہیں ___ دل کے لحاظ سے وہ بڑے بڑے امیروں اور رؤسا سے کہیں افضل اور بہتر ہے۔

کافی دیر تک وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے اس نے چادر اُتار کر عامر پر ڈال دی۔ جیسے ہی اس کے مرمریں ہاتھ عامر کے سر پر چادر پھیلانے کے لیے پہنچے ___ وہ جاگ گیا۔ اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا ___ پھر اس نے گھبرا کر کہا

"آپ ___!"

"جی ___" کوثر نظریں جھکائے کھڑی رہی۔

"یہ آپ نے مجھ غریب پر اتنی مہربانی کیوں کی کوثر صاحبہ ___؟" عامر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سردی بہت ہو رہی ہے ___" کوثر دَم بخود تھی۔

"اس کا جواب تو میں آپ کو دے ہی چکا ہوں ___ یعنی دل کی آگ نے خنکی کا احساس فنا کر دیا ہے۔" وہ متواتر مسکرائے جا رہا تھا۔

"میں ___ میں یہ کس طرح برداشت کر سکتی ہوں کہ ___ کہ آپ کھلی فضا میں سردی سے سکڑتے رہیں اور میں وہاں کار میں آرام سے سوؤں؟"

"اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے ___ آپ نے ایسا پہلے کبھی نہیں سوچا ___"

"وہ اور بات تھی ___ مگر یہاں دوسری بات ہے۔ یہاں سردی بہت ہے۔" کوثر نے جز بز ہو کر جواب دیا۔

"کیا فرق پڑتا ہے ___ حد سے حد یہی ہوگا نا کہ صبح اکڑا ہوا ملوں گا۔" عامر نے ہنس کر کہنا شروع کیا۔" اور پھر شاید آپ بعد میں یہی کہیں گی کہ اس شخص میں کتنا غرور تھا ___ جیتے جی بھی اکڑفوں میں رہا اور مر کر بھی اکڑا رہا ___"

اتنا کہہ کر وہ خود ہی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"آپ ___ آپ میری بے بسی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں ___" کوثر نے مونہہ بنا لیا۔

"نہیں تو ___ میں نے تو آپ کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔"

"آپ جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں نا کہ میں اتنی سخت دل نہیں

سخت دل

ہوں کہ آپ کو سردی میں ٹھٹھرنے دوں اور خود کار میں آرام سے سو جاؤں ۔"
"خدا کا بڑا کرم ہے کہ آپ کا دل سخت نہیں ہے ۔"
"رات بھر کب تک یونہی بیٹھے رہیں گے ۔۔۔ میرے خیال میں آپ بھی کار کی اگلی سیٹ پر آجایئے ۔۔ میں پیچھے سو جاؤں گی اور ۔۔ اور ۔۔ آپ آگے سو جایئے ۔۔۔" کوثر نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔
"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ۔۔ آپ اور میں دونوں ایک ہی کمرے میں ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ ایک ہی کار میں کس طرح سو سکتے ہیں ۔۔۔ میری بڑی بدنامی ہو جائے گی ۔"
عامر نے کچھ اس انداز سے یہ فقرہ کہا کہ لاکھ ضبط کے باوجود بھی کوثر اپنی ہنسی نہ روک سکی ۔
"جایئے آپ آرام سے سو جایئے ۔ میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا جانتا ہوں ۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ میں باہر رہوں ۔" عامر نے چادر اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔
"مگر رات بہت باقی ہے ۔۔" کوثر نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"میں چاہتا ہوں کہ اس رات کی صبح کبھی نہ ہو ۔" عامر نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "یہ رات میری زندگی کی درخشاں راتوں میں سے ایک ہے ۔ ایسی رات مجھے پھر کب میسّر ہو گی جس کی وجہ سے آپ میرے ساتھ ہیں ۔ میں اب الفاظ بہت محتاط انداز میں ادا کرتا ہوں ۔ کہیں آپ بُرا نہ مان جائیں ۔ میں ۔ میں آپ کی پیشانی پر برہمی کی شکنیں نہیں دیکھ سکتا ۔ اور اس وقت تو میری جان ہی نکل جاتی ہے جب یہ شکنیں میری وجہ سے پیدا ہوئی ہوں ۔"
"آپ مجھے بالکل ہی پاگل سمجھتے ہیں ۔" کوثر کی آواز لرز رہی تھی ۔ اسے جذبات پر قابو نہ رہا تھا ۔
"بالکل تو نہیں ۔۔۔ ہاں تھوڑا بہت ضرور سمجھتا ہوں ۔" عامر نے شرارت سے کہا۔ کوثر خاموش ہو گئی ۔ کچھ نہیں بولی اور غیر ارادی طور پر چادر کو مسلتی رہی ۔
"برا مت مانیے گا، بالکل ہی پاگل تو صرف میں ہوں ۔" کوثر نے اپنی غلافی آنکھوں سے اُسے دیکھا ۔ پہلے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ چند لمحوں تک اُسے دیکھتی رہی اور پھر کار کا اگلا دروازہ کھولنے کے بعد پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر بولی ۔
"مجھے پریشان کرنے میں اگر لطف آتا ہو تو وہیں بیٹھے رہیے ورنہ اگلی سیٹ پر آجایئے ۔"
عامر نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے انداز میں اسے دیکھا اور بولا ۔۔۔
"جو حکم ۔۔۔ بندہ حاضر ہو جاتا ہے ۔۔۔"
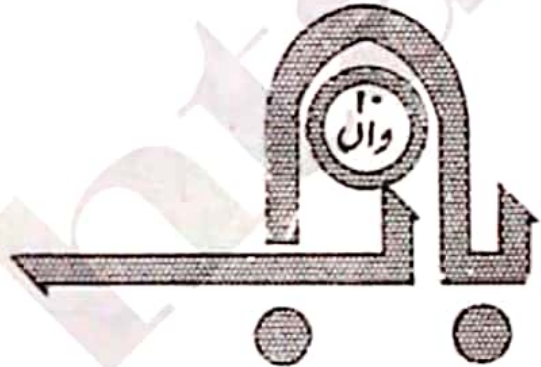
پیارے پیارے پرندوں کی سُریلی آوازوں اور پھولوں کی معطر خوشبو سے کوثر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جلدی سے اُٹھ کر کار کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صبح کا اُجالا ہر سمت پھیل رہا تھا اور درخت رات کی اوس میں نہائے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اگلی سیٹ پر عامر کو دیکھا ___ مگر سیٹ خالی تھی اور ایک پرچہ وہاں پڑا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے اُٹھا کر پڑھا۔

"آپ تو سو گئیں تھیں مگر میں رات بھر نہ سو سکا۔ میرے نزدیک آگ دہکتی رہی اور میں خاموشی سے اس آگ میں جلتا رہا۔ یہ جان کر دل بڑھ گیا ہے کہ آپ اب مجھ سے زیادہ ناراض نہیں ہیں ___ میں کتنا خوش قسمت ہوں ___ ہے نا؟

صبح ہوتے ہی گاؤں کے لوگ جھیل پر پانی کے لیے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ کی بدنامی کے ڈر سے میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھیں۔ صبح تین بجے ہی میں کار کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور آپ کا پہرہ دیتا رہا تھا۔ اب اُجالا پھیلنے پر جا رہا ہوں۔ آپ کار میں لے چلنے کی ضد کرتیں اور لاج کے مکین ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر شبہ میں پڑ جاتے۔ لہذا آپ تو اب جائیے۔ میں شام کے چار بجے تک کوٹھی پہنچوں گا

بالکل ہی پاگل

عامر"

کوثر کے لب مسکرانے لگے عامر کی اعلیٰ ظرفی کی وہ پہلے ہی معترف ہو چکی تھی۔

لیکن یہ خط دراصل اس کے کردار کا روشن پہلو پیش کرتا تھا۔ اس نے خط تہہ کر کے پرس میں رکھ لیا۔ کار سے اتر کر جھیل کے پانی سے اپنا مونہہ دھویا۔ اُسے سبکی آگئی، کیونکہ پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ جلدی سے گھبرا کر وہ پھر کار میں آئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پرس کھول کر چابی نکال ہی رہی تھی کہ اس کی نظر پھر اُس پرچے پر پڑ گئی۔ پرچے کے پچھلی طرف کچھ اور بھی لکھا تھا جو اس نے اب تک نہیں پڑھا تھا۔

"خراب کار کو ٹھیک کر دیا ہے۔ آپ سے یونہی کہہ دیا تھا کہ فین بیلٹ ٹوٹ گئی ہے۔ بیلٹ ٹھیک ہے صرف ڈائنمو کے اسکرو ڈھیلے ہو گئے تھے اور بیلٹ ڈھیلی ہو گئی تھی۔ رہے پلگ تو وہ بھی ٹھیک ہیں۔ نہ جانے کیوں اس وقت میں نے یہ خوب صورت جھوٹ بول دیا تھا۔"

کوثر نے مسکرا کر پرچہ واپس پرس میں رکھ کر کار اسٹارٹ کر دی ـــــ اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ اوپر جانے والی سڑک پر اُسے دوڑا رہی تھی۔ شوکت لاج میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، نوکر غم و اندوہ کی تصویر بنے پورٹیکو میں کھڑے ہوئے تھے اور شوکت اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ باہر لان میں کھڑا ہوا تھا۔ اچانک ایک نوکر نے اطلاع دی کہ اس نے نیچے گھاٹی کے ایک موڑ پر سرخ رنگ کی کار اوپر آتی ہوئی دیکھی ہے۔

یہ خبر دراصل مژدۂ جاں فزا کا کام دے گئی۔ سب اشتیاق میں لان کے آخری سرے پر آ گئے اور پھر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"خدا کرے کہ وہ کوثر ہی ہو ـــــ" شوکت دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بے تابی سے بولا۔

"مجھے یقین ہے اور پکا یقین ہے کہ کوثر صاحبہ کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ پورے المونڑہ میں صرف ان ہی کی کار سُرخ ہے۔ کیوں پروین میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے ......"

اسلم کی بات ادھوری رہ گئی۔ اچھا ہی ہوا ورنہ پروین کو مخاطب کر کے بھائی اسلم کہنا ضرور پڑتا۔

"مگر ـــــ سوال یہ ہے کہ عامر کہاں گیا؟" شوکت نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔ "وہ بھی تو صبح ہی کا گیا ہوا ہے؟"

"کہیں وہ کوثر کو تو اپنے ساتھ نہیں لے گئے؟" منجو نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"لیکن میں نے تو سُنا تھا کہ کوثر عامر کے جانے کے بعد گئی تھی ؟" شوکت نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"تو پھر عامر صاحب کہاں گئے ؟" پروین نے دریافت کیا۔ اسلم ان باتوں کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ اس عرصے میں کوثر اپنی کار پورٹیکو میں لے آئی تھی۔ سب سے پہلے شوکت اس کی طرف بڑھا۔ اور پریشان کن آواز میں بولا۔

"کوثر ـــ کہاں رہیں تم رات بھر ؟"

"ہمارے دل میں تو ہول اُٹھنے لگے تھے۔" پروین نے کہا۔

"ہم تو اب تمھاری اور عامر کی تلاش میں جانے ہی والے تھے ـــ" منجو نے عامر کا نام اس لیے لیا تھا کہ اگر وہ کوثر کے ساتھ گیا ہو تو وہ اس کا اقرار کر لے۔

"کیوں ـــ عامر صاحب کہاں گئے ؟" کوثر نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا ـــ "کیا وہ بھی غائب ہیں ؟"

"آپ کو نہیں معلوم کوثر صاحبہ ـــ وہ احمق بھی غائب ہے۔ کیوں مسٹر شوکت، میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً ...."

اسلم کی بات پوری نہ ہو سکی، کیوں کہ درمیان ہی میں شوکت نے لقمہ دے دیا۔

"یار تم ہر وقت اُلٹی سیدھی ہانکتے رہتے ہو ـــ یہاں اب یہ فکر کھائے جا رہا ہے کہ وہ بے وقوف کہاں رہ گیا ؟"

"اچھا تو کیا وہ بھی یہاں موجود نہیں ہیں ؟" کوثر نے گردن جھکا کر کنکھیوں سے بھائی کو دیکھ کر پوچھا۔

"اور یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ وہ ناک والا آدمی ہے۔"

"خیر اگر اب وہ آ جائیں گے تو میں احتیاط رکھوں گی۔" کوثر نے مسکرا کر جواب دیا ـــ "کیا کروں مجھے بسورتے ہوئے لوگ اچھے ہی نہیں لگتے۔"

"لیکن کوثر ـــ رات بھر تم بھی غائب رہیں اور وہ بھی ـــ آخر چکر کیا ہے ؟" منجو کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔ وہ تحقیقی نظروں سے کوثر کو تک رہی تھی۔

اب وہ سب ڈائننگ ہال میں آ کر بیٹھ چکے تھے۔ کوثر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اپنے بارے میں تو میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں نیچے جھیل تک گئی تھی۔ وہاں کار خراب ہو گئی۔ بڑی کوشش کر لی مگر ٹھیک ہو کر ہی نہیں دی۔ مجبوراً مجھے رات کار کے اندر رہ کر ہی بسر کرنی پڑی۔ صبح ہوتے ہی میں نے کار اسٹارٹ کی تو خود بخود ٹھیک ہو گئی۔ بس میں فوراً واپس آ گئی۔

"مگر رات کو بہت سردی لگی ہو گی" شوکت نے پر تشویش لہجے میں پوچھا ——

"اب تو موسم بدلنے لگا ہے۔"

"لگتی تو بھیا۔ مگر شیشے چڑھا لینے کے بعد نہیں لگی۔"

ناشتہ شروع ہوا۔ اسلم میز پر موجود نہیں تھا، شوکت نے خادمہ کو اُسے بلانے بھیجا ہی تھا کہ وہ خود اندر آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ کوثر کو ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ ناشتہ کی میز پر بیٹھ گیا۔

"اسلم لے بولو اب کیا کیا جائے، عامر کو کہاں تلاش کریں" شوکت، عامر کی گمشدگی کو اپنا ہی قصور سمجھ رہا تھا۔

"آپ اُس خبطی کی فکر نہ کریں۔ وہ اس قسم کی بیوقوفیاں کرتا ہی رہتا ہے۔" اسلم نے جواب دیا "میرے خیال میں اسے کوئی نہ کوئی جاننے والا مل گیا ہو گا۔ اس کے ہاں رہ گیا ہو گا رات کو، اب مجھے امید ہے کہ وہ دن میں کسی وقت آ جائے گا۔ کیوں پروین صاحبہ، میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط ......"

"نہیں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں" پروین نے جلدی سے کہہ دیا۔ اور اسلم خاموش ہو گیا۔ پروین بھی اس تکیہ کلام سے عاجز تھی۔ کیونکہ اس طرح اُسے اسلم کو بھائی کہنا پڑتا۔

ناشتہ کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں جانے کے لیے اُٹھ گئے۔ البتہ کوثر اپنے کمرے کی طرف اوپر جانے لگی، اسلم بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت بھرا تبسم تھا۔

"سنیئے کوثر صاحبہ —— بات یہ ہے کہ وہاں تو میں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن .....؟"

"ہاں ہاں، کہیئے ——"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا جو آپ نے کہا ہے وہ سچ ہے؟"

"بالکل —— آپ کو شبہ ہے کیا؟" کوثر نے اپنا مونہہ جلدی سے دوسری طرف کر لیا۔ کہیں اسلم آنکھوں کی تحریر نہ پڑھ لے۔

"ہاں شبہ ہی کہہ لیجئے —— مجھے یقین ہے، آپ جانتی ہیں کہ عامر کہاں ہے؟"

"میں کیسے جان سکتی ہوں؟"

"اس لیے کہ کسی نہ کسی جگہ آپ کی اور اس کی ملاقات ضرور ہوئی تھی۔ کہیے میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم آپ غلط کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں بھائی اسلم آپ غلط کہہ رہے ہیں ـــــ بس۔" کوثر راز کھلنے کے ڈر سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

"چلیے ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن آپ کو ایک بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کون سی بات؟" کوثر نے گھنی پلکیں اوپر اُٹھائیں۔

"ابھی اور اسی وقت کار میں سے وہ اونی چادر منگوا لیجیے جو عامر یہاں سے اوڑھ کر گیا تھا۔"

"چادر ـــــ!" کوثر کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

"ہاں ـــــ میں تو بہت کچھ جانتا ہوں، مگر دوسرے لوگ نہیں جانتے۔ مفت میں آپ کی بدنامی ہو گی۔ لوگ رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔ عامر کی چادر آپ کی کار میں سے نکلے۔ یہ اچھی بات نہ ہو گی۔ آپ کا راز آشکارا ہو جائے گا ـــــ کہیے میں غلط......"

"اوہ ـــــ! واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔" کوثر نے گھبرا کر اُس کی بات کاٹی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی ـــــ اور وہ جیسے خود ہی پر دانت پیس رہی تھی۔

"میں آپ سے کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا۔" اسلم نے مسکرا کر کہا ـــــ "بس آپ کی صورت دیکھ کر اندازہ لگا لیا ہے۔"

"کیسا اندازہ ـــــ؟"

"پہلے عامر کا نام سُن کر آپ ناک بھوں چڑھاتی تھیں، مگر آج ایسا نہیں ہے۔ شاید آپ نے اس کو محبت کی سزا دے ہی دی ہے۔"

کوثر چپ ہو گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کرے، اگر اسلم نے بھیا سے کہہ دیا تو؟ ـــــ اسلم اپنے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کوثر نے پُشت سے اسے آواز دی۔

"سنیے۔"

"جی ـــــ فرمائیے۔" اسلم رُک کر مسکرانے لگا

"بات یہ ہے۔" کوثر نے شرمندگی کے ساتھ رُک رُک کر کہنا شروع کیا۔ عامر واقعی میرے ساتھ تھے ـــــ میں جھیل پر گئی تھی کہ کافی دیر بعد وہ بھی پہنچ گئے تھے۔"

"ہاں وہ ایسا ہی نالائق ہے۔ جب غصے میں ہوتا ہے تو جھیل تو کیا سمندر تک جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔"

"اسلم کی یہ بات سُن کر کوثر مسکرانے لگی۔ اور پھر اُس نے پوری روداد اُسے سُنا دی۔

اسلم سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ اور جب کوثر پوری کہانی کہہ چکی تو اسلم نے کہا۔

"دیکھئے، عامر کے کردار کا سرٹیفکیٹ یہی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ کار میں بالکل نہیں سویا۔ دنیا میں ہزاروں انسان عامر کی عادات اور خصائل کے مالک ہوں گے۔ مگر یقین مانیے اس جیسے نہیں ہو سکتے۔ وہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔ آپ کالج میں بھی اسے آزما چکی ہیں اور آج بھی دیکھ لیا، مجھے اپنا وہ دوست بہت پیارا ہے۔ اسے ہزاروں غم ہیں اور ان میں سے ایک غم آپ ہیں آپ کا اس سے مخاصمانہ برتاؤ ہے۔ آپ میری بہن کی طرح ہیں کوثر، لیکن میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ نے عامر کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ بھائی ہونے کے ناطے میں آپ سے بازپرس کرنے کا حق ضرور رکھتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں ـــ مگر ـــ مگر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" کوثر نے شرما کر پوچھا۔

"یہی کہ اب اسے زیادہ پریشان مت کیجیے گا۔ درحقیقت وہ بہت غم زدہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے اپنی زندگی سے نفرت ہو جائے اور جب انسان اپنی زندگی سے نفرت کرنے لگتا ہے تو پھر اس کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ بعض اوقات وہ اسے اپنے ہی ہاتھوں سے ختم کر لیا کرتا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دیجئے کہ بھائی اسلم آپ غلط کہہ رہے ہیں۔"

کوثر نے ہنس کر جواب دیا۔ "بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔"

"کیوں ـــ میں غلط کیوں کہہ رہا ہوں؟"

"اس لیے کہ اب ایسا ہرگز نہ ہو گا ـــ"

کوثر اتنا کہہ کر فوراً پلٹی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اسلم احمقوں کی طرح اُسے جاتے دیکھتا رہا ـــ وہ جانتا تھا، اچھی طرح جانتا تھا کہ گزشتہ رات کی تنہائیوں میں پاگل عامر نے کسی نہ کسی طرح اس بنتِ جفا آشنا کو رام کر لیا ہے۔

عامر شام تک لوٹا۔ سہ پہر سے شام تک کوثر کھڑکی میں کھڑی ہوئی اس راہ کو تکتی رہی جس سے عامر کو آنا تھا۔ جب اسے عامر کی ایک جھلک دکھائی دے گئی تو پھر اطمینان کا ایک طویل سانس لے کر وہ آرام کرسی میں دراز ہو گئی۔ اس کی گود میں اب وہ اونی چادر رکھی ہوئی تھی جسے اس نے بیا کے ذریعے کار میں سے منگوا لیا تھا۔

چادر پر وہ بڑی آہستگی اور محبت سے ہاتھ پھیر رہی تھی، دراصل اس وقت وہ اپنے ارادوں اور جذبات سے خاموش جنگ کر رہی تھی۔ اس نے چاہا کچھ تھا اور ہوا کچھ۔ اُس کی خواہش تھی کہ عامر خود اس کے قدموں میں آ کر سر رگڑے، مگر واقعہ اس کے برعکس ہو گیا۔ خود ہی اُسے عامر سے التجا کرنی پڑ گئی، اس بازی میں اُسے شکست ہوئی تھی ـــ عظیم شکست!

اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس ہار میں کتنی حلاوت اور لذت ہے! کتنی روح پرور چاشنی اور کیسا دل آویز نشہ!

رات تک وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ صرف رات کے کھانے پر ہی نیچے آئی۔ اور خاموش بیٹھی رہی۔ عامر نے اُس کے حسب توقع بہانہ بنایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ایک دوست کے پاس رات گذارنے کے لیے رُک گیا تھا۔ پورا دن بھی اُس کے ساتھ بیتا۔ بڑی مشکل سے شام تک چھٹکارا ہوا لہذا وہ یہاں آ گیا ہے۔ الموڑہ میں فون تو لگے ہوئے نہیں ہیں۔ ورنہ وہ فون ہی کر دیتا۔

شوکت اور اسلم اُسے بُرا بھلا کہتے رہے اور وہ ان کی جھڑکیاں سنتا رہا۔ کبھی کبھار وہ مسکرا کر کوثر کو بھی دیکھ لیا کرتا تھا اور ایسے وقت، کوثر کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے چھری کانٹے ہاتھ کی لرزش کے باعث پلیٹ پر جل ترنگ سی بجا دیتے!

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ سب طرف سکوت حاوی تھا۔ موسم بے حد خنک تھا۔ ایسے وقت کوثر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ عامر کو اس کی چادر واپس کرے یا نہ کرے۔ دو دل تھے، ایک کہتا تھا نہیں، یہی تو ایک نشانی ہے اس کی اور دوسرا کہتا تھا کہ بیوقوف مت بنو، وہ ایک معمولی سا انسان ہے۔ وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اُس کا خیال دل میں نہ آنے دو۔

اس کے برعکس عامر اپنے اسی دل پسند مقام پر کھڑا ہوا تھا جہاں وہ عموماً چاندنی راتوں کا لطف اُٹھانے کی خاطر آ کر کھڑا ہو جاتا تھا اور جہاں ایک بار اُس کی کوثر سے ملاقات ہو چکی تھی! اس مقام سے لال بنگلہ تو نظر آتا تھا مگر کوثر کی کھڑکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ چنانچہ عامر بڑی توجہ سے بنگلے کو دیکھ رہا تھا۔ اسلم رات کے دس بجے سے غائب تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسلم لازمی طور پر پردین کے پاس گیا ہوگا۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ آج بنگلے میں جانا اُس کے لیے بڑا اہم ہے۔ بوڑھے پہاڑی نے اس سے یہی کہا تھا کہ لال بنگلے میں لگی ہوئی تصویر اُسے ضرور حاصل کرنی ہے۔

دراصل اُسے چوری سے نفرت تھی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ تصویر کو وہاں سے نکال لائے۔ البتہ اس تصویر کو دیکھنے کی خواہش اس کے دل میں ضرور پیدا ہو چکی تھی۔ ایسی کیا بات ہے اس تصویر میں کہ پہاڑی نے تصویر نکال کر لانے کے لیے کہا ہے! تصویر کو دیکھنے اور اسلم کو واپس لانے کی خاطر آخر کار وہ بنگلے کی طرف جانے والی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔ چند قدم بکھری پڑی ہوئی روشنی پر بڑھنے کے بعد وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا اُس نے چاہا کہ دستک دے۔ شاید اسلم پردین کے ساتھ بنگلے میں ہو! اُس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک اُسے درد

میں ڈوبی ہوئی ایک التجائی آواز سنائی دی۔

"نہیں نہیں ـــــ خدا کے لیے ایسا مت کیجیے، شادی سے پہلے یہ پاپ ہے۔ چھوڑ دیجیے مجھے۔" یقیناً یہ آواز منجو کی تھی۔

عامر نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور پھر اُسے کسی کی درد انگیز سسکیاں سنائی دینے لگیں ـــ ایک طویل اور کربناک چیخ اور پھر بے بسی کی جدوجہد سے پیدا ہونے والی آوازیں!

"خدا کے لیے مان جایئے، میں آپ ہی کی ہوں ـــ"

عامر کو ایسا لگا کہ مقابل کوئی جنونی شخص ہے جو منجو کی التجا اور خوشامد سے ذرا بھی نہیں پسیج رہا اور اپنی من مانی کر رہا ہے۔ منجو کی آواز وہ صاف پہچان چکا تھا۔ لہذا اس نے بہتر سمجھا کہ دروازے پر دستک دے ہی دے۔

دستک کی آواز سنتے ہی اندر کمرے میں ہونے والی جدوجہد کی آوازیں رُک گئیں۔ اور پھر عامر کے دیکھتے دیکھتے بنگلے کے برآمدے والی کھڑکی کھلی۔ ایک سایہ کھڑکی میں سے کودا۔ تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھا اور پھر کوٹھی کے لان میں دوڑتا ہوا چلا گیا۔ عامر نے اس سائے کو اُس کی جسامت اور حلیے سے پہچان لیا تھا اور اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں تھیں۔

Scanned by CamScanner
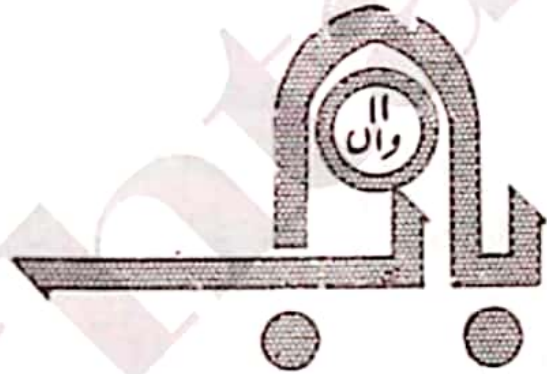
دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھول کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا اندر کمرے میں پہنچا۔
اور پھر وہاں اُس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے ہوش اُڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

منجو برہنہ حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی!

دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے وہ بُری طرح رو رہی تھی ـــــ

عامر نے اسے اس حالت میں دیکھ کر اپنا مونہہ پھیر لیا اور کہنے لگا ـ

"براہِ کرم چادر اوڑھ لیجیے۔"

منجو نے عامر کو کمرے میں موجود پا کر پھر ایک چیخ ماری اور غالباً بدنامی کے ڈر سے تھر تھر کانپنے لگی۔ اس نے جلدی سے اپنا بدن پلنگ کی سفید چادر سے ڈھک لیا۔ اور بُری طرح رونے لگی۔

"مجھے افسوس ہے منجو صاحبہ کہ میں دیر سے آیا۔" عامر نے معذرت کی۔ "لیکن اندر آنے کے باوجود میں شرمندہ ہوں ـــ معافی چاہتا ہوں۔"

"بھگوان کے لیے کسی سے مت کہیے گا ورنہ میں برباد ہو جاؤں گی۔" منجو نے روتے ہوئے التجا کی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں ـــ لیکن آپ بھی ایک وعدہ کیجیے۔"

"کون سا ـــ ؟" منجو نے چادر کے اندر ہی سے دریافت کیا۔

"آپ بھی اس شخص کا نام کسی کے سامنے نہیں لیں گی، جس نے آپ کو برباد کیا ہے۔"

"کیوں ـــ کیا آپ اسے بچانا چاہتے ہیں؟"

"یہی سمجھ لیجیے ـــ"

"کیوں ـــــ ؟"

"اس لیے کہ وہ میرا دوست ہے۔ عامر اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "مجھے توقع بھی نہیں تھی کہ وہ ایسی عامیانہ حرکت کر سکتا ہے!"

"بہت اچھا ـــــ میں وعدہ کرتی ہوں" منجو نے سسکیوں کے درمیان کہا۔ "میں تو تباہ ہو چکی ہوں۔ لیکن آپ کے کہنے کے مطابق آپ کے دوست کو برباد نہ ہونے دوں گی۔"

"آپ اٹھ کر کپڑے تبدیل کر لیجیے۔ میں اب چلتا ہوں۔ عامر اتنا کہہ کر مڑا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ـ

"کہاں جانا چاہتے ہیں آپ؟" یہ کوثر تھی ـ اور اس کے پیچھے شوکت اور گھر کے سبھی ملازم بھی کھڑے ہوئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"میں ـــــ میں دراصل . . . ." عامر اچانک بوکھلا گیا۔ کیونکہ اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ اتنی سی ہی دیر میں سب لوگ جمع ہو جائیں گے۔

منجو کے دو بار چیخیں مارنے اور ملازم کے لان میں بے تحاشا بھاگنے کے باعث غالباً کوٹھی کے مکیں جاگ گئے تھے اور لال بنگلے میں روشنی دیکھ کر وہاں آ گئے تھے۔

"آپ کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں منجو سے پوچھ لیتی ہوں" کوثر اتنا کہہ کر آگے بڑھی۔ پہلی نظر چادر پر پڑی اور پھر منجو کے سہمے ہوئے چہرے پر، منجو نے جس انداز سے وہ چادر جسم پر ڈال رکھی تھی۔ اس سے بھی کوثر ایک لمحہ میں معاملہ کی نزاکت کو بھانپ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کی عزیز ترین سہیلی کی عزت لوٹی جا چکی ہے۔ منجو منہ اتر موہنہ چھپا کر رو ئے جا رہی تھی۔

"کیوں عامر۔ یہ سب کیا ہے؟" شوکت نے نوکروں کو ہاتھ کے اشارے سے واپس جانے کے لئے کہہ کر عامر کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس کی نظریں عامر کے دل میں اتر کر راز جاننے کی خواہشمند تھیں۔

عامر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جوتے کی نوک سے قالین کی راکھ جھاڑتا رہا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ دوست کو بچانے کے لیئے اگر الزام اپنے سر آتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

"مجھے افسوس ہے۔ عامر میں تمہیں ایک شریف آدمی سمجھتا تھا" شوکت نے پھر تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ ۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" کوثر کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

"کوثر ۔ !" منجو نے عامر پر الزام آتے دیکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر پھر عامر کو دیکھ کر خاموش رہ گئی۔ عامر کی نگاہوں سے اس کا وعدہ یاد دلا رہی تھیں اور وہ اس وعدہ کی پابند تھی۔

"مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی عامر" شوکت نے دیوار سے کمر لگائی اور پھر سگریٹ سلگا کر بولا "اس سے پہلے کہ یہ بات المورہ میں پھیل جائے، میں تمہیں یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دوں گا۔"

"ابھی اور اسی وقت چلے جائیے یہاں سے۔" کوثر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح عامر کی طرف بڑھتی ہوئی، بولی۔ "آپ اس لائق نہیں ہیں کہ کسی شریف خاندان کے ساتھ رہ سکیں۔ میری بھولی بھالی سہیلی کو دام فریب میں پھانس کر اس کی عزت لوٹنے سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ مر جاتے۔ جان دے دیتے اپنی۔ آپ نے اسی کی ہی نہیں، بلکہ میری عزت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ میں آپ کو کیا سمجھتی تھی۔ مگر افسوس آپ کیا نکلے۔"

"تم نے ایسی گھناؤنی حرکت کرنے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ تم کس خاندان کے ساتھ رہ رہے ہو؟" شوکت نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ نے۔ آپ نے بھیا کے ہی نہیں۔ بلکہ۔ بلکہ۔۔!" کوثر پہلے تو تیز لہجے میں بول رہی تھی مگر یہاں آ کر اس کی آواز ہلکی ہو گئی۔ گویا خود سے کہہ رہی ہو۔ اس کے صرف لب ہل رہے تھے۔

"بلکہ۔ میرے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچائی ہے۔ جائیے خدا کے لئے چلے جائیے یہاں سے، ابھی۔ فوراً چلے جائیے۔!!"

عامر نے واپسی کے لئے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ منجو وہیں سے التجائی انداز میں چیخی۔

"نہیں کوثر نہیں۔! انھیں کچھ نہ کہو۔ یہ تو۔۔۔۔"

عامر نے جلدی سے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر شرمسار لہجے میں بولا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں اسی لائق ہوں کہ آپ سب میرے جوتے ماریں۔ بے اختیاری میں مجھ سے یہ ذلیل حرکت ہو گئی۔ مجھے آپ جتنا بھی برا کہیں کم ہے۔ میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"مگر۔ مگر عامر" منجو نے کچھ کہنے کے لئے پھر مونہہ کھولا۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔ اور شوکت کو بار بار دیکھ رہی تھی کہ شاید وہی کچھ بولے۔ شاید عامر کو روک لے۔

"منجو! اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی حالات عامر کے خلاف ہیں۔ یہ تو بہت کم سزا ہے۔ جو انھیں دی جا رہی ہے۔ صرف اس لئے کہ کبھی یہ ہمارے دوست تھے۔ مگر اب دوستی کے ماتھے پر شرمناک داغ ہیں" شوکت نے جلدی سے کہا۔

منجو جانتی تھی کہ عامر خطا وار نہیں ہے۔ جان بوجھ کر وہ اس خطا کو اپنے سر منڈھ رہا ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ فوراً حقیقت سب کے سامنے بیان کر دے، مگر عامر سے کیا ہوا وعدہ اسے

اِس اقدام سے باز رکھنا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے مونہہ چھپا کر وہ بری طرح رونے لگی اور کوثر فہائش بھری نظروں سے عامر کو لگاتار گھورتی رہی۔

بغیر کچھ کہے، عامر خاموشی سے کمرے میں سے باہر نکل گیا۔ اور کوثر شوکت سے کہنے لگی۔

"بھیا اُن کو ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے جانے کے لئے کہہ دو"

منجو نے کچھ کہنا چاہا بھی مگر کوثر شوکت کے ساتھ وہاں سے کوٹھی کی طرف جا چکی تھی۔ کوثر کو اس بات پر بھی بڑی حیرت تھی کہ آخر اس ہنگامے میں اسلم اور پروین کہاں رہے ؟ اُسے اتنا تو علم تھا کہ پروین اور اسلم اب محبت کی نازک ڈوری میں بندھ چکے ہیں۔ مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ آدھی رات کو بھی وہ دونوں غائب ہوں گے!

کوثر جب کوٹھی کی طرف مڑی تو اسے پروین اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں اور وہ اتنی رات گئے باہر رہنے پر شاید شرمندہ بھی تھی کوثر نے جب اُسے روک کر تازہ حادثہ کے بارے میں بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ عامر جیسے شریف آدمی پر لگا ہوا یہ الزام اسے پسند نہ تھا۔ مگر کوثر اپنی زبان سے کہہ رہی تھی لہذا یقین کرنا ہی پڑا۔ حالانکہ یہ یقین بھی شُبے کی دبیز تہہ میں پوشیدہ تھا۔

"اسلم کہاں ہیں" کوثر نے پوچھا۔ "میں ان کو بھی عامر کے یہ کرتوت بتا دینا چاہتی ہوں"

"میں نے تو ان کو نہیں دیکھا" پروین نے آہستہ سے جواب دیا۔ وہ کوثر سے نظر بچا رہی تھی۔

"تو کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں تھے ؟"

"نہیں۔ میں تو صرف باغیچہ میں بیٹھی ہوئی تھی" پروین نے کہا۔

"وہاں میری آنکھ لگ گئی جب سردی محسوس ہونے لگی تو اُٹھ کر اس طرف آ گئی"

"تو پھر اسلم کہاں چلے گئے ؟" کوثر نے جیسے خود سے سوال کیا "اتنی رات گئے تو انھیں کمرے ہی میں ہونا چاہیئے تھا۔!

"میں کیا کہہ سکتی ہوں" پروین نے دانستہ اپنا مونہہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ اس سے نظر ملاتے ہوئے کترا رہی تھی۔

کوثر تو سوچتی ہی رہ گئی۔ مگر اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر پروین تیزی سے لال بنگلے کی طرف چلی گئی۔ دراصل اُسے منجو سے حقیقت دریافت کرنے کی جلدی تھی۔ لہذا اس کے جانے کے بعد کوثر بالائی منزل پر اپنے کمرے میں جانے والی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

صبح کے تین بج رہے تھے۔ عامر اپنا مختصر سا سامان اٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ لان سے گزرتا ہوا اس پکی سڑک کی طرف جا رہا تھا جو بین بازار کی سمت میں جاتی تھی۔ کوثر کھڑکی میں کھڑی ہوئی اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حسین آنکھیں اداس تھیں۔ پلکیں نم اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ اس نے بھولے سے بھی یہ نہ سوچا تھا کہ عامر اتنے اوچھے کردار کا مالک ہوگا اور اس سے ایسی عامیانہ حرکت سرزد ہوگی۔ اسے رہ رہ کر اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ جب وہ جھیل کے کنارے کار میں محوِ خواب تھی تو اس وقت عامر نے اس کے ساتھ ایسی ناز یبا حرکت کیوں نہیں کی، جب کہ وہی بہترین وقت تھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ تنہائی ہی تنہائی تھی۔ کوثر نے سوچا کہ شاید اس طرح وہ اپنے اعلیٰ کردار کا اثر اس پر قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس سے متاثر ہوئی تھی۔ اتنی متاثر ہوئی تھی کہ اپنے دل کے نہاں خانوں میں اس نے عامر کو ہمیشہ کے لئے بسا لیا تھا۔ اور اب اسے اپنے اس فعل پر کتنا تاسف ہو رہا تھا۔ کیوں اس نے عامر کے خیال کو دل میں جگہ دی۔ عامر نے اسے اتنی بڑی سزا کیوں دی کہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا ذریعہ بنا ہے دونوں ہاتھوں سے دل کو پکڑے وہ اسے جاتے دیکھ رہی تھی، جی چاہتا تھا کہ اسے روک لے، مگر اس کی حرکت یاد آتے ہی خون کھول جاتا تھا۔ اور اس کی ابروئیں کمان ہو جاتی تھیں۔

جانے والا چلا گیا۔ پھر کبھی واپس نہ آنے کے لئے!

دوسرے دن اس کی ملاقات منجو سے پھر ہوئی۔ منجو شرمندہ سی تھی۔ گھبرائی ہوئی اور پریشان بھی۔ اس کی زندگی تباہ ہو چکی تھی اور یہ تباہی اپنا اثر اس کی پشیمان نظروں میں چھوڑ گئی تھی۔ رات کو تو موقع نہیں تھا۔ لہٰذا کوثر اب پوری بات معلوم کرنے منجو کے پاس آئی تھی۔ جہاں تک منجو کا تعلق ہے، سچ بات یہ ہے کہ اسے عامر کے ساتھ کئے جانے والے برتاؤ پر سخت افسوس تھا۔ لیکن آج کا انسان بہت خود غرض اور مطلبی ہے۔ منجو نے سوچا تھا کہ اگر الزام عامر کے سر ہی آتا ہے تو اسے اس بات سے فائدہ ہی پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے برباد کرنے والا بعد میں اسے اپنا ہی لے۔

اگر منجو کو اس بات کا علم ہوتا کہ کوثر کے دل میں عامر گھر کر چکا ہے تو وہ ہرگز ہرگز عامر کو اس طرح ذلیل اور رسوا نہ ہونے دیتی۔ مجبوری تو یہ تھی کہ عامر اس سے وعدہ لے چکا تھا۔ منجو نے سوچ لیا تھا کہ تازی تازی بات ہے۔ وقت گزرنے پر زخم مندمل ہو جائیں گے۔ حقیقت پر سے پردہ اٹھانا اسے منظور نہ تھا۔ اس طرح اس کی اپنی بھی بے عزتی ہوتی اور اس شخص کی بھی جو اس حادثہ کا باعث بنا تھا۔

جب اس نے کوثر کو لال بنگلے کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔ پروین نے بھی اس کام میں اس کی مدد کی۔ اور اس کا مختصر سا سامان اٹیچی میں رکھنے لگی

"کیا تو جا رہی ہے منجو؟" کوثر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ اب میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ میں بری طرح لٹ چکی ہوں۔"

منجو نے جواب دیا۔ "کوثر مجھ سے نظر ملاتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے کہ میری عزیز سہیلی کے ساتھ اس شخص نے یہ حرکت کی۔! صورت سے تو وہ بہت بھولا نظر آتا تھا۔"

"کسی کو الزام مت دو۔ یہ سب میری تقدیر کا قصور ہے۔"

"الزام کیوں نہ دوں۔ جس آدمی کو میں فرشتہ سمجھتی تھی وہ شیطان نکل آئے، کیا یہ بات تکلیف دہ نہیں ہے۔!"

"بے شک ہے ۔۔۔ لیکن ۔۔۔"

"اور پھر میں نے بھی اس کے کیے کا پھل اُسے فوراً ہی دے دیا۔ تم نے دیکھا تھا نا۔ میں نے اسے کوٹھی سے نکال دیا ہے۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا ۔۔۔" منجو نے اداس نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ۔۔۔ "بہت برا کیا کوثر۔"

"یہ تو کہہ رہی ہے۔ جس کی زندگی برباد ہو گئی وہ ایسا کہہ رہی ہے؟"

"ہاں۔ مجھے یہی کہنا چاہیے۔"

"کیوں ۔۔۔ ؟"

"اس لئے کہ عامر نے مجھے برباد نہیں کیا ۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہو ۔۔۔؟" کوثر چونکی۔ "پھر کون ہے وہ؟"

"میں نام نہیں لے سکتی ۔۔۔ میں نے کسی سے وعدہ کیا ہے۔"

"کیا پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہے۔ اگر یہی بات تھی تو تو نے کل رات کو کیوں نہیں کہا ۔۔ عامر نے تو خود اس الزام کو قبول کیا تھا ۔۔۔!" یہ عجیب بات سن کر کوثر کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

"وہ فرشتہ ہیں اس لیے وہ خاموش کھڑے رہے۔"

"میں نہیں مانتی۔ تو شاید اب عامر کو بچانا چاہتی ہے اور شاید یہ کہنا بھی چاہتی ہے کہ میں عامر کے بجائے اسلم پر شبہ کروں ۔ کیوں؟ اسلم بھی تو رات سے غائب ہیں۔"

"مگر ۔ مگر اسلم ایسا نہیں کر سکتے ۔۔" پروین کافی دیر کے بعد بولی۔ اسلم کے سیدھے پن پر حرف جو آ رہا تھا۔

"میری تو عقل چکرا گئی ہے منجو ۔ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ تو کھل کر بات کرنا نہیں چاہتی، خیر کوئی بات نہیں۔" کوثر نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ راز خود ہی جان جاؤں گی۔ مگر اتنا کہے دیتی ہوں کہ آج یہاں سے واپس نہیں جائے گی۔"

"کیا سامان کھول دوں۔" پروین نے کوثر کے جانے کے بعد پوچھا۔ "کوثر تو منع کر گئی ہے۔"

"نہیں۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے جائیں گے۔" منجو نے کہا۔ "کوثر کو بتانا نہیں، اب ہم باگیشور چلیں گے، تاکہ کوئی ہمیں تلاش نہ کر سکے۔"

"لیکن۔" پروین جھجکی۔ اسلم کو چھوڑ کر وہ کیسے چلی جاتی۔

"میں سمجھ گئی۔ تم اسلم کے بغیر نہیں جا سکتیں۔ خیر۔ تم چاہو تو الموڑہ ہی میں رہ سکتی ہو، لیکن میں فی الحال کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی۔"

اور پھر اس واقعے کے ایک گھنٹہ بعد کوثر کی ملازمہ بیلا، منجو اور پروین کو بلانے کے لیے لال بنگلے میں پہنچی تو کمرے خالی پڑے تھے اور وہ دونوں وہاں سے جا چکی تھیں!
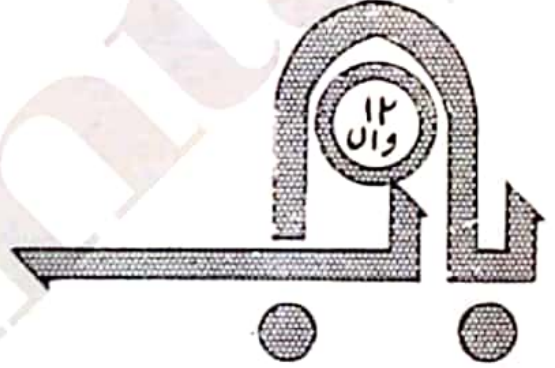
رات کی بے پناہ سردی میں وہ طویل اور صبر آزما راستہ، عامر نے بڑی مشکل سے طے کیا۔ اس وقت وہ بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ لیکن اتنی رقم ضرور موجود تھی کہ وہ دلّی تک کا سفر کر سکتا تھا۔ وہ اتنا دل برداشتہ تھا کہ اُس نے الموڑہ میں مزید رکنے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ بس فوراً موٹر اڈے پہنچا اور پہلی بس سے دلّی کے لیے روانہ ہو گیا ـــ راستے بھر وہ عجیب عجیب باتیں سوچتا ہوا آیا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر یہ الزام کیوں قبول کیا۔ ایسے وقت جبکہ اُس کے گلشنِ محبت میں بہار آ رہی تھی، عین وقت پر اُس نے خود ہی بجلی کیوں گرا دی۔؟

وجہ اُس کا دِل جانتا تھا۔ صرف دوستی کی خاطر اُس نے ایسا کیا تھا ـــ وہ اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی لیے وہ شوکت اور اسلم سے بھی مِل کر نہیں آیا تھا۔ شوکت کی آنکھوں میں خود غصّے کی جھلک تھی لہٰذا وہ اس سے کیا بات کرتا۔ اسلم بے شک پہلے وہاں موجود رہا ہو ـــ لیکن بعد میں وہ بھی غائب ہو گیا تھا۔

اپنی بے عزّتی اور رسوائی کی داستان وہ خود کس طرح لوگوں کو سُنا سکتا تھا۔ یہی سوچ کر وہ الموڑے سے دلّی کے لیے روانہ ہوا تھا۔ عین اسی وقت کوثر کمرے میں اداس اور پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے دل کا خون ہو چکا تھا۔ خود اپنے ہی ہاتھ سے اُس نے یہ خنجر اپنے سینے میں اُتارا تھا اور اب خود ہی درد کی وجہ سے کراہ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ کس سے اپنا دکھ بیان کرے۔ اُس کی رفیق سہیلیاں بھی جا چکی تھیں۔ کوثر چاہتی تو اُن سہیلیوں کو منا کر لا سکتی تھی۔

مگر اپنی عزت اور وقار کو ٹھیس پہنچانا اُسے ذرا بھی پسند نہ تھا۔
اسلم بھی رات کے بعد واپس نہیں آیا تھا۔ اُس کا اور عامر کا سامان بھی ابھی تک کمرے ہی میں موجود تھا۔ اس لحاظ سے اسلم کو سامان حاصل کرنے کے لیے وہاں آنا ضروری تھا۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ آخر ان معاملات کی تہہ میں کونسا راز پوشیدہ ہے! کہیں ایسا تو نہیں اسلم خود ہی ملزم ہو اور عامر نے دوست کو بچانے کی خاطر یہ الزام اپنے سر لے لیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوثر نے فیصلہ کرنے میں جلد بازی کی تھی۔
اسلم کے واپس نہ آنے سے اس شبہ کو تقویت پہنچی تھی۔ خود کوثر کا دل بھی یہ بات قبول نہ کرتا تھا کہ عامر ہی خطاوار ہے۔ اس کی بھولی صورت اور جرم کے اقرار کا اعلانیہ اظہار کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ بے قصور تھا!
ملزم تو پہلے اپنے بچاؤ کے لیے بولتا ہے مگر اس نے تو ذرا سی بھی صفائی پیش نہیں کی۔ کیا درحقیقت کوثر سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے! جذبات میں آکر اُس نے عامر کو بہت زیادہ بُرا بھلا کہہ دیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اُسے کوٹھی سے بھی نکل جانے کے لیے کہہ دیا تھا۔ عدالت بھی مجرم کو صفائی کا حق اور وقت دیتی ہے، مگر کوثر نے تو اتنا بھی نہیں کیا اور فوراً فیصلہ صادر کر دیا ـــــــ اُف یہ اُس نے یہ کیا کیا؟
اب اسے رہ رہ کر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ سانپ گزر چکا تھا لہٰذا لکیر پیٹنے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ رو دھو کر وہ خاموش ہو گئی اور پھر اس نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا ـــــــ کیونکہ اس کی دانست میں وقت ہی سب سے بڑا علاج تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ وقت اِن ناخوش گوار واقعات پر یقیناً پردہ ڈال دے گا!
شوکت کی حالت دیکھ کر بھی وہ کڑھتی تھی کیونکہ وہ اپنے دوست عامر پر دل و جان سے فدا تھا۔ وہ اسے بے حد پسند کرتا تھا۔ اس کی دانست میں اگر واقعی عامر خطاوار تھا تو شوکت اس بات سے بہت دکھی تھا۔ اُس کے خیال میں عامر کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ دوست کی بے عزّتی کو وہ اپنی بے عزّتی سمجھتا تھا۔ لہٰذا اسے بھی چپ لگ گئی تھی۔ کوثر نے کئی بار دیکھا تھا کہ تنہائی میں بیٹھ کر غالباً وہ سوچا کرتا تھا کہ عامر کو کس طرح اس الزام سے بری الذمہ قرار دے، اور جو بے عزّتی و تحقیر اس کی کی گئی ہے اس کا نعم البدل کیا ہو؟
رات بڑی تکلیف اور کرب کے ساتھ بسر ہوئی تھی۔ اور یہ رات کتنی طویل ہو گئی تھی! ـــــــ یہ تو کوثر کا دل ہی جانتا تھا۔ اس کے دِل کا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔

پلک جھپکائے بغیر وہ خلا ر میں لگا تار گھورتی رہی تھی۔ آنکھوں سے نیند اُڑ گئی تھی اور تھکن اچانک اتنی بڑھ گئی تھی کہ اُسے محسوس ہوتا تھا گویا کسی زلزلہ زدہ پہاڑ کے نیچے سے نکلی ہو اور گرتی ہوئی چٹانوں نے اُسے پیس کر رکھ دیا ہو!

بیلا نے جب صبح کو آ کر اسے اٹھانا چاہا تو یہ دیکھ کر اُلٹے قدموں باہر چلی گئی کہ کوثر کی خوابیدہ آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہیں اور تکیہ ان آنسوؤں سے تر ہے!

بالکل اسی وقت اسلم ایک پتلی سی پگڈنڈی پر چل رہا تھا۔ اُس کی گردن لٹکی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں عجیب سی وحشت اور اداسی تھی، چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ رہی تھیں۔ پگڈنڈی کے پاس ہی ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی اور اس ندی میں پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں سے ٹکرا کر پانی پر شور آواز پیدا کر رہا تھا۔

پگڈنڈی کے بالکل قریب پہاڑ کا ٹوٹا ہوا ایک بڑا سا ٹکڑا ایک اونچی چٹان کی صورت میں رکھا ہوا تھا۔ اسلم اس چٹان کے سائے میں بائیں طرف جا کر بیٹھ گیا۔ اس مقام سے ندی تقریباً بیس فٹ گہرائی میں بہہ رہی تھی۔ وہ چٹان سے ٹیک لگا کر پردین کے بارے میں سوچنے لگا جس سے وہ گذشتہ رات تنہائی میں دیر تک باتیں کرتا رہا تھا۔

رات کے واقعات نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پردین نہ جانے اس کی حرکت سے کیا سوچتی رہی ہوگی۔ وہ اُسے کتنا برا سمجھے گی۔ اس کے دل میں جو عزت اور وقار تھا۔ اب یقیناً ختم ہو چکا ہوگا، اس نے جو کچھ بھی کیا، وہ اسے نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اب وہ کس منہ سے شوکت لاج جا سکتا ہے؟ کیا ان لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت برقرار رہی ہوگی؟ ___ عامر اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟ ___ اُف یہ اس سے کیسی حرکت سرزد ہوگئی ___!

ایک عالم بےخودی میں وہ ندی میں اچھلتے ہوئے پانی کو لگاتار دیکھے جا رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا گویا پانی کی اونچی اٹھتی ہوئی لہر اس کی طرف اشارہ کر رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ یہی وہ شخص ہے جس نے دوسروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے اور جس نے دوستوں کے احسان کا بدلہ اپنی حرکتِ بیجا سے دیا ہے۔

اسلم اپنے خیالات میں اس قدر منہمک تھا کہ اس نے وہ آہٹ بھی نہیں سُنی جو چٹان کے دائیں طرف سے پیدا ہوئی تھی۔ نہ ہی اس بے حد حسین پہاڑی

دوشیزہ کو دیکھا تھا جس کے نازک پیروں نے وہ آہٹ پیدا کی تھی، اُس نے تو اُس وقت اس دوشیزہ کو سر اونچا کر کے دیکھا جب کہ ایک نہایت ہی شیریں آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"مجھے شما کرنا بھگوان۔ آتم ہتیا پاپ ہے۔ مگر یہ پاپ اُس پاپ کا پرائشچت بھی تو ہے۔ جو مجھ سے ان جانے میں ہو چکا ہے۔ میرے بوڑھے بابا۔ دیکھو تم بھی مجھے شما کر دینا۔ میں نے آج تک تم سے بہت کچھ چھپایا ہے۔ مگر اب میں اپنی غلطی اس طرح دور کر رہی ہوں کہ اس دنیا اور دنیا کے پاپی لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔"

لڑکی نے اتنا کہہ کر رونا شروع کر دیا۔ چند لمحے رونے کے بعد جیسے اس کا عزم پھر جاگ اُٹھا۔ اُس نے بھرپور نظر آسمان پر اور پھر ندی پر ڈالی۔ آنکھیں بند کیں اور پھر ندی میں کودنا چاہتی تھی کہ اسلم نے اس کے پیر پکڑ لیے۔ لڑکی نے ایک دحشت ناک چیخ مار کر آنکھیں کھول دیں اور پھر اس نے اسلم کو دیکھا جو مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"کون ہیں آپ؟ اس نے خوف زدہ آواز میں دریافت کیا ـــــ "بتایئے کون ہیں؟"

"آدمی ـــ" اسلم نے مسکرا کر جواب دیا۔

مگر ـــ مگر آپ نے میرے پیر کیوں پکڑ لیے ہیں؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ـــ "چھوڑ دیجیے ـــــ چھوڑ دیجیے۔ بھگوان کے لیے چھوڑ دیجیے۔"

"پیر میں نے اس لیے پکڑ رکھے ہیں کہ اگر میں انھیں نہیں پکڑتا تو آپ ندی میں مچھلی بن کر تیر رہی ہوتیں۔ کیسے میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔!"

"بھائی اسلم!" لڑکی زیرِ لب بڑبڑائی۔

"جی ہاں ـــ میں ـــ میں اسلم ہوں۔" اسلم نے مسکراتے ہوئے کہا ـــ "اب آپ چٹان سے نیچے اُتر آیئے۔ اور جو ارادہ آپ نے دل میں ٹھان رکھا ہے۔ خدا کے لیے اس سے باز آجایئے۔"

"نہیں نہیں ـــ" لڑکی نے اپنے پیر چھڑانے کی ایک زوردار جد و جہد کی۔ "مجھے مر جانے دو، مجھے مر جانے دو ـــ میں اس دھرتی پر بوجھ ہوں۔"

"دھرتی پر تو تمھارا بوجھ ایک چیونٹی کے برابر بھی نہیں ہے۔" اسلم نے ہنس کر آہستہ سے کہا — "دھرتی بہت بڑی ہے اور تم ایک ننھی سی لڑکی — کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

لڑکی نے ایک نظر اُسے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں پھر چھلک پڑیں اور جز بز ہو کر وہ اسی چٹان پر دھب سے بیٹھ گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ لیا اور پھر بُری طرح رونے لگی۔ اسلم نے اب اس کے پیر چھوڑ کر ہاتھ پکڑ لیے تھے۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ پاگل لڑکی پھر ندی میں کودنے کی کوشش نہ کرے۔

"اچھی لڑکی کی طرح تم اس چٹان سے اُترو اور پھر مجھ سے بات کرو۔ آتم ہتیا کہیں بھاگی تھوڑی ہی جاتی ہے۔ پھر کر لینا — کیا خیال ہے؟"

اسلم کے اتنا کہتے ہی لڑکی نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر اُسے حیرت سے دیکھا اور پھر آہستہ سے نیچے اتر آئی۔ اسلم نے اس کا ہاتھ چھوڑا نہیں تھا۔

"مجھ ابھاگن کو آپنے کیوں بچایا۔ سچ کہتی ہوں میں جینا نہیں چاہتی۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے — مجھے مر جانے دیجیے۔"

"جینا مرنا اپنے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔" اسلم نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔ اُس نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ مبادا لڑکی اُسے باتوں میں لگا کر دوبارہ ندی میں چھلانگ لگا دے۔ "ہم لوگ جو اس دنیا میں آتے ہیں تو اپنی زندگی پوری کر کے ہی واپس جاتے ہیں۔ وقت سے پہلے کبھی کوئی نہیں مرتا۔"

"لیکن میں تو مر کے دکھا دیتی —" لڑکی نے جیسے خود سے کہا۔

"کیسے دکھا دیتیں؟ — میں جو موجود تھا یہاں — میں تمھیں کیسے مرنے دیتا؟ — یوں سمجھ لو کہ شاید تمھیں بچانے کے لیے ہی میں اس طرف آیا تھا اور کسی طاقت نے مجھے ایسا کرنے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اور وہ طاقت ہے ایشور، یعنی خدا — کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو —"

"بھائی اسلم —" لڑکی نے پھر دہرایا — "میں پاپن اس لائق کہاں ہوں کہ آپ کو بھائی کہہ سکوں — یہ تو بہت پوتر رشتہ ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ رشتہ بے شک بڑا پاکیزہ ہے لیکن میں تمھیں پاپن

کیسے سمجھ لوں جب تک کہ تم مجھے پوری بات نہیں بتا دیتیں۔ ویسے اتنا ضرور ہے کہ میں تمھیں اپنی بہن ضرور سمجھنے لگا ہوں ـــ تمھیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔؟

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ ــ ؟" لڑکی کی آواز بھرائی۔" میرے ایسے بھاگ کہاں کہ کوئی مجھے اپنی بہن بنائے۔"

"ارے بھائی میں بنا جو رہا ہوں۔" اسلم نے ہنس کر کہا۔" میری اپنی بھی کوئی بہن نہیں ہے۔ بس اب رونا دھونا چھوڑو اور مجھے اپنا بھائی سمجھ کر سب کچھ بتا دو کہ تم کیوں مرنے چلی تھیں ؟"

"میں نہیں بتا سکتی ــ ہرگز نہیں بتا سکتی ــ" لڑکی پھر رونے لگی۔ وہ مونہہ ہی مونہہ میں بڑبڑاتی بھی جا رہی تھی۔

"مت بتاؤ، بے شک مت بتاؤ۔" اسلم نے کہا" لیکن اب یہاں سے واپس تو چلو۔ ندی کی طرف میں رہوں گا اور پہاڑوں کی طرف تم ــ ہاں بھئی تمھارا کوئی اعتبار نہیں ــ کب جوش آ جائے اور دھڑام سے کود پڑو ندی میں ــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ــ اگر غلط ......"

بات ادھوری ہی رہی۔ کیونکہ لڑکی کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور وہ گردن موڑ کر اسے تعجب سے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"نہیں اب ایسا نہیں ہوگا ــ آیئے میں آپ کو اپنے گھر لے چلوں ــ زیادہ دور نہیں ہے، یہاں سے بہت قریب ہے۔"

"ضرور ضرور ــ مگر گھر میں کون کون لوگ ہیں ؟"

"صرف پتا جی ــ"

"بس ــ !"

"جی ہاں ــ میرا اُن کے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے ــ" لڑکی نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اپنے بوڑھے پتا کو اس دنیا میں دھکے کھانے کے لیے چھوڑ کر تم پرلوک سدھار رہی تھیں ؟ واہ واہ کیا عقلمندی کا کام کرنے والی تھیں تم۔"

لڑکی یہ سُن کر پھر غمزدہ ہو گئی ــ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹا۔ اور چند قدم چلنے کے بعد رُک کر غمگین نظروں سے اسلم کو دیکھنے لگی۔

"آپ میری کہانی جانتے تو کبھی ایسا نہ کہتے ــ"

"تو سُنا دو اپنی کہانی ۔ دیکھو میں نے تمھیں اپنی بہن بنایا ہے ۔ لہذا مجھے اپنا دکھ درد بانٹ دو۔ شرمانے کی ضرورت نہیں ۔ بے خوف ہو کر اپنی کہانی سناؤ"
اسلم نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں ___ میں سناؤں گی ___ بڑی بے شرمی سے سناؤں گی اپنی کہانی ۔ میں نے آپ سے کہا تھا ناکہ میں اس دھرتی پر بوجھ ہوں ___ ؟"

"کہا تو تھا ___"

"میں اس لیے دھرتی پر بوجھ ہوں کہ میری کوکھ میں بھی ایک بوجھ پَل رہا ہے ۔ اور چند مہینے پہلے ہی یہ بوجھ مجھے سونپا گیا تھا ۔"
لڑکی نے رُک رُک کر مگر بڑے طنزیہ لہجے میں اپنی حالت بیان کر دی۔

"تو پھر کیا ہوا ___ ؟" اسلم جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

"میرے نزدیک یہ پاپ نہیں ہے مگر گاؤں والے مجھے پاپن سمجھنے لگے ہیں ___ میری سہیلیاں مجھے طعنے دینے لگی ہیں اور آج صبح میرے بابا کو بھی معلوم ہو گیا ہے ۔"

"تمھارے نزدیک یہ پاپ کیوں نہیں ہے ؟" اسلم نے پوچھا۔

اس لیے کہ بھگوان کو ساکشی مان کر ہم دونوں نے دواہ کیا تھا ۔ ایک دوسرے کے گلے میں جے مالا ڈالی تھی اور پھر ہم پتی پتنی ہو گئے تھے ___"

"دوسرا کون ___ ؟"

"میں ___ میں اس کا نام نہیں بتا سکتی ___" ، لڑکی نے اپنے جذبات چھپانے کی خاطر موُنہہ پھیر لیا۔

"کیوں ___ ؟"

"اس لیے کہ اس نے مجھے ٹھکرا دیا ہے ۔ مگر میں اسے اپنا دیوتا مانتی ہوں۔ میں خود ذلیل ہو سکتی ہوں مگر اُسے گاؤں میں ذلیل نہیں کرا سکتی ۔ میں نے آتم ہتیا اسی لیے کرنا چاہی تھی کہ میں اُسے بچانا چاہتی تھی ۔"

لڑکی کی پلکیں بھیگ گئیں اور اس نے انگلیوں سے ڈھلکنے والے آنسو پونچھ ڈالے۔

"بڑی عجیب لڑکی ہو ___ ایسے آدمی کو تو ضرور دوسروں کے سامنے ذلیل کرنا چاہیے ۔ کیا تم مجھے اس کا نام نہیں بتاؤ گی ۔"

اسلم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا اُسے تسلّی دی۔

"نہیں ـــــ میں نے اس کے سامنے بھگوان کی سوگند کھائی تھی۔ میں خود مرجانا پسند کروں گی مگر اس پر آنچ نہ آنے دوں گی ـــ"

لڑکی نے جیسے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"لڑکیاں اسی لیے تو زندگی میں چوٹ کھا جاتی ہیں۔ اتنا اندھا وشواس بھی کس کام کا ـــ ایسے لوگوں کا تو موہنہ نوچ لینا چاہیے اور تم انھیں بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے لوگ جو لڑکیوں کو ورغلانے میں ماہر ہوتے ہیں، کبھی اپنا صحیح نام لڑکیوں کو نہیں بتاتے۔ تم اگر مجھے اس کا نام بتا بھی دو گی تو ممکن ہے کہ وہ غلط نام ہو۔ اس لیے میں فی الحال کچھ پوچھنا نہیں چاہتا۔ بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اب آتم ہتیا نہ کرو گی۔ بولو ـــ وعدہ کرتی ہو نا اپنے بھیا سے؟"

لڑکی نے اسلم کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "میں وعدہ کرتی ہوں بھیا ـــ"

"وہ مارا ـــ" اسلم خوشی سے اُچھل پڑا ـــ "تم نے بھیا کہہ کے جیسے میرا سینہ چوڑا کر دیا۔ اب ذرا لگے ہاتھوں اپنا نام تو بتا دو۔ اتنی دیر ہوگئی تم سے باتیں کرتے ہوئے مگر تمھارا نام ہی معلوم نہ کر سکا"

"گوداوری ـــ" لڑکی نے شرما کر کہا۔

"گوداوری ـــ واہ، بہت اچھا نام ہے۔ کماؤں کے علاقے میں اس نام کی ایک ندی بھی تو بہتی ہے ـــ کمال ہے بھئی۔ ایک ندی دوسری ندی میں سما جانا چاہتی تھی ـــــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر میں غلط ......"

اسلم کی بات حسب معمول پھر ادھوری رہ گئی کیوں کہ لڑکی نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ لو ـــ ہمارا گاؤں آ گیا ـــ"

کچی سی منڈیر پھلانگنے کے بعد وہ دونوں لال مرچ کے کھیت میں داخل ہوئے۔ سہمی ہوئی اور پریشان گوداوری کے ساتھ چلتے ہوئے اسلم کئی باتیں سوچ رہا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ لڑکی کسی بھی طرح پہاڑی نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ اس کا ناک نقشہ ایسا تھا کہ اسلم کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا گویا اس نے اس سے پہلے بھی اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے —— لیکن کب اور کہاں؟ یہ اسے یاد نہ آتا تھا ——!

دوسری اہم بات جو وہ سوچ رہا تھا یہ تھی کہ دوسروں کو نصیحتیں کرنا کسی قدر آسان کام معلوم ہوتا ہے لیکن جب انسان کو خود ان نصیحتوں کی ضرورت ہو تو کتنی آسانی سے وہ ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔!

اس کی اپنی ہی مثال سامنے تھی۔ آخر وہ شوکت لاج سے کیوں بھاگا۔ کیوں مفرور ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے کیا وہ اسے زیب دیتا ہے۔ وہ خود بھی خطاوار ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ گوداوری کو نصیحت کر رہا ہے۔ دنیا میں ایسا ہی ہوا ہے اور ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

"بابا سے اب کیا کہوں گی بھیا؟"

گوداوری کے اس سوال نے اُس کے خیالات کو درہم برہم کر دیا۔ اس نے چونک کر پوچھا ——

"ہاں —— کیا پوچھا تم نے؟"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ بابا کو جب سب باتیں معلوم ہیں تو وہ اب مجھے کس طرح گھر میں رہنے دیں گے؟"

"یہ تم سب مجھ پر چھوڑ دو ـــــ میں اُن سے خود بات کر لوں گا۔"

گوداوری کا بوڑھا باپ ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا جس جھونپڑی میں وہ بیٹھا ہوا تھا وہ صحیح طور پر جھونپڑی کہلانے کی بھی مستحق نہ تھی۔ مٹی کی دیواریں تھیں جو زمین سے چند ہاتھ اونچی تھیں۔ان دیواروں پر ٹین کے چوکور ٹکڑوں کو جوڑ جوڑ کر ایک چھت بنائی گئی تھی۔ احتیاطی طور پر چھت پر بڑے بڑے پتھر رکھ دیے گئے تھے تاکہ طوفان میں چھت نہ اڑ جائے۔ اندر کا حصہ کافی صاف ستھرا تھا اور دیواروں پر نقش و نگار بھی بنے ہوئے تھے۔ اسلم پہلی نظر ہی میں سمجھ گیا کہ یہ مصوری یقیناً گوداوری نے کی ہوگی

گوداوری دوڑ کر بوڑھے کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی اور کہنے لگی کہ بوڑھا اُسے معاف کر دے۔ وہ بے قصور ہے۔

"تجھے میرے پاس آتے لاج نہیں آئی گوداوری۔ کس مونہہ سے آئی ہے یہاں؟" بوڑھے نے اپنی ٹانگیں پیچھے کرنے کی ایک ناکام کوشش کی۔ لیکن گوداوری نے ٹانگوں پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

"اسے میں لے کر آیا ہوں بابا ـــــ" اسلم نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"اوہ ـــــ! تو تم ہی ہو وہ ذلیل آدمی جس نے میری بچی کو برباد کیا ہے۔" بوڑھے نے اچانک غصے سے کہا۔ ایک جھٹکے سے اس نے ٹانگیں گوداوری کی گرفت سے چھڑائیں۔ اور کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

"جی نہیں۔ وہ میں نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس شخص کو جانتا ہوں۔" اسلم نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ اُس نے بوڑھے کی بات کا ذرا بھی بُرا نہ مانا تھا۔

"ہاں بابا یہ وہ نہیں ہیں ـــــ یہ تو مجھے ندی کے پاس ملے تھے ـــــ" گوداوری نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ ندی کنارے بیٹھے ہوئے تھے بابا!"

"تو ندی کی طرف کیوں گئی تھی؟" بوڑھے نے اچانک اُس سے سوال کیا۔ "کیا کرنے گئی تھی وہاں ـــــ بول؟"

گوداوری خاموش رہی ـــــ بوڑھے نے پھر تیز لہجے میں دریافت کیا۔

"میں پوچھ رہا ہوں تو ندی تک کیوں گئی تھی؟"

"میں بتاتا ہوں بابا ـــــ" اسلم نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا ـــــ گوداوری دراصل تمھاری سختی اور ظلم سے تنگ آ کر ندی میں چھلانگ لگانے گئی تھی ـــــ خودکشی کرنا چاہتی تھی یہ ـــــ"

"خودکشی ___!" بوڑھا اچانک لرز گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے گوداوری کو دیکھنے لگا۔ جو نظریں نیچی کئے ہوئے رو رہی تھی۔

"جی ہاں ___" اسلم نے اتنا کہہ کر پوری باتیں آہستہ آہستہ بوڑھے کو سنا دیں۔ وہ بھونچکا ہو کر سنتا رہا اور پھر میری بچّی کہہ کر اُس نے گوداوری کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور بُری طرح رونے لگا۔

"تمھارا بہت بہت شکریہ بابو ___ تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اگر میری بچی کو کچھ ہو جاتا تو سچ کہتا ہوں میں بھی اسی ندی میں چھلانگ لگا دیتا۔"

"خدا نے بڑا کرم کیا بابا ___ مجھے بار بار شرمندہ نہ کرو ___ یہ تو میرا فرض تھا۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔"

"اسلم ___ تمھارا نام اسلم ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"جی ہاں اور جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں، گوداوری مجھے بھائی بنا چکی ہے۔ میری بھی کوئی بہن نہیں تھی۔"

"یہ اُس نے بہت اچھا کیا۔ آج کی دنیا میں تم جیسے شریف اور اچھے لوگ ملتے ہی کہاں ہیں۔ کاش اس کا پتی بھی اتنا ہی شریف ہوتا!"

"ہو سکتا ہے وہ شریف ہی ہو اور کسی مجبوری کی وجہ سے وہ اسے اپنے پاس نہ رکھنا چاہتا ہو۔" اسلم نے رائے ظاہر کی

"مجبوری ___ کیسی مجبوری، ایک پتی اپنی پتنی کو اپنے پاس کیوں نہیں رکھ سکتا۔" بوڑھے نے جھلا کر کہا۔ "تم نوجوان ہو بیٹے اور میں نے دنیا دیکھی ہے ___ مجھے معلوم ہے لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اگر یہ بے وقوف لڑکی مجھے اس کا نام بتا دے تو میں ابھی جا کر اس سے خود ہی اس سوال کا جواب معلوم کر لوں۔"

"میرے خیال میں تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ اور چڑ جائے گا۔ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ میں کبھی نہ کبھی گوداوری سے معلوم کر ہی لوں گا کہ وہ کون ہے۔ اتنا تو ضرور ہے کہ وہ آدمی رہتا الموڑے ہی میں ہے۔ کیوں گوداوری ٹھیک ہے نا؟"

گوداوری بچاری اس ذکر سے شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس نے نیچی نظریں کئے کئے گردن کے اشارے سے ہاں کر دی۔

"بس تو آپ بے فکر رہیے ___ میں ایک نہ ایک دن اس آدمی کو ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔

آجکل

اور پھر اس سے حساب کتاب کر لوں گا۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ ......"

"نہیں تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" بوڑھے نے کچھ سوچتے ہوئے جلدی سے کہا۔ شاید وہ بھی اسلم کے تکیہ کلام سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔

"شکریہ!" اسلم نے بوڑھے کے جواب سے خوش ہو کر کہا۔

"تم ٹھہرے ہوئے کہاں ہو بیٹا ___؟"

"میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ___ میں تو یہاں سیر کرنے آیا تھا۔ ایک آدھ دن میں چلا جاؤں گا۔" اسلم نے غمزدہ آواز میں کہا۔

"بس تو تم جب تک یہاں ہو میرے ساتھ رہو ___" بوڑھے نے کہا ___ "یہ جھونپڑی تو صرف میری گوداوری کی ہے مگر میں ادھر ___ اس کٹیا میں رہتا ہوں۔ تم وہاں میرے ساتھ ہی رہنا۔"

"جی نہیں شکریہ ___ مجھے واپس دلی جانا ہے۔ میرا دوست میرے لیے بہت پریشان ہو گا۔"

"کہاں ہے تمہارا دوست؟"

"یہیں ہے ___ مگر میں اسے بتائے بغیر آ گیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب میرے بغیر ہی دلی واپس چلا گیا ہو ___" اسلم نے جواب دیا۔

"بس تو پھر میں تمھیں مجبور نہیں کرتا ___ لیکن جانے سے پہلے وعدہ کرو کہ آتے رہو گے۔" بوڑھے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا تم آج ہی چلے جاؤ گے بھیا ___؟" گوداوری کو ایک سہارا ملا تھا۔ مگر اب وہ بھی جانے کو کہہ رہا تھا۔ اُس نے گھبرا کر دریافت کیا۔

"آج یا کل ___" اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔ "لیکن میں تمھارے کام کے لیے ایک ہفتے کے بعد پھر آؤں گا اور تب تمھارے پتی مہاراج سے ذرا دو دو ہاتھ کر لوں گا ___ میرا خیال ہے وہ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم ......"

"مگر ___ مگر پھر میرا کیا ہو گا؟" گوداوری نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"تم بے فکر رہو ___ ہو سکتا ہے کہ میرا دلی جانا ہی نہ ہو ___ میں اپنے دوست سے پوچھ لوں ___ اگر وہ جانا چاہتا ہے تو میں اسے جانے دوں گا اور پھر یہاں واپس آ جاؤں گا۔" اسلم نے کہنا شروع کیا۔

"مگر دیکھو اب کے میں یہاں آؤں تو تم مجھے اپنے پتی کا نام ضرور بتا دینا! اس طرح میں آسانی سے اس کے پاس جا سکوں گا۔"

"میں سوچوں گی ــــ" گوداوری نے شرما کر جواب دیا۔

بہتر تو یہ ہے کہ تم ابھی بتا دو ــــ آج کا کام کل پر کیوں چھوڑا جائے؟"

"نہیں ــــ میں ایک بار اُن سے اور مل لوں۔ دیکھوں تو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر انھوں نے مجھے اس بار بھی دھتکار دیا تو میں تمھیں ان کا نام بتا دوں گی ــــ پھر تم مجھے میرا حق دلانا بھیا ــــ"

"جیسی تمھاری مرضی ــــ"

اسلم اتنا کہہ کر بوڑھے بابا اور گوداوری سے جلد ہی دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے وہاں سے رخصت ہوا۔ راستے میں سوچتا ہوا آیا کہ آخر کیوں اس نے گوداوری کے معاملے میں ٹانگ پھنسائی۔ اب اس کے پتی سے بات چیت کرنی ہوگی۔ پتہ نہیں وہ کس قماش کا آدمی ہو ــــ اپنے معاملے میں وہ کسی دوسرے آدمی کی دخل اندازی پسند بھی کرے گا یا نہیں؟ ــــ اس کا دل اس سے کہہ رہا تھا کہ اسلم تم نے بے کار ہی بات کو طول دے دیا۔ ہزاروں لڑکیاں روزانہ اس قسم کی حرکتیں کرتی پھرتی ہیں، تم خواہ مخواہ کیوں یہ مصیبت مول لے بیٹھے؟

لیکن جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے۔ اسلم نے جو بھی کیا، شاید قدرت اس سے یہی کام لینا چاہتی تھی ــــ!

بڑے بازار کے ایک معمولی سے ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا وہ چائے پی رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ آخر شوکت لاج کس طرح واپس جائے۔ وہاں اس کا سامان بھی تھا اور عامر بھی غالباً وہاں موجود تھا۔ عامر کا تو خیر اسے ذرا بھی ڈر نہیں تھا۔ البتہ کوثر اور شوکت کی طرف سے فکر تھی کہ شاید وہ دونوں اس کے لیے اچھی رائے نہیں رکھتے ہوں گے۔ اُن سے وہ کس طرح نگاہیں ملائے گا؟

اسے رہ رہ کر گزشتہ رات کے واقعات یاد آ رہے تھے۔ جذبات میں انسان کس قدر اندھا ہو جاتا ہے! ــــ اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر غلط قدم اٹھا بیٹھتا ہے اور پھر بعد میں پچھتاتا ہے ــــ کفِ افسوس ملتا ہے۔ اور یہی پچھتاوا رہ رہ کر اُس کے دل میں پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں ایسا کوئی طریقہ نہیں آتا تھا جس سے کہ وہ شوکت لاج جائے اور عامر کے بارے میں معلوم کرے؟

درحقیقت وہ بڑے کشمکش و پنج میں پھنس گیا تھا۔ شام اب قریب تھی اور اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چلا تھا۔ کسی ہوٹل میں سامان کے بغیر رات بھی نہیں گزار سکتا۔ ہوٹل والے انہیں مسافروں کو کمرہ دیتے ہیں جن کے پاس تھوڑا بہت سامان ہوتا ہے۔ پھر اب وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ اگر وہ بوڑھے بابا کی بات مان لیتا تو کم از کم سر چھپانے کو جگہ تو مل جاتی ۔۔۔!

چائے سے اٹھتی ہوئی بھاپ ایک ملگجی لکیر کی صورت میں اوپر اٹھ رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی اس لکیر کے سہارے نظریں اونچی کیں۔ اچانک بازار میں سے گزرتی ہوئی بیلا اُسے دکھائی دے گئی۔ وہ جلدی سے میز سے اُٹھا اور تیزی کے ساتھ بیلا کی طرف بڑھ کر اُسے پکارا۔

"بیلا ۔۔۔ اے بیلا، کہاں جا رہی ہے؟"

بیلا نے پلٹ کر اُسے دیکھا اور حیرت کے آثار اس کے چہرے پر پیدا ہو گئے۔ اُس کی تو تلاش ہو رہی ہے اور وہ یہاں چھپا بیٹھا ہے۔

"ارے اسلم شاب، آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں جہنم میں گیا تھا ۔۔۔ مجھے گولی مار اور یہ بتا وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہاں ۔۔۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہو رہا۔" بیلا نے بھولے پن سے جواب دیا۔ "سب اپنے اپنے کام میں مگن ہیں۔"

"اری میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کل رات کو کیا ہنگامہ رہا؟" اسلم نے اُسے پکڑ کر ایک طرف کھڑا کرتے ہوئے پوچھا ۔۔۔ "وہ سب مجھ پر ناراض ہوئے ہوں گے؟"

"ہاں ناراض تو ہوئے تھے۔ بار بار پوچھ رہے تھے کہ آپ کہاں چلے گئے ہیں۔ آپ کو ایک ایک جگہ ڈھونڈا یا شاب۔"

"مر گئے ۔۔۔" اسلم نے جیسے خود سے کہا۔ "اچھا، کیا پروین رو رہی تھیں۔ یقیناً رو رہی ہوں گی؟"

"ہاں وہ بھی رو رہی تھیں اور منجو دیدی بھی آنسو بہا رہی تھیں۔"

"منجو کیوں رو رہی تھیں؟"

"مجھے زیادہ معلوم نہیں شاب، میں تو یہ جانتی ہوں کہ وہ دونوں ہی رو رہی تھیں اور بڑے شاب بھی بہت غصے میں تھے۔"

"بڑے صاحب یعنی شوکت ۔۔۔؟"

"جی ہاں ــــ اُن کا چہرہ بھی لال ہو رہا تھا اور عامر بابو کا بھی"

"آ گئی شامت ــــ اچھا یہ بتا کہ اب اگر میں وہاں چلا جاؤں تو کوئی مجھے کچھ کہے گا تو نہیں ؟" اسلم کے دل میں دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی۔

"یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں شاب ــــ کہنے کو تو شوکت بابو اور کوثر بی بی نے بہت کہا ہے۔ میں نے کل رات کو دیکھا تھا کہ بڑے شاب اور کوثر بی بی غصّے میں بھرے ہوئے لال بنگلے کی طرف جا رہے تھے۔ میں زیادہ آگے نہیں گئی تھی۔ لیکن میں نے دور سے سنا تھا کہ وہ غصّے میں عامر بابو کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے"

"مجھے یقین ہے بیلا، ایسا ہی ہوا ہو گا۔ وہ بے چارہ میری ہی وجہ سے مارا گیا" اسلم نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا" اچھا پھر ؟"

"کوثر بی بی بھی بہت ڈانٹ رہی تھیں عامر بابو کو"

"کیوں ــــ ؟" اسلم کو بہت زیادہ حیرت ہوئی۔

"بے ایشی ہی بات ــــ منع کر دیا ہے کہ کسی شے نہ کہوں" بیلا اٹھلائی۔" دیکھ لو بابو میں تو کہہ ہی نہیں رہی"!

" مجھ سے بھی نہیں کہے گی ــ !"

"ہاں ــــ تم شے بھی نہیں ــ" بیلا نے مسکرا کر کہا۔" تم خود ہی جان جاؤ گے شاب، مجھے کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کوثر، عامر کو بُرا بھلا کیوں کہہ رہی تھیں ــ" اسلم سوچنے لگا۔

"میں نے کہا نا کہ آپ خود ہی جان جائیں گے۔ ویشے مجھے خود بھی حیرت ہے شاب، کوثر بی بی نے عامر بابو کو گھر سے نکال دیا ہے۔ کھڑے کھڑے نکال دیا ہے"

" گھر سے نکال دیا ہے !۔ عامر کو ؟"

" ہاں ــــ اور وہ واپش دلّی چلے گئے ہیں ــ"

" سمجھ گیا ــــ اب سب کچھ سمجھ گیا ــ" اسلم جیسے خود سے بولا" اس نالائق نے تمام الزام اپنے سر لے لیا ہو گا ــــ میں جانتا ہوں اس کے دل کو ــ بڑا دھرماتما بنا پھرتا ہے نا"

" کیا کہہ رہے ہو شاب ــــ ؟" بیلا نے اپنا سر جھٹکا کر پوچھا ــــ" عامر شاب

کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں کہہ رہا ـــــ بس تم سے یہی معلوم کرنا تھا۔ ہمارا سامان احتیاط سے رکھنا۔ میں بھی آج ہی دلّی واپس جارہا ہوں۔"

"اب تو کوئی بس دلّی نہیں جائے گی ـــ" بیلا نے کہا۔ وہ میٹھی میٹھی نظروں سے اسلم کو دیکھ رہی تھی۔

"میں ٹیکسی کرلوں گا یا پھر صبح ہی چلا جاؤں گا ـــ لیکن اگر تمھاری ملاقات کوثر سے ہو تو اُن سے کہہ دینا کہ عامر کا دل دکھا کر وہ بھی چین سے نہ رہیں گی ـــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"ان کو تو سب سے زیادہ دکھ ہے ـــ" بیلا نے اسلم کی بات کاٹ دی۔ "سچ ـــ بڑے شاب سے بھی زیادہ ـــ"

"کیوں ـــ؟"

"مجھے کیا معلوم شاب ـــ وہ تو صبح سے اپنے کمرے میں بند ہیں۔ میں دوپہر کا کھانا لے کر گئی تو مجھے ڈانٹ دیا ـــ وہ بُری طرح رو رہی تھیں شاب۔ ایسے روتے ہوئے میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا"

"رو رہی تھیں ـــــ مگر کیوں؟"

"میں بھی جانتی ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں۔ جان بوجھ کر بھولے بن رہے ہیں۔ وہ عامر بابو سے بڑا پریم کرتی ہیں نا" بیلا مسکرائی۔

"ہاں پریم تو کرتی ہیں۔ مگر تیرے کہنے کے مطابق رات کو انھوں نے پریم ہی جتایا ہوگا۔ تو کہہ رہی ہے نا کہ عامر کو انھوں نے ڈانٹا اور گھر سے نکال دیا؟"

"جی ہاں ایسی ہی بات ہے"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر کیوں ٹسوے بہا رہی ہیں۔ خیر یہ عشق کا چکر ہے تو نہیں سمجھے گی ـــ بس اب کھسک ـــ اور دیکھ میرے سامان کا خیال رکھنا اور کسی سے بھی نہ کہنا کہ میری تیری کیا باتیں ہوئی ہیں ـــ سمجھ گئی؟"

"بالکل سمجھ گئی شاب" بیلا ہنسنے لگی اور پھر اسلم کو بار بار مڑ کر دیکھتی ہوئی بازار کی بھیڑ میں جا کر غائب ہوگئی۔

ادھر اسلم کے دل کا جیسے خون ہوگیا تھا۔ عامر کی شرافت اور اعلےٰ ظرفی کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عامر نے سب الزام اپنے

سر تھوپ لیا ہوگا اور اُسے صاف بچا گیا ہوگا۔ یہ سوچ کر جیسے اُس کے
دل پر آرے چلنے لگے۔ اور اُسی لمحے وہ سیدھا ٹیکسیوں کی طرف چلا تاکہ
ٹیکسی اُسے آدھی رات تک کاٹھ گودام تک پہنچا دے اور پھر وہاں سے
وہ آگے جا سکے۔

موٹر ورکشاپ ابھی تک نہیں کھلا تھا چنانچہ عامر کو وہاں تلاش کرنا تو بے سود تھا۔ لہٰذا اسلم سیدھا اس کے گھر پہنچا۔ عامر کی اماں ہمیشہ ہی اُس کا ایک دل آویز مسکراہٹ سے استقبال کرتی تھیں۔ اس وقت بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور پوچھا۔

"ایک دن کی دیری سے کیا فرق پڑ گیا بیٹا ___ عامر کل آیا اور تم آج۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ دونوں ساتھ کیوں نہ آئے؟"

"بات یہ ہے اماں جی کہ مجھے ایک کام پڑ گیا تھا۔ عامر کو جلدی تھی اس لیے وہ پہلے آ گیا"۔ اسلم نے بات بنائی۔

"ہاں ___ یہی بات اس نے بھی کہی تھی"۔ عامر کی اماں نے مسکرا کر کہا ___ "ویسے کہو، تمھیں پہاڑ اچھے لگے ___؟"

"بہت اچھے اماں جی ___ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے پریوں کے دیس میں آگیا ہوں۔ سکون ہی سکون ___ ہر طرف خاموشی ___ حد تو یہ ہے کہ آدمی اپنی سانس تک کی آواز سُن سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں الموڑہ پہاڑ مجھے رانی کھیت سے بھی زیادہ اچھا لگا ___ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ___"

اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ لہٰذا اس نے جھینپ مٹانے کی غرض سے فوراً کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ بیٹا اسلم تم غلط کہہ رہے ہو ___"

لیکن ایسا لگتا تھا گویا عامر کی ماں نے اس کی بات کو سنا ہی نہ تھا وہ اسلم کی اس بے معنی بکواس کی عادی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے توجہ ہی نہ دی تھی اور پھر وہ اچانک خاموش ہوگئیں، ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بولیں۔

"تو تم المورڑہ گئے تھے ___ ؟"

"جی ہاں ___ رانی کھیت میں تو آج کل بھیڑ بھاڑ بہت ہوگئی ہے۔ وہاں سے عامر نے آپ کو خط بھی ڈالا تھا ___"

"مجھے مل گیا تھا خط ___ لیکن میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ وہاں تم نے کیا کیا چیز دیکھی؟" اماں نے عجیب بات دریافت کی۔

"کچھ بھی نہیں اماں جی ___ بس کوٹھی ہی میں پڑے رہے۔"

"کوٹھی میں ___ لیکن خط میں تو لکھا تھا کہ تم ہوٹل میں ہو؟" اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ اسلم کے جواب سے سوچ میں پڑ گئی تھیں

"پہلے تو ہم وہیں تھے۔ لیکن بعد میں عامر کے ایک دوست کے ساتھ اس کی کوٹھی میں چلے گئے تھے۔ اماں جی کیا بتاؤں کہ کتنی عمدہ جگہ وہ کوٹھی ہے۔ کافی اونچی جگہ پر بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے برفانی چوٹیاں صاف نظر آتی ہیں۔"

عامر کی اماں نے یہ سُن کر سر جھکا لیا اور کافی دیر تک زمین کو تکتی رہیں۔ جب انھوں نے سر اُٹھایا تو اُن کی آنکھوں میں چھپی ہوئی بے چینی اور اضطراب صاف نظر آتا تھا۔ بڑی دیر تک وہ ایک ہی سمت میں گھورتی رہیں اور پھر اسلم سے بولیں۔

"مجھے اس کوٹھی کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ ___"

"میں کیا بتاؤں ___ بس یوں سمجھیے بالکل محل ہے وہ۔ بڑے بازار ___ سے دائیں طرف جو راستہ پہاڑی پر جاتا ہے وہ اسی کوٹھی میں جاتا ہے۔ بڑی عالیشان کوٹھی ہے۔ لمبا چوڑا گھاس کا میدان ہے جس میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ اس میدان سے برفانی سلسلۂ کوہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ نندا دیوی اور ترشول پہاڑوں کی چوٹیاں آپ نے تو کبھی دیکھی ہی ہوں گی ___ میں کہتا ہوں اس سے بہتر...ین نظارہ وہاں کہیں ہے ہی نہیں ___ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ اسلم تم......"

اسلم کی بکواس تو جاری رہی مگر اماں ایک عالم بے اختیاری میں لگاتار اس کی صورت تکے جارہی تھیں۔ اُن کا چہرہ اچانک پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھیں جھپکے بغیر وہ

ٹکٹکی لگائے اسلم کو دیکھ رہی تھیں۔ اسلم اچانک گھبرا گیا۔ اُس نے ایک دو بار "اماں جی، اماں جی" کہہ کر آواز بھی دی مگر اُن کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اسلم نے پریشان ہو کر تھوڑا آگے جھک کر اُن کا شانہ ہلایا اور تب ایسا کرنے سے وہ خوابِ غفلت سے جیسے چونک گئیں۔

"کیا ہوا اماں جی آپ کو ــــ ؟ آپ کیا سوچنے لگیں تھیں ؟" اُس نے پوچھا۔ وہ سچ مچ پریشان ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں ــــ کچھ بھی تو نہیں ــــ" اماں نے خود کو قابو میں کر کے جواب دیا۔ وہ اب بھی سوچنے میں مصروف تھیں۔

"پھر یہ کیا ہو گیا تھا آپ کو ــــ ؟"

"ہاں ایسے ہی ــــ بس ذرا چکر آ گیا تھا۔" اماں نے دوپٹے کے پلّو سے پیشانی پر آیا ہوا پسینہ پونچھ لیا۔ اور زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر پیدا کر کے پھر بولیں "ایک بات سُن لو اسلم ــــ"

"جی کہیئے ــــ"

آئندہ تم یا عامر وہاں اس کوٹھی میں نہیں جاؤ گے ؟"

"کیوں ــــ ایسی کیا بات ہے اُس کوٹھی میں ؟"

"بس ــــ میں نے کہہ دیا ــــ میں نہیں چاہتی کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی وہاں جائے۔"

"مگر اماں جی ــــ شوکت نے اگر بلایا تب ــــ ؟"

"شوکت کون ــــ ؟"

"اسی کوٹھی کا مالک ــ وہ ہمارا بڑا اچھا دوست ہے۔ یہاں دلّی کے کئی کارخانوں، فرموں، اور الماس ریسٹورنٹ کا واحد مالک۔ اس کے علاوہ الموڑہ میں اس کے سیب کے باغات بھی ہیں۔"

"وہ کچھ بھی ہو ــــ مگر تم اس سے نہیں ملو گے۔" اماں نے پھر کہا۔

"اس نے خطا کیا کی ہے اماں جی ؟"

"دیکھو اسلم میرا تم پر کوئی اختیار نہیں ہے البتہ عامر پر تو ہے۔ میں تمھیں منع نہیں کرتی لیکن عامر کو ضرور منع کردوں گی۔

"کمال ہے، آپ کا مجھ پر اختیار نہیں ہے !" اسلم نے کہا۔ "عامر کی ہی نہیں آپ

میری بھی اماں ہیں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر اماں جی۔ ہم دونوں ایسا ہی کریں گے۔"

"خدا تمھیں خوش رکھے بیٹا۔ تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔"

"مگر آپ کی ان باتوں سے میرے دل کا بوجھ بڑھ گیا ہے اماں!" اسلم ہنسا۔

"کبھی میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گی۔ یہ بھی بتا دوں گی کہ میں کیوں تمھیں شوکت سے دُور رکھنا چاہتی ہوں۔ ویسے میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں تم دونوں کی بھلائی کے لیے ہی کر رہی ہوں۔"

اسلم کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور عامر اندر داخل ہوا۔ اماں کی موجودگی میں اسلم اُس سے کچھ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے فوراً کہا۔

"آؤ بھئی ــــ میں تمھارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

عامر نے بڑی اُداس نظروں سے اسے دیکھا جواب دینے کے لیے وہ کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ اسلم نے اُسے پریشان دیکھ کر فوراً بات بنائی۔

"یونیورسٹی کے سلسلے میں تم سے کچھ بات چیت کرنی تھی آؤ ذرا باہر چلیں۔ پروفیسر رتن نے کچھ کہلوایا ہے ــــ آؤ۔"

"مگر میں ابھی تو باہر سے آیا ہوں ــــ" عامر نے احتجاج کیا۔

"کوئی بات نہیں ــــ ایک بار پھر سہی ــــ" اسلم نے اتنا کہتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کر کے بتایا جیسے کسی اہم معاملے میں مشورہ کرنا ہے۔

عامر اس کی بات مان کر واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُسے جاتے دیکھ کر اماں نے جلدی سے کہا۔

"بیٹا ــــ مجھے بھی تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں اماں جی ــــ" عامر کی بجائے اسلم نے جواب دیا۔ "میں سمجھ گیا۔ جو کچھ آپ نے مجھے بتایا ہے وہ ہمارا ستے میں اسے سب کچھ بتا دوں گا۔"

عامر حیرت زدہ تھا، لیکن اسلم نے اسے ٹھوکے دے کر جلدی سے دروازے سے باہر نکال دیا۔ دونوں دوست باہر سڑک پر آ گئے۔ عامر کچھ دیر تک خاموش رہا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا بات کرنی ہے؟"

"میں نے سنا ہے کہ تمھیں کوثر اور شوکت نے بُرا بھلا کہہ کر وہاں سے نکال دیا ہے۔"

"اس کے سوا میرے مقدر میں اور ہے بھی کیا؟" عامر نے ٹھنڈی سانس بھر لی۔

"مجھے بیلا نے بہت سی باتیں بتا تو دی ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"کیا بتاؤں کیا ہوا؟" عامر نے ہلکی آواز میں کہا۔ "انھوں نے ایک الزام میرے سر منڈھ دیا ہے اور میں نے کسی کو بچانے کے لیے اُسے قبول کرلیا۔"

سب سے بڑے خدائی خدمت گار تم ہی تو ہو اس دنیا میں۔ کیوں میں غلط کہہ رہا ہوں؟ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو ......"

"پھر کیا کرتا ؟"

"مرنے دیتے اُسے۔ اپنے کیے کی سزا خود بھگتتا۔"

اسلم اتنا کہہ کر سوچنے لگا کہ عامر سچ مچ پاگل ہے۔ اسے بچانے کی خاطر اس نے اپنی زندگی تباہ کر لی۔ اپنی عزت پر داغ لگا لیا۔ محبوبہ کی نگاہوں میں ذلیل ہوا۔ سب کے سامنے خواری ہوئی۔ یہ سب کس لیے، صرف اپنے ایک دوست اسلم کو بچانے کے لیے۔ دنیا میں اس سے زیادہ وسیع القلب اور جاں نثار کہیں مل سکتا ہے! اسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے عامر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں، تم نے پھر دوسروں کے لیے خود کو برباد کر لیا۔ یہ بیوقوفی کی انتہا ہے۔ سمجھے؟"

"میرے لیے یہ ضروری تھا" عامر نے اسلم کی صورت کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"اس لیے ضروری تھا کہ تم مجھے بچانا چاہتے تھے" اسلم نے تلخ آواز سے کہا۔ "مجھے، یعنی اپنے نالائق دوست اسلم کو؟"

"تمھیں ـــ! مگر تمھارا اس معاملے سے کیا تعلق؟" عامر اچنبھے میں رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ اسلم کیا کہہ رہا ہے۔

"کیوں تعلق نہیں ـــ وہ میں ہی تو تھا ـــ میری ہی وجہ سے تو وہ سب

کچھ ہوا۔ وہ میری ہی حماقت تو تھی جس کی سزا تمھیں بھگتنی پڑی ۔" اسلم نے صاف دلی سے سب کچھ اُگل دیا۔

"تم ــــ!" عامر کی آنکھیں حیرت کے باعث پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔" مگر وہ تو ــــ وہ تو ــــ"

"ہاں یار وہ میں ہی تھا ــــ اپنے جرم کا اقبال اس لیے کر رہا ہوں کہ میں تیری زندگی کو تباہ کرانا نہیں چاہتا۔" اسلم نے رندھے ہوئے گلے سے جواب دیا۔" تیرے اس ایثار نے مجھے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ اس رات میں وہاں سے بھاگ آیا تھا۔ لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ میں نے غلطی کی تھی۔"

"اسلم ــــ! کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں ــــ اگر مجھے علم ہوتا کہ تم میری بدنامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لوگے تو سچ کہتا ہوں کہ میں اسی وقت وہاں پہنچ کر اقبالِ جُرم کر لیتا۔"

"تمھیں شاید علم نہیں کہ منجو کو کتنا زبردست صدمہ پہنچا ہے۔" عامر نے اُسے تسلّی دینے کے انداز میں اس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ضرور پہنچا ہوگا ــــ میں نے حرکت ہی ایسی کی تھی ــــ مگر عامر! یار میں کل صبح ہی وہاں چلا جاتا ہوں ــــ ان سب کے سامنے پہنچ کر خود کو گنہ گار ثابت کر دوں گا۔ یہی میرے اور سب کے حق میں بہتر ہوگا ــــ"

"نہیں اب اس کی ضرورت نہیں ــــ" عامر نے جواب دیا۔" جو ہوگیا سو ہوگیا۔ مگر مجھے کوثر سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔ دوسرے مجھے بُرا بھلا کہہ لیتے۔ لیکن اس نے جس انداز سے دھتکارا ہے اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے۔ اس جیسی ضدی لڑکی کو پچھتاوا ایک دن ضرور ہوگا۔ اور اب میں اسی دن کا انتظار کروں گا۔" عامر نے اُداس لہجے میں کہا۔

"پچھتاوا تو انھیں ہو رہا ہے۔ مجھے بیلا نے بتایا تھا کہ وہ لگاتار روئے جا رہی ہیں ــــ" اسلم نے جیسے کچھ یاد کر کے کہا۔

"اور ہونے دو افسوس ــــ دل پر چوٹ لگنے دو، آخر میں نے بھی تو عرصے تک آہیں بھری ہیں۔ ذرا ان کو بھی تو پتہ چلے کہ آہیں دِل کو کس طرح جلا کر خاک کر ڈالتی ہیں ــــ؟"

"بڑی خوشی کی بات ہے ۔" اسلم نے غمزدہ آواز میں کہا ۔" اگر یوں ہونا ہے تو یونہی سہی ۔ بھرنے دو انھیں آہیں ۔"

" لیکن بہتر یہ ہے کہ تم خط لکھ کر منجو سے ضرور معافی مانگ لو ۔" عامر نے رائے دی ۔" کہہ دو کہ تم سے غلطی ہو گئی تھی ۔"

" ضرور مانگ لیتا ہوں ۔ منجو اور پردین دونوں سے معافی مانگ لیتا ہوں۔" اسلم نے صدقِ دل سے جواب دیا۔

" تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ۔" عامر نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لے کر کہا ۔" اب یہ بتاؤ کہ وہ کون سی بات تھی جو اماں مجھ سے کرنا چاہتی تھیں ۔ اور تم نے کہہ دیا تھا کہ راستے میں مجھے سب کچھ بتلا دوگے ۔ ؟"

" آؤ ــــ تو پھر سامنے والے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ کافی کے دو گھونٹ لیے بغیر مجھ سے کچھ کہا نہ جائے گا ۔"

اور پھر ریسٹورنٹ میں اسلم نے اُسے وہ سب باتیں بتا دیں جو کچھ دیر پہلے عامر کی والدہ نے اس سے کی تھیں ۔ عامر بغور اُن باتوں کو سنتا رہا اور آخر بولا ۔

" یار یہ چکر کیا ہے ــــ اماں کیا کہنا چاہتی تھیں تم سے ۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا ــــ"

" ہاں ــ شوکت تمھارا اور میرا عزیز دوست ہے ۔ مگر اماں جی اُس سے ملنے کو منع کرتی ہیں ؟"

" کیوں منع کرتی ہیں ــــ چلو شوکت کو چھوڑو ــــ لیکن وہ تو الموڑہ جانے کو بھی منع کرتی ہیں ــــ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔"

" کیا راز ہے یار ــــ ؟" اسلم سوچ میں پڑ گیا ۔

اور پھر اچانک عامر کو مین بازار کا وہ بوڑھا پہاڑی بھی یاد آ گیا جس نے اُس سے بڑی عجیب اور رازدارانہ باتیں کی تھیں، جس نے اُس سے کہا تھا کہ وہ جلیل احمد کا نہیں بلکہ خان بہادر سلیم احمد کا لڑکا ہے ۔ جس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ لال بنگلے والی تصویر نکال کر لے آئے تو وہ تصویر اس کی ماں کے بہت کام آئے گی ــــ آخر یہ راز کیا ہے ؟

اس نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا اُسے یہ سب باتیں اپنے عزیز دوست کو بتا دینی چاہئیں ؟ مگر پھر اُسے بزرگوں کی یہ بات یاد آ ئی کہ راز کو راز ہی رہنا چاہیئے ۔ پھول سے اگر خوشبو نکل گئی تو پھر وہ بے کار ہو جاتا ہے ۔ اُس نے تہیہ کر لیا

کہ اسلم کو لا علم رکھنا ہی بہتر ہے۔

"کیوں ـــ کیا سوچنے لگے ـــ؟" اسلم نے اُسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔ "کیا کوئی خاص بات یاد آگئی؟"

"ہیں کچھ باتیں ـــ تمھیں پھر کبھی فرصت میں بتاؤں گا۔ ابھی تو میں ہی انھیں نہیں سمجھ پایا ہوں ـــ اچھا آداب باہر چلیں۔"

اسلم عامر کو احمقوں کی طرح تکتا رہا اور پھر اس کے اُٹھنے پر بل ادا کر کے وہ بھی اُس کے ساتھ باہر سڑک پر آگیا۔ راستے میں عامر سوچتا رہا کہ اسلم نے کتنی صفائی سے اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے اور گناہ کی معافی چاہ لی ہے! کتنا اچھا اور صاف دل انسان ہے وہ!

منجو کی جو حالت اس رات کو تھی ـــ اس ابتر حالت کی یاد عامر کے لیے روح فرسا تھی۔ اس کا عزیز دوست ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب ہوگا یہ کبھی بھول کر بھی اس نے نہ سوچا تھا۔ اُس نے جان بوجھ کر اُن باتوں کو طول دینے سے گریز کیا تھا، کیونکہ جب اسلم خود ہی شرمندہ تھا تو اُسے مزید شرمندہ کرنے سے حاصل؟

گھر پہنچنے کے بعد اماں سے اس نے دانستہ کچھ نہیں کہا۔ اُس کا خیال تھا کہ اماں جب خود کہیں گی تب گفتگو کا آغاز کرے گا اور اتفاق سے ہوا بھی ایسا ہی۔ اماں نے، جب کہ وہ ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا، اُس کے پاس آ کر پوچھا۔

"بیٹا ـــ اسلم نے تم سے کچھ کہا تھا؟"

"ہاں اماں ـــ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم میرے پھر کبھی الموڑہ جانے کے خلاف ہو۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اُس نے ٹھیک ہی کہا ہے بیٹا ـــ" اماں نے نظریں نیچی کر کے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں تمھارے ہی سہارے جی رہی ہوں ـــ اور میں نہیں چاہتی کہ مجھ سے میرا یہ سہارا چھین لیا جائے۔"

"کون چھین رہا ہے مجھے تم سے؟" عامر نے اب اماں کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو اماں؟"

"زمانہ بہت ظالم ہے بیٹا، مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔" اماں کی آواز بھرآئی۔ "میں اسی کے ڈر سے تمھیں منع کر رہی ہوں۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ مجھے تم سے کون چھین رہا ہے؟"

"بہت سے لوگ چھین سکتے ہیں۔"

"مگر میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے ؟"

"نہ بگاڑا ہو ___ مگر اس دنیا میں بہت لوگ یونہی دوسروں کے دشمن ہو جاتے ہیں، مجھے ایسا لگتا ہے بیٹا کہ کچھ لوگ تمھارے پیچھے ضرور پڑ جائیں گے۔ آج نہیں تو کل ضرور ایسا ہو گا۔"

"امّاں ___ تم معموّں میں باتیں کر رہی ہو ___" عامر نے کہا۔ "میں یہاں دلّی میں ہوں اور الموڑہ یہاں سے بہت دور ہے۔ پھر بھلا مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو ؟"

"میں کچھ نہیں چھپا رہی۔ حقیقت سننا چاہتے ہو تو سُنو! تمھارے والد ایک زمانے میں الموڑہ میں رہتے تھے اور اُن کے بہت زیادہ دشمن تھے ___ میں نے تمھیں اس لیے منع کیا ہے کہ اگر دشمنوں نے تمھیں پہچان لیا تو پھر مرنے کے بعد میں تمھارے والد کو کیا مونہہ دکھاؤں گی ؟" امّاں کے چہرے پر تفکّرات کے سائے لہرا رہے تھے۔

"کون سے والد کی بات کر رہی ہو امّاں ؟" عامر نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا۔

"عامر ___!" امّاں حیرت کے باعث چیخیں۔ انھیں عامر سے ایسی سخت بات سننے کی توقع نہ تھی۔

"ہاں امّاں ___ مجھے آج تک یہی معلوم نہیں کہ میں خان بہادر سلیم احمد کا لڑکا ہوں یا جلیل احمد صاحب کا ___ ؟"

"عامر ___ عامر ___" امّاں خوف اور دہشت کی وجہ سے دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

اُن کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ پورا جسم غصّے کے باعث لرزنے لگا۔ اپنا ایک ہاتھ انھوں نے عامر کی طرف اس طرح پھیلا رکھا تھا گویا اُسے آگے بولنے سے روکنا چاہتی ہوں۔ جب اُن سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ ناتوانی کے باعث کرسی پر بیٹھ گئیں اور پھر دونوں ہاتھوں سے مونہہ چھپا کر رونے لگیں۔

عامر نے اپنی امّی کو کبھی دُکھ نہ دیا تھا۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر جیسے اُس کے دل پر چھریاں چل گئیں ___ اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ بہت ہی سخت اور غلط

بات کہہ گیا ہے۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے محبت سے سہلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے معاف کر دو اماں ــــ میرا مطلب وہ نہیں تھا جو تم نے سمجھا۔ میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ معاف کر دو اماں "

اماں اداس اور خوف زدہ نظروں سے اُسے گھور رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ اُن کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔ پیشانی کی شکنیں بھی بتدریج مٹ گئیں اور پھر جب وہ بولیں تو اُن کی آواز بے حد نرم تھی۔

"تمھیں خان بہادر سلیم احمد کا نام کہاں سے معلوم ہوا؟"

"مجھے کسی نے بتایا تھا ــــ عامر نے بوڑھے پہاڑی کا تذکرہ زبان پر لاتے لاتے روک لیا۔

"کون ہے وہ ــــ؟

"کیا یہ بتانا ضروری ہے؟"

"ہاں ــــ اگر تمھارے دل میں اپنی ماں کی ذرا بھی قدر ہے تو بتانا بے حد ضروری ہے" اماں کی آواز اب قدرے تحکمانہ ہو گئی تھی۔

"یقین کرو اماں ــــ نام میں اس کا بھی نہیں جانتا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھے الموڑہ کے مین بازار میں ملا تھا۔ پہلے اس نے میرا پیچھا کیا اور پھر بعد میں اُسی نے مجھ کو بتایا کہ میں جلیل احمد کا بیٹا نہیں بلکہ خان بہادر سلیم احمد کا لڑکا ہوں جن کی بہت بڑی تصویر اس سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی ہے۔ تم نے مجھے بتایا کہ ان کا نام جلیل احمد ہے۔ لیکن تمھاری پریشانی اور خوف نے ثابت کر دیا کہ میرے والد کا نام سلیم احمد ہی ہے۔ اُس بوڑھے پہاڑی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اماں کہ ایسا کیوں ہے۔ مجھے خود محسوس ہوتا ہے جیسے میں وہ نہیں ہوں جو ہوں۔ میں خود کو بدلتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہے۔ بتاؤ اماں خدا کے لیے بتاؤ کہ یہ کیا چکر ہے۔؟"

عامر بری طرح چیخا کیونکہ اُس نے جب آخری فقرے ادا کرتے ہوئے اماں کو جھنجھوڑا تو اُن کی گردن ایک سمت میں ڈھلک گئی۔ عامر نے جلدی سے انھیں دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر چارپائی پر لٹا دیا وہ بے حد پریشانی کے عالم میں انھیں دیکھتا رہا۔ اور پھر اُن کا ہاتھ تھام کر نبض دیکھی۔ نبض کی رفتار دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ اماں صرف بے ہوش ہو گئی ہیں اور خطرے کی یا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

ستمبر کے مہینے کا آغاز تھا اور دلی میں متھرا روڈ کے پرگتی میدان میں عالمی صنعتی نمائش لگ چکی تھی۔ الموڑہ سے آئے ہوئے عامر کو تقریباً ڈیڑھ ماہ ہی ہوا تھا۔ یہ عرصہ اُس نے ملازمت کی تلاش میں بڑی بھاگ دوڑ میں بسر کیا تھا۔ موٹر مکینک کی ملازمت اُسے کہیں نہیں ملی۔ در در کی خاک چھانی، ہر موٹر گیراج کے دروازے پر دستک دی مگر نوکری عنقا ہو گئی۔ یونیورسٹی کی تعطیلات ابھی جاری تھیں۔ پھر اس کا اپنا ارادہ بھی اب وہاں جانے کا نہیں تھا۔ زیادہ پڑھنے کے لیے فیس کی ضرورت ہوتی ہے اور مزید تعلیم کے لیے فیس جمع کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ لہٰذا اب وہ بے روزگار تھا اس کی دونوں جیبیں کسی فقیر کی جھولی کی طرح خالی تھیں!

چنانچہ عامر نے اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک بار پھر تگ و دو کی اور بالآخر اسے صنعتی نمائش کے اسٹال میں عارضی طور پر ایک ملازمت مل ہی گئی۔ اس اسٹال میں خواتین کے مختلف فیشن والے ملبوسات اور اُن کی پسندیدہ اشیاء رکھی گئی تھیں۔ عامر اس اسٹال کا منیجر تھا۔ وہ یہاں سے رات کے گیارہ بجے کے قریب گھر پہنچتا تھا اور پھر تھکا ہارا اپنے بستر پر دراز ہو جاتا تھا۔ اس میں اتنی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ اماں سے بات کرے۔ درمیانی عرصے میں، یعنی جب سے اماں بے ہوش ہوئی تھیں اور اس ملازمت تک، عامر نے اُن سے کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ اس ڈر سے بات نہ کرتا تھا کہ مبادا وہ پھر بے ہوش ہو جائیں۔ اور اماں نہ جانے کن کن رازوں کے افشا ہونے سے ڈرتی تھیں اور یہی ڈر اُسے مزید گفتگو سے باز رکھتا تھا۔

بہرحال کچھ بھی ہو۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پشیمان بھی تھے اور حیران بھی۔ حیران اس

یے کہ جن رازوں کو کھلنا تھا۔ اب ان کے چہروں پر نقاب پڑ گئی تھی اور پشیانی یوں کہ رازوں کا آشکارا ہونا خواہ مخواہ ایک دوسرے کی شرمندگی کا باعث بنتا تھا!

ویسے عامر تہیہ کرچکا تھا کہ کبھی بھی مناسب موقع پر اس ذکر کو چھیڑے گا ضرور۔ معلوم کرے گا کہ آخر کون سی باتیں ہیں جو اس سے چھپائی جا رہی ہیں۔ اُس کو تو خیر معلوم نہیں تھا ویسے یہ حقیقت تھی کہ کوثر المونڑے سے واپس آچکی تھی۔ غرور حسن اور ضدی طبیعت نے اُسے اجازت نہیں دی تھی کہ وہ خود عامر کے گھر پہنچے۔ ویسے بھی یہ بات اس جیسی فیشن پرست لڑکی کے لیے باعث شرم ہوتی۔ حُسن خود چل کر عشق کے پاس پہنچے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہو سکتا تھا!

اس کے خیال میں عامر خطا وار تھا۔ حالانکہ منجو نے بعد میں حقیقت بیان کردی تھی۔ اسے بتا دیا تھا کہ عامر مظلوم ہے۔ مگر کوثر کو غصہ اس بات کا تھا کہ عامر نے دوسرے کا الزام اپنے سر کیوں لے لیا۔ اور پھر ایک بار کے کہنے پر ہی اپنا سامان چھوڑ کر المونڑے سے کیوں چلا گیا ـــــ کیا ہو جاتا جو وہ اپنی صفائی میں دو لفظ کہنے کے بعد شوکت اور اُس سے لڑتا اور پھر وہاں سے نہ جاتا!

کوثر بے چاری کو بھلا کیا معلوم تھا کہ خوداعتمادی، صبر اور وسعتِ قلب کا ہی دوسرا نام عامر تھا ـــــ!

اب اسے بھی اتفاق ہی کہہ لیجیے کہ ایک شام کو وہ اپنی مقامی سہیلی نجمہ کے ساتھ نمائش میں وارد ہوئی۔ نمائش کیا تھی۔ لگتا تھا گویا برقی قمقموں کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ہر سمت روشنی ہی روشنی، ہر طرف مسرت ہی مسرت۔ کوثر کے دل کی کلی کھلی جا رہی تھی۔ وہ اس وقت بھول گئی تھی کہ اُس کا اپنا دل زخم خوردہ ہے۔ عامر کے مغائرانہ برتاؤ نے اُس میں گھاؤ ڈال رکھے ہیں۔ مگر مسرت چونکہ مفت مل رہی تھی چنانچہ کوثر اس سے اپنا دامن لبالب بھر لینا چاہتی تھی۔

عامر ایک جوڑے کو بنارسی ساڑی دکھا رہا تھا جب کہ اس کی نظر اچانک کوثر پر پڑی۔ اُسے دیکھتے ہی عامر کے دل میں جیسے جوار بھاٹا سا اُٹھنے لگا۔ اس نے سوچا کہ وہ کتنی پیاری اور حسین دکھائی دے رہی ہے۔ پوری نمائش میں شاید ہی اس جیسی کوئی دوسری لڑکی ہو۔ وہ جلدی سے ایک بڑی سی الماری کے پیچھے ہو گیا۔ اپنے اسسٹنٹ کو گاہکوں سے بات کرنے کے لیے کہہ کر وہ پھر الماری کی اوٹ میں سے چھپ کر کوثر کو دیکھنے لگا۔

بیشتر نوجوان کوثر کو بار بار دیکھ رہے تھے اور عامر رقابت کی آگ میں جلنے کے بجائے خوش ہو رہا تھا۔ جب اتنے سارے نوجوان جس کو بار بار دیکھ رہے ہیں تو وہ حسن بھلا کیسا قیامت خیز حسن ہو گا؟۔ اور اگر ان نوجوانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عامر اس حسن کا منظورِ نظر ہے تو وہ کتنا رشک کریں گے اس پر۔ اُسے کسی شاعر کا یہ شعر اچانک یاد آ گیا۔

وہ تو وہ ہیں تمھیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرے محبوبِ نظر کو دیکھو

کوثر مختلف سامان دیکھنے لگی اور پھر اس نے ایک زردوزی پرس پسند کیا۔

"آپ تشریف رکھیے، میں اسے پیک کرا کے لاتا ہوں۔" اسسٹنٹ پرس کو لے کر اندر چلا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" کوثر اتنا کہنے کے بعد دوسری چیزوں کو دیکھنے لگی۔ اسسٹنٹ جب پرس لے کر شوروم کے اندر والے کمرے میں پہنچا تو عامر نے اس کے ہاتھ سے پرس لے کر کہا۔

"مسٹر ورما۔ آپ وہیں باہر جائیے، میں اسے پیک کروا کے آپ کو بھجواتا ہوں۔"

ورما جب گردن اثبات میں ہلا کر چلا گیا تو عامر بڑی تیزی کے ساتھ شوروم کے پچھلے حصہ میں پہنچا۔ وہاں ایک دروازہ تھا جو اس اسٹال کے عقب میں کھلتا تھا۔ عامر اس دروازے سے نکل کر چھوٹے سے کھلے ہوئے میدان میں پہنچا، جہاں پھولوں کی لاتعداد کیاریاں تھیں۔ ان کیاریوں میں زرد گلاب بھی تھا اور عامر یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کوثر ان پھولوں پر اپنا دم دیتی ہے۔!

اُس نے ایک ننھی سی کلی شاخ سے علیحدہ کی۔ پرس کھولا، وہ کلی اس میں رکھی، اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا اسٹال میں واپس آ گیا، یہاں ایک ملازم کو وہ پرس پلاسٹک کے تھیلے میں رکھ کر باہر شوروم میں پہنچانے کی ہدایت کر کے وہ پھر اسی الماری کے پیچھے چھپ گیا جہاں کچھ دیر پہلے چھپا ہوا تھا۔

اس نے دیکھا کہ کوثر کے یاقوتی لب مسکرائے، اپنی انگلیوں کی نازک پوروں میں نوٹ پکڑ کر اس نے ورما کو دیے اور پھر خندہ پیشانی سے پرس لے کر بجمہ کے ساتھ

باہر نکل گئی۔

اور جامر اتنے عرصے تک دھڑکتے دل کو ہاتھوں سے پکڑے کھڑا رہا۔

وہ کتنی حسین لگ رہی تھی —— !

کتنی دل کش !

اسے یقین تھا کہ لوگ نمائش کو کم اور کوثر کو زیادہ دیکھیں گے ؛

نجمہ کو بھی وہ پرس پسند آیا تھا، مگر کوثر کی پسند کے بعد وہ نہیں چاہتی تھی کہ فوراً ہی اپنی پسند کا اعلان بھی کر دے۔ اس طرح کوثر یقیناً اپنا پرس اسے دے دیتی۔ وہ اس کی دریا دلی سے اچھی طرح واقف تھی۔ چنانچہ جب وہ دونوں اسٹال سے کچھ فاصلے پر آ گئیں تو ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں بیٹھنے کے بعد نجمہ نے پرس اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"دلّی کی اس کاریگری کا جواب نہیں ہے کوثر۔"

"ہاں —— مجھے زردوزی کا کام بہت پسند ہے۔" کوثر نے پرس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ جسے نجمہ اب پلاسٹک کے بیگ میں سے نکال رہی تھی۔

نجمہ نے اُسے کھولا اور پھر اندر جھانک کر دیکھا۔

"ارے ! —— یہ کیا ہے اس میں ؟"

"کیا —— ؟ کوثر نے حیرت سے پوچھا۔

"گلاب کی کلی ——" نجمہ نے کلی باہر نکالی۔

"گلاب کی کلی —— ! کوثر بھونچکی رہ گئی۔

"کیا یہ لوگ اپنے سبھی گاہکوں کو گلاب کی کلیاں دیتے ہیں!" نجمہ ہنسی۔

"نہیں ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔" کوثر کچھ سوچ رہی تھی۔

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ مجھے بھی ایسا ہی ایک پرس لینا ہے —— آؤ چل کر آزما لیتے ہیں۔"

"تم کیا آزماؤ گی نجمہ —— شاید کوئی مجھے ہی آزمانا چاہ رہا ہے ——" کوثر جیسے خوابیدہ لہجے میں بولی۔

"اچھا تو آؤ چلیں —— پرس لے لیتے ہیں۔"

"میں چلتی ضرور ہوں لیکن باہر کھڑی رہوں گی۔" کوثر کے دل میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اگر اس کا خیال درست نکلا تو —— ؟

وہ دونوں واپس وہاں پہنچیں۔ صرف نجمہ اندر گئی اور پرس لے آئی۔ لیکن اس بار پرس میں سے کوئی کلی نہیں نکلی۔ کوثر یہ دیکھ کر بیتاب ہو گئی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے اور چہرے

سے یوں عیاں ہونے لگا گویا وہ اب روئی اور اب روئی۔ اس کا محبوب اس سے اتنے نزدیک تھا۔ مگر وہ اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ عامر سے دوبارہ ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ شوکت، پروین، منجو کوئی بھی تو اس کا دلی کا پتہ نہ جانتا تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ عامر کہاں رہتا ہے۔ البتہ اسلم ضرور جانتا تھا۔ مگر اسلم بھی لاپتہ تھا۔ یہ محسوس کر کے کہ شاید عامر اس سے بہت قریب ہے کوثر کے انگ انگ میں بیتابیاں بھر گئیں۔ آنکھیں بھر آئیں اور وہ آنسوؤں کے موتی عامر پر لٹانے کے لیے بیتاب ہو گئی۔

اور یہ بیتابی ہی اُسے دوبارہ دکان کے اندر لے گئی۔ ورما وہاں موجود تھا اور حیرت سے اس کے تمتماتے ہوئے چہرے کو تک رہا تھا۔ کوثر کا چہرہ اس کی اندرونی حالت کو ظاہر کر رہا تھا۔

"فرمایئے ـــــ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اُس نے پوچھا۔

"وہ ـــ دراصل ـــ میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ ـــ" وہ ہونٹ چبا کر خاموش ہو گئی۔

"جی ہاں فرمایئے ـــــ" ورما نے مجسم اخلاق بن کر پوچھا۔

"میں نے ابھی جو پرس آپ سے خریدا تھا۔ اس میں سے کچھ نکلا ہے۔"

"اوہ ـــ معاف کیجیے گا، بعض دفعہ کیڑے مکوڑے گھس ہی جاتے ہیں ـــ" ورما نے گڑبڑا کر کہا۔

"نہیں ـــ اس میں سے ایسی کوئی چیز نہیں نکلی ـــــ" کوثر نے حجاب آلود لہجے میں کہا۔ "بلکہ اس میں سے زرد گلاب کی ایک کلی نکلی ہے۔"

"اوہ ـــ!" ورما نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔ "ہو سکتا ہے، جب پرس بن کر آیا ہو تو کسی نے رکھ دی ہو۔"

"مگر وہ سوکھی ہوئی نہیں ـــــ بالکل تازہ ہے۔"

"تازہ ہے!" اب تو ورما کو بھی تعجب ہوا۔

"جی ہاں ـــــ یقیناً وہ ابھی رکھی گئی ہے۔"

"میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں خاتون ـــــ لیکن یہ کوئی بری بات تو نہیں ہے۔" ورما نے لجاجت سے جواب دیا۔

"کیسے نہیں ہے بُری بات؟" کوثر نے گفتگو کا انداز اچانک بدل دیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سیلزمین بہت پریشان ہے، چنانچہ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ یہاں کام کرتے ہیں یا لڑکیوں سے رومانس لڑاتے ہیں۔ کلی رکھنے کا اور کیا مطلب ہے؟"

"جی دراصل ـــــ دراصل، اب میں آپ سے کیا کہوں، لیکن یقین مانیے یہ حرکت میری نہیں ہے۔"
درما بے چارے کے چھکے چھوٹ گئے۔
"پھر کس کی حرکت ہو سکتی ہے۔ میری سہیلی نے پرس خریدا اُس میں سے تو کچھ بھی نہیں نکلا۔ لیکن میرے پرس میں سے کنگی نکلی ـــــ کیوں ؟"
"جی اب میں کیا بتاؤں۔ پرس تو مجھ سے منیجر صاحب نے لے لیا تھا۔" درما نے عاجزی سے جواب دیا۔
"منیجر ـــــ ! کیا نام ہے ان کا ؟" کوثر نے تحکم آمیز لہجے میں پوچھا۔
"عامر صاحب ـــــ" کوثر کے دل پر جیسے کسی نے برف ہی برف رکھ دی۔ ایسی دل آویز ٹھنڈک اور مسرت اسے محسوس ہوئی جیسے انبساط کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتی جا رہی ہے۔ اُسے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ سیلز مین نہایت توجہ سے اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا ہے ـــــ نجمہ نے ٹھوکا دیا تو وہ خوابِ شیریں سے جاگی۔
"کہیئے تو بلاؤں ـــــ ؟" درما نے دزدیدہ نظر سے اُسے دیکھا۔
"کیا وہ اندر ہیں ـــــ ؟" اب کے کوثر کا لہجہ بالکل بدلا ہوا تھا اور درما کو اِس پر حیرت بھی تھی۔ اس نے جواب دیا۔
"جی ہاں ـــ"
"بہتر ہے، تو اب اس بات کی شکایت ہم اُن ہی سے کریں گے" اس بار کوثر کے بجائے نجمہ نے کہا۔ کیونکہ نجمہ اس کی راز دار تھی اور سمجھ چکی تھی کہ کوثر کے قویٰ اب اس حد تک جواب دے چکے ہیں کہ اس کے قول و عمل کا کچھ بھروسہ نہیں۔ درما کے آگے بڑھنے سے پہلے ہی نجمہ کاؤنٹر کا اسپرنگ والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی ـــ کوثر اس کے پیچھے تھی اور اُن دونوں کی پشت پر گھبرایا ہوا سیلزمین درما !
درما نے یہ دیکھ کر بھگوان کا شکریہ ادا کیا کہ عامر کی کرسی خالی تھی۔
"کہاں ہیں وہ ـــــ ؟" نجمہ نے ہی دریافت کیا۔ کیونکہ کوثر کی زبان پر تالا لگ چکا تھا۔
"جی وہ عموماً یہیں رہتے ہیں۔ نہ جانے کہاں چلے گئے" درما نے اتنا کہنے کے بعد چپراسی سے پوچھا" ارے کہاں گئے منیجر صاحب ؟"
"صاحب ابھی پچھلے گیٹ سے باہر گئے ہیں" اس نے جواب دیا۔
کوثر کے دل کی دھڑکنیں جیسے اچانک رُک گئیں ـــ اتنی نفرت اتنی بیزاری ! ـــ اتنی جلن !
"کتنی دیر ہوئی ـــــ ؟" نجمہ نے پوچھا۔

"جی بس آپ اندر آئیں اور وہ باہر گئے ___"

"آؤ کوثر ___ ہم بھی باہر چلیں" نجمہ کے کہنے پر کوثر کل کے کھلونے کی طرح ساتھ ہولی۔ نجمہ نے ہر سمت نظریں دوڑائیں مگر اُسے ایسا کوئی شخص نظر نہ آیا جو عامر ہو سکتا تھا پھر وہ خود ہی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"کیوں ہنس رہی ہے ___" کوثر نے دل برداشتگی کے ساتھ پوچھا۔

"تمھارے اُن کو ڈھونڈ رہی ہوں ___ ہوں نا بے وقوف۔ میں نے ان کو دیکھا ہی کب ہے۔ جو انھیں پہچان جاؤں گی۔"

"چل نجمہ ___ واپس چل، میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" کوثر نے مضمحل انداز میں کہا۔

"کیوں نہیں ہو گی طبیعت خراب ___ ایسے موقعوں پر ایسا ہی ہوتا ہے ___" نجمہ نے اس کا موںہہ ہاتھ سے اونچا کر کے کہا۔ "یوں بننا چھوڑو اور انھیں تلاش کرو ___ میں واپسی میں گیٹ نمبر دو کے پاس جو ریسٹورنٹ ہے، وہاں ملوں گی ___ تمھیں صرف ایک گھنٹہ دیتی ہوں ___ آدھ گھنٹہ انھیں تلاش کرنے کے لیے اور آدھ گھنٹہ باتوں کے لیے ___"

"مگر ___!" کوثر جھجکی۔

"اچھا میں سمجھ گئی، واقعی آدھ گھنٹہ کم ہے۔" نجمہ نے ہنستے ہوئے کہا ___ "بہتر ہے لیلیٰ صاحبہ، میں وہاں ایک گھنٹہ تک تمھارا انتظار کروں گی اور اُس کے بعد چلی جاؤں گی ___ ٹاٹا ___"

نجمہ فوراً ہی بھیڑ میں مل گئی اور کوثر سوچتی رہ گئی کہ اُسے روکے یا نہ روکے۔ کافی دیر تک وہ حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر فوراً ہی اس کے قدم دوبارہ اسٹال کی طرف اُٹھ گئے۔ اس عرصے میں وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ اسٹال میں جانے سے اس کا مدعا یہ تھا کہ وہ گلاب کی کلی کو واپس عامر کی میز پر رکھ کر آنا چاہتی تھی۔

میز اب بھی خالی تھی۔ اُس نے پرس کھولا اور کلی نکال کر میز کے اوپر ایک فائل کے پاس رکھ دی۔ ایسا کرنے کے بعد جیسے ہی وہ واپسی کے لیے مڑی، اس کے پیروں کو جیسے زمین نے پکڑ لیا۔

عامر عقبی دروازے سے اندر آ رہا تھا!

دونوں اس طرح گھبرا گئے گویا ایک دوسرے کو چوری کرتے ہوئے دیکھ لیے گئے ہوں۔ کوثر پہلے تو ٹکٹکی لگائے اُسے دیکھتی رہی اور پھر اس کی پلکیں گالوں پر جھک گئیں۔

"آئیے ___ زہے قسمت ___" عامر نے کرسی کھسکا کر کوثر کے آگے کر دی ___ "تشریف رکھیے ___" کوثر خاموش کھڑی ہوئی ہونٹ چباتی رہی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ جبھی آپ یہ حقیر سی نرم و نازک کلی واپس کرنے آئی ہیں۔"

"یہ میرے پرس میں تھی ـــــ" کوثر بمشکل اتنے ہی لفظ بول سکی۔

"میں نے رکھی تھی ـــــ" عامر مسکرایا ـــــ "مجھے ایسی کلیاں دوسروں کو دینے کا خبط ہے معمولی سی زرد کلی جس کی خوشبو ہر کسی کو مسحور کر لیتی ہے۔ میری طرح نہیں کہ مسحور کرنا تو درکنار کسی کی نگاہوں میں ذرا سا مقام بھی پیدا نہیں کر سکا۔"

کوثر اب بھی خاموش رہی۔

"ویسے کلی تو آپ کسی اور کے ہاتھ بھی بھجوا سکتی تھیں۔ خود کیوں تکلیف کی؟" عامر اس کی خاموشی سے پریشان ہو رہا تھا۔ اُس کے اس سوال پر کوثر نے گھنی پلکیں اُٹھا کر ایسی نظر سے دیکھا کہ عامر کانپ کر رہ گیا۔ اس کے باوجود اس نے پھر کہا۔

"آپ اسے سڑک پر پھینک دیتیں۔ اپنے قدموں تلے روند ڈالتیں۔ یہ کلی میری معصوم محبت ہے کوثر صاحبہ۔ آپ کے قدموں تلے آ کر کچلے جانے میں کتنی لذّت ملتی، میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ لذّت مجھے پہلے بھی مل چکی ہے۔ اس وقت جب کہ لال بنگلے میں آپ نے مجھے کوٹھی سے نکل جانے کے لیے کہا تھا۔ میری معصوم محبت اس وقت آپ کو حیرت کے ساتھ تکتی رہ گئی تھی۔ اور میں اسے سینے سے لگا کر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔"

"آپ ـــــ آپ کوئی اور بات نہیں کر سکتے ـــــ" کوثر نے رُک رُک کر اور شرمندگی کے باعث پلکیں بار بار جھپکتے ہوئے کہا۔

"مجھے اور آتا ہی کیا ہے۔ بات کرتا ہوں تو آپ اسے طنز سمجھتی ہیں۔ سچ بولتا ہوں تو آپ کے نزدیک وہ جھوٹ ہوتا ہے۔ میں آوارہ گرد انسان جس کی پیشانی پر ایک کلنک بھی لگا ہوا ہے، جو آپ کی عزیز ترین سہیلی منجو کا گنہگار ہے۔ بھلا میں اس لائق ہی کہاں ہوں کہ شائستہ گفتگو کر سکوں؟"

"میں ـــــ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ کیا یہاں سے باہر چل سکتے ہیں؟"

"زہے نصیب، مجھ گنہگار کی اتنی عزّت! ـــــ آئیے چلیے۔" عامر اتنا کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا اور کوثر کو پہلے باہر نکل جانے کے لیے راستہ دے دیا۔

نمائش کے دوسرے راستے سے وہ دونوں باہر سڑک پر آگئے۔ دونوں خاموش تھے۔ آگے جانے والی سڑک سے ایک چھوٹی سی سڑک چڑیا گھر کے سامنے سے کٹتی تھی۔ قدیم زمانے میں یہاں مینا بازار لگتا تھا۔ مگر اب اس کے کھنڈرات یعنی دور دیہ دکانیں اور عظیم الشان شکستہ دروازہ زمانے کی ہنسی اڑا رہا تھا۔ یہاں نسبتاً گہرا اندھیرا تھا اور تنہائی بھی زیادہ تھی۔ کوثر بڑی خاموشی سے آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چل رہی تھی اور عامر کو یوں لگ رہا تھا گویا کائنات محوِ خرام ہو۔ اور اُس کے ہم رکاب ہو!

"ہم آخر کہاں تک چلتے جائیں گے محترمہ؟"

عامر کے اس سوال نے جیسے کوثر کو چونکا دیا۔ اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لی۔

"آپ المورہ سے اچانک کیوں چلے آئے تھے؟" شکوہ، شکایت!

"آنے کو دل تو نہ چاہتا تھا مگر آپ کا حکم ٹال بھی نہیں سکتا تھا" عامر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آپ نے ہی تو حکم دیا تھا نکل جاؤ ــــ"

"میں ــــ میں اس وقت غصے میں تھی ــــ" کوثر نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"وہ کون سا وقت ہوتا ہے جب آپ غصے میں نہیں ہوتیں؟" عامر نے آہستہ سے ہنس کر کہا۔ "میں نے آپ کو ہمیشہ ہی ناراض دیکھا ہے۔"

کوثر خاموش رہی۔

"فرمایئے، اب خاکسار کو کیوں یاد کیا ہے؟"

"گلاب کی کلی دیکھ کر نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا ــــ لہذا......"

"اب اس ذکر کو رہنے دیجیے، کلی تو آپ نے واپس کر دی ہے"

"کہاں واپس کی؟" کوثر نے سیاہ گھنی پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا "یہ ہے میرے ہاتھ میں ۔"

"اوہ ___ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ کلی جو میری معصوم محبت ہے۔ اسے پھینک دیجیے گا۔ مگر آپ نے . . . . . "

"کلیاں پھینکنے کے لیے نہیں ہوتیں ___" کوثر کی آواز لرز رہی تھی۔ آنسوؤں میں بھیگا ہوا لہجہ تھا۔

"پھر ___ ؟"

"لیجیے ___ اپنے ہاتھ سے اسے میرے بالوں میں لگا دیجیے ___"

"کوثر ___" عامر کو تعجب کے ساتھ ہی ایسا لگا گویا اس کا دامن یک لخت مسرت کی کلیوں سے بھر گیا ہو ___ کلی اُس نے کوثر کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے لے لی اور پھر حسب عادت مسکرا کر بولا۔

"سوچ لیجیے ___ روزانہ ___ نہیں بلکہ زندگی بھر ایسی کلیاں آپ کو میرے ہاتھوں سے اپنے بالوں میں لگوانی پڑیں گی ___ منظور ہے ؟"

کوثر نے غزالی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فوراً شرما کر مونہہ پھیر لیا۔

"میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا آپ نے ؟"

"میں نے بہت تکلیف پہنچائی ہے ___" کوثر کی آواز لرز رہی تھی۔ غالباً وہ رو رہی تھی۔ اُسی لہجے میں اُس نے مزید کہا۔ "میں نے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ مجھے معاف کر دیں گے ___ ؟"

"ایک شرط پر ___" عامر کھلا جا رہا تھا۔ "اب میری کسی جسارت پر ناراض نہیں ہوں گی آپ ___ منظور ہے۔"

کوثر نے جیسے ہی اثبات میں گردن ہلائی، عامر نے جلدی سے اس ننھی منی گڑیا کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور پھر اپنے ہونٹوں میں اس کے گلابی گالوں پر بہتے ہوئے آنسو جذب کر لیے۔

آج بہت دنوں کے بعد اُس کے دل کی مراد بر آئی تھی۔ حسن جفا آشنا اب اپنی خطاؤں پر نادم تھا۔ عامر کو محسوس ہوا تھا گویا اس کا بھی خدا ہے۔ وہ کوثر کو اس طرح بھینچ رہا تھا گویا دل میں بسا لینا چاہتا ہو۔ اور کوثر کو اتنا سکون اور راحت مل رہی تھی کہ عامر کے فراخ سینے میں مونہہ چھپا کر گویا خوابوں کی وادیوں میں گم ہو گئی تھی۔

آرزوؤں اور امیدوں کے دیے جگمگا رہے تھے۔

خزاں رسیدہ گلشن میں بہار آ رہی تھی !

ہر سمت پھول ہی پھول تھے۔ محبت ہی محبت تھی۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ اس حسین خواب سے آنکھ نہ کھلے۔ لیکن جب اُس کے دہکتے ہوئے ہونٹوں پر کسی نے برف کی سل رکھ دی تو وہ اس خواب سے جاگی۔ عامر نے اپنے برف جیسے ہونٹوں سے انگاروں کو چھو لیا تھا!

وہ شرما کر الگ ہو گئی۔

"یہ کیا ۔۔۔؟" عامر نے مسکرا کر کہا "آپ نے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میری ہر جسارت کو معاف کر دیں گی"

جسارت کو معاف کرنے کے لیے کہا تھا، بیتابی کو نہیں ۔۔۔" کوثر نے شرما کر جواب دیا۔ "اور پھر یہ سڑک ہے، کوئی دیکھ لے گا"

"پرواہ نہیں ۔۔۔ آج میں بہت خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پوری دنیا آ کر ہمیں اس وقت دیکھ لے۔ میں نے بہت پاپڑ بیلنے کے بعد یہ دن دیکھا ہے محترمہ۔ اور میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے میرے اس کارنامے پر داد دیں ۔۔۔" عامر نے اُس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"زیادہ جوش اچھا نہیں ۔۔۔ آیئے اب واپس چلیں"

"جی نہیں ۔۔۔ اب میں واپس نہیں جاؤں گا ۔۔۔ اب تو میں آپ کو اپنے گھر لے کر چلوں گا۔ اماں سے ملواؤں گا ۔۔۔ وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی"

"آپ کی جگہ تم استعمال نہیں کر سکتے کیا ۔۔۔" کوثر پھر شرما گئی۔ "مجھے اچھا نہیں لگتا"

"وہ جو حکم ۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ ۔۔۔ میرا مطلب ہے تم ناراض نہ ہو جاؤ ۔۔۔ اس لیے ہر کہنا ماننا میرے لیے ضروری ہے۔" عامر نے خوشی سے سرشار ہوتے ہوئے کہا "آؤ اب گھر چلیں ۔۔۔"

"نہیں آج نہیں پھر کبھی ۔۔۔ آج بہت دیر ہو گئی ہے" کوثر نے واپس نمائش کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی ۔۔۔ اچھا ہاں کوثر" عامر نے جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے پوچھا "میرے جانے کے بعد شوکت نے کچھ اور تو نہیں کہا تھا۔ میرے لیے وہ عجیب حادثہ تھا؟"

"مت یاد دلایئے مجھے۔ تکلیف ہوتی ہے" کوثر نے آہستہ سے کہا "وہ باتیں، وہ وقت اور وہ منظر یاد کر کے میں خود کو کوسنے لگتی ہوں"

"پھر بھی ۔۔۔ دراصل میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہیں کب اس بات کا یقین ہوا کہ اس رات منجو کے ساتھ میں نہیں تھا؟"

"آپ کے آجانے کے فوراً بعد، منجو نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آپ نہیں تھے۔" کوثر نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا۔ "تب ہی مجھے اپنے کئے کا افسوس ہوا تھا۔ وہ دن اور آج کا دن میری روح مجھے ہر وقت بُرا بھلا کہتی رہتی ہے۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔"

"خیر اس برا بھلا کہنے کا صلہ تو مجھے آج مل گیا۔ مجھ سے زیادہ خوش قسمت شاید ہی کوئی دوسرا ہوگا۔" عامر نے کوثر کے شانے پر ہاتھ رکھ اسے خود سے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "تم سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کہ شوکت نے میرے بارے میں کیا خیال قائم کیا؟"

"وہ کئی دن تک چپ رہے اور جب میں نے انھیں بتایا کہ یہ آپ کی حرکت نہیں ہو سکتی تو خود بھی یہی کہنے لگے اور سوچنے لگے کہ کس پر شبہ کیا جائے!"

"شبہ کی ضرورت بھی نہیں، میں جانتا ہوں کوثر یہ کس کی حرکت ہے؟ میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔"

"آپ کو معلوم ہے!" کوثر نے اس سے الگ ہو کر حیرت سے پوچھا۔ "پہچانتے ہیں اس شخص کو؟"

"ہاں ـــــ"

"کون ہے وہ ـــــ؟"

"اسلم ـــــ"

"اسلم ـــــ نہیں نہیں میں نہیں مان سکتی۔" کوثر نے زبردست تردید کی ـــــ "اسلم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔"

"اسلم نے خود اپنی زبان سے یہ بات قبول کر لی ہے۔"

عامر کے اتنا کہتے ہی کوثر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ اُسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اسلم ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب ہو سکتا ہے اور پھر جب عامر نے اُسے انسانی نفسیات بتائی۔ یہ بتایا کہ انسان جذبات میں اندھا ہو کر کیا کچھ کر سکتا ہے تو مجبوراً اُسے ماننا ہی پڑا۔ بہت دیر تک حیرت کے باعث وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ بولی تو صرف اس قدر ـــــ

"مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ اسلم صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب منجو کا کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب ـــــ!" عامر نے حیرت سے کہا۔

"یہی کہ اب کون اسے اپنائے گا۔ اسلم اپنا نہیں سکتے، وہ مسلمان ہیں اور منجو ہندو بہت فرق ہے ـــــ" کوثر کے لہجے میں قدرے خفگی تھی۔

"ہندو مسلمان کا بھید بھاؤ مجھے پسند نہیں کوثر! ۔ ہم ہر انسان کو مذہب کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں ۔ اگر اسلم منجو کے ساتھ ایسا نہیں کرتا اور کوئی ہندو لڑکا اس جرم کا مرتکب ہوتا تب بھی یہی مشکل درپیش ہوتی ۔ ہمارا سماج منجو کو کلنکی کہہ کر ٹھکرا دیتا کوئی بھی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا ۔ اس کے برعکس اگر ہم مل کر اسلم پر زور ڈالیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ منجو کو اپنا بنانے کے لیے تیار ہو جائے گا ۔"

"مگر ــــ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" کوثر نے حیرت سے عامر کو دیکھا۔

"سب کچھ ممکن ہے ــــ میں مانتا ہوں کہ اسلم نے ایک غلط حرکت کی ہے ۔ مجھے خود بھی حیرت ہے کیونکہ سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ سول میرج کی جائے ۔ ورنہ منجو پورے الموڑہ میں ذلیل ہو جائے گی ۔"

کوثر بہت دیر تک سر جھکائے چلتی رہی ۔ آخر بولی ۔

"پھر بھی آپ اسلم صاحب سے بات کیجیے گا ۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں ــــ"

"موقع دیکھ کر بات کروں گا ــــ"

نمائش کا دروازہ قریب آچکا تھا ۔ چنانچہ عامر نے پھر کہا ۔

"کیا میں امید رکھوں کہ روزانہ نمائش میں ملاقات ہوا کرے گی؟"

کوثر کے لبوں پر تبسم کھیل گیا ۔ ایسی نظر سے جس میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس نے عامر کو دیکھا اور پھر پوچھا ۔

"کیا یہ ضروری ہے ــــ؟"

"بہت ضروری ہے ــــ دراصل میں روز ہی زرد کلیاں پیش کرنے کا عادی ہوں!" عامر نے شرارت سے کہا ۔

"کوشش کروں گی ــــ" کوثر نے مختصر سا جواب دیا ۔

"کوشش نہیں بلکہ یہ ضرور آیا کرے گی ۔" اچانک پشت سے نجمہ کی آواز آئی ۔

وہ لمبے لمبے قدم رکھتی ہوئی ان دونوں کے قریب آگئی ۔ "آپ بے فکر رہیے، عامر بھائی میں خود اسے لے کر آؤں گی ۔"

"تو کہاں تھی ــــ ہم سب جگہ ڈھونڈ آئے ۔" کوثر نے گھبراہٹ کے ساتھ شکایتی لہجے میں کہا ۔

"اجی بس رہنے دو ــــ عامر بھیا سے ملنے سے پہلے کتنی بیقرار تھیں ۔ گلاب کی کلی دیکھ کر دل مچل گیا تھا اور جب تک انھیں ڈھونڈ نہ لیا قرار نہ آیا ــــ اب باتیں بناتی ہو!"

"آپ کی تعریف ـــــــ؟" عامر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"مجھ ناچیز کو نجمہ کہتے ہیں ـــــــ اِن کی سہیلی ہوں ـــــــ" نجمہ نے کوثر کے بازو میں چٹکی بھرلی۔ اور وہ سی کر کے رہ گئی ـــــــ

"نجمہ! ـــــــ بہت خوب صورت نام ہے" عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس بس ـــــــ نام تو خوب صورت کوثر ہی ہے جناب۔ مجھے بیکار بنانے کی کوشش مت کیجیے" نجمہ نے ہنس کر کہا اور پھر اس کی اس ہنسی میں وہ دونوں بھی شامل ہو گئے ـــــــ

"اچھا کوثر" نجمہ نے پھر کہا "میں کار کے پاس جا رہی ہوں تم وہیں آجاؤ ـــــــ"

اس کے چلے جانے کے بعد کوثر نے شرمیلے لہجے میں عامر سے پوچھا۔

"آپ دن بھر کیا کرتے ہیں ـــــــ؟"

"بالکل جھک مارتا ہوں۔ تمھیں معلوم ہی ہے کہ یونیورسٹی میں جانا بند ہے آج کل۔ پڑھنا ختم کر دیا ہے نا ـــــــ"

"اگر بُرا نہ مانیں تو میں کہیں اور ملازمت دلانے کی کوشش کروں؟" اُس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "نمائش کی ملازمت تو عارضی ہے"

"کہاں ـــــــ؟"

"یہیں دلّی میں ـــــــ اچھی خاصی نوکری ہوگی"

"بہتر ہے ـــــــ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"

"بس تو میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں ـــــــ" کوثر نے جلدی سے کہا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں عامر انکار نہ کر دے "انھیں اپنی دلّی کی امپورٹ ایکسپورٹ والی ایک فرم کے لیے جنرل مینیجر کی ضرورت ہے۔ پہلا مینیجر لاس اینجلس چلا گیا ہے"

"نہیں کوثر یہ نہیں ہوگا۔ میں کسی بھی دوست کا ملازم بننا پسند نہیں کرتا" عامر نے صاف جواب دے دیا۔

"ملازم بننے کو کون کہہ رہا ہے۔ آپ تو فرم کے مالک ہوں گے۔ جنرل مینیجر تقریباً مالک ہی ہوتا ہے"

"نہیں کوثر ـــــــ اس طرح خود اعتمادی اور خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ دوستوں کا دست نگر رہنا اچھا نہیں لگتا"

"مجھے پھر غصہ آجائے گا۔ وہ فرم میری ہے اور اس کی مالک میں ہی ہوں ـــــــ" کوثر نے اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر کہا۔ اس کا مونہہ لٹک گیا تھا۔

"غصہ کرنے کی تو خیر کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کوثر سوچو تو سہی کہ اس طرح ......"
"اب زیادہ نہ بولیے ـــــ ویسے آپ چاہیں تو میں آپ کو فرم کا مالک ثابت کر کے دکھا سکتی ہوں ــ"
"اچھا ـــــ!" عامر نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "وہ کیسے۔؟"
"ایک فارمولا ہے میرے پاس ــ" اُس کے لہجے پر حجاب غالب آ گیا۔
"فارمولا! ـــــ اچھا ذرا بتاؤ تو ــ" عامر کی دلچسپی بڑھ گئی۔
"میں ـــــ میں اُس فرم کی مالک ہوں اور ـــــ اور آپ ......" وہ شرمانے لگی۔
"ہاں میں ـــــ؟" عامر کا اشتیاق بڑھ گیا۔
"آپ ـــــ آپ میرے ـــــ میرا مطلب ہے کہ آپ" وہ شرم کے مارے ہکلا گئی۔
"یعنی میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ میرے ......"
"سمجھ گیا سمجھ گیا" عامر نے خوش ہو کر کہا۔ "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں تمھارا مالک ہوں؟"
"ہوں ــ" کوثر نظریں زمین بوس کئے مسکرا رہی تھی۔
"واہ ـــــ!" عامر نے خوش ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لینا چاہا مگر اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا اور مچھلی کی طرح پھسل کر الگ ہو گئی۔
"ارے رے ـــــ اتنے لوگوں کے سامنے کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"
"اوہ ـــــ معاف کرنا۔ واقعی میں بھول گیا تھا ـــــ" عامر نے کنکھیوں سے ہر سمت دیکھا کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا!
"پھر آپ نے کیا سوچا۔؟" کوثر نے اس انداز سے پوچھا کہ عامر دل تھام کر رہ گیا۔
"جو فرم کی مالکہ کی خواہش ہو سرکار ـــــ ہم تو خادم ہیں۔"
"بس تو آپ کو کل خوش خبری سناؤں گی ــ بھیا سے بات کر کے۔"
"جیسی تمھاری مرضی۔" عامر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن کوثر کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو؟"
"نہیں ہیں ــ ویسے اب میں انھیں سب کچھ بتا دوں گی۔" وہ جانے کے لیے مڑی ــ اور عامر نے گھبرا کر اس کا مخملی ہاتھ پکڑ لیا۔
"جا رہی ہو ــ؟" پوری دنیا کا درد سمٹ کر اُس کی آواز میں آ گیا۔ اور اُس نے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر لی۔
"ہاں ــ" کوثر کی نقرئی ہنسی فضا میں تحلیل ہو گئی اور پھر ہاتھ چھڑا وہ بار بار مڑ کر اُسے دیکھتی ہوئی کار کی طرف چل دی۔

اور پھر یہ اُس کے دوسرے دن کی بات ہے۔ عامر اسٹال کے باہر بڑے پُرغرور انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ بہار میں کھلے ہوئے اس تنہا پھول کی طرح جو گلشن میں خود سے زیادہ بلند اور خوبرو کسی کو نہ پا کر مسرت سے جھومتا رہتا ہے۔ عامر نے بھی باد سموم کے ہزاروں تھپیڑے برداشت کیے تھے۔ نفرت کی آندھی میں تنہا کھڑا ہوا کپکپاتا رہا تھا ۔۔۔ بے اعتنائی اور تغافل کی بجلیاں خرمن دل پر برداشت کیں مگر اُف تک نہ کی تھی۔ اور اب جب بہاروں کے قافلے اس کے ہم رکاب تھے تو پورے گلستاں پر وہ اپنا حق کیوں نہ جتائے؟ کیوں غرور سے سینہ تان کر کھڑا نہ ہو جبکہ چمن کی حسین ترین کلی کی قربت بھی اُسے حاصل ہو گئی ہے!

نمائش کھلنے میں ابھی ایک گھنٹہ تھا۔ چنانچہ سڑکوں پر صفائی ہو رہی تھی۔ مزدور عورتیں سروں پر بجری کے ٹوکرے لا لا کر سڑکوں پر ڈال رہی تھیں۔ اور سقے ان پر مشک کے ذریعہ چھڑکاؤ کر رہے تھے۔ نمائش کو روزانہ شایقین کے لیے سجانا اور سنوارنا بہت ضروری تھا۔ لہٰذا نمائش کا ہر فرد اس کام میں مشغول تھا۔ عامر کے ماتحت بھی ہر سامان کو جھاڑ پونچھ رہے تھے۔ اور وہ ان لوگوں سے بے پروا، مونہہ سے ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دل خوش تھا تو اُس کے ہر ہر عضو سے مسرت کا بے اندازہ اظہار ہو رہا تھا۔ اچانک اس کا مونہہ سیٹی بجانے کے انداز میں کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ اس نے ایک نوجوان اور خوب صورت سی مزدور لڑکی کو دیکھ لیا تھا جو بجری کا ٹوکرا سر پر رکھے ڈگمگاتی ہوئی سامنے کی سڑک سے اس مقام پر آ رہی تھی جہاں مزدور پھاوڑوں سے زمین ہموار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

یہ مقام عامر سے تقریباً دس فٹ دور تھا اور وہ مزدور لڑکی اُسی جگہ آ رہی تھی۔ اس کے ڈگمگانے کے انداز سے عامر کو فوراً یہ احساس ہوا کہ درحقیقت وہ لڑکی اس محنت والے کام کی عادی

نہیں ہے۔ لڑکی خوب صورت تھی اُس کا رکھ رکھاؤ اور سنگھار بتا رہا تھا کہ مزدوروں کی قوم میں سے ہرگز نہیں ہے۔ اس کے خوب صورت چہرے پر زردی کھلی ہوئی تھی۔ پسینہ سے چہرہ ہی نہیں چولی بھی تر تھی اور غالباً وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ شاید کسی بھی لمحہ میں گر سکتی تھی۔

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اس سے پہلے کہ عامر دوڑ کر اس تک پہنچتا، وہ نقاہت کے باعث زمین پر گر پڑی ـــــ عامر ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے دوڑ کر اُسے سنبھالا اور دوسروں سے کہا کہ وہ اُسے اُٹھا کر اسٹال میں لے چلیں۔

لڑکی کے مونہہ پر پانی کے چھینٹے دینے کے بعد جب اسے ہوش آیا تو سب سے پہلے آنکھیں کھول کر اُس نے عامر کو دیکھا اور کمزور آواز میں بولی۔

"شما کر دو بابو ـــــ مجھے چکر آ گیا تھا۔ ابھی ٹوکرا اٹھا کر لاتی ہوں۔"

"لیٹی رہو ـــــ تمھیں واقعی چکر آ گیا تھا۔ تم اس وقت میرے اسٹال میں ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ جب ٹھیک ہو جاؤ تو چلی جانا ـــــ"

"آپ کا اسٹال؟ ـ آپ کون ہیں ـــــ؟"

"پریشان مت ہو ـــــ میں اس اسٹال میں کام کرتا ہوں۔" عامر نے جواب دیا ـــــ

"تمھارے زیادہ چوٹ تو نہیں لگی ـــــ"

"جی نہیں ـ میں ٹھیک ہوں۔" لڑکی نے یہ کہتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو لیٹی رہو ـــــ" عامر نے اسے شانے سے پکڑ کر لٹاتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا ہے نا کچھ دیر آرام کرو، پھر کام پر چلی جانا۔"

لڑکی نے اس کا کہنا مان کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور اس عرصے میں دوسری مزدور عورتیں اپنے آنچل سے اُسے پنکھا کرتی رہیں۔ عامر لڑکی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جس انداز سے اُس نے عامر کی باتوں کا جواب دیا تھا وہ انداز ہر کسی مزدور لڑکی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً وہ لڑکی قسمت کی ماری ہوئی کوئی لاچار اور بے کس ہستی تھی!

مزدوروں کا سپروائزر اتنی دیر میں وہاں آ پہنچا تھا۔ اس نے پہلے تو عورتوں کو ڈانٹا کہ آخر وہ کام چھوڑ کر وہاں کیا کرنے آ گئی ہیں اور پھر اس لڑکی کو برا بھلا کہنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کم بختوں سے کون کہتا ہے کہ آ کر ٹوکرا اٹھائیں۔ جب ہمت نہیں ہوتی تو آتی کیوں ہیں یہاں جھک مارنے ـــــ دیکھا صاحب آپ نے۔" اس نے عامر کو مخاطب کیا ـــــ "حرام زادی کیسی بن کر لیٹ گئی ہے ـــــ اس کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ نمائش کھلنے میں تھوڑا ہی وقت باقی رہ گیا ہے۔"

"تمھارا نام کیا ہے ___؟" عامر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ سپروائزر کے ایسے برتاؤ سے اُسے رنج پہنچا تھا۔

"رام اوتار ___" سپروائزر نے موہنہ بنا کر جواب دیا۔

"تم اپنا نام کنبھ کرن رکھ لو ___" عامر نے اسے ڈانٹا ___ "بے وقوف کسی مجبور لڑکی سے اس طرح بات کی جاتی ہے۔ تم آدمی ہو یا شیطان ___؟"

"مگر صاحب ___ آپ دیکھئے نا......"

"شٹ اپ ___ تم دفع ہو جاؤ یہاں سے ___"

سپروائزر نے عامر کو گھور کر دیکھا اور پھر بولا۔

"اچھی بات ہے ___ مگر اس لڑکی کو آج کے پیسے ہرگز نہیں ملیں گے ___" وہ جانے کے لیے مڑا۔

"کوئی بات نہیں ___ یہ اب بھوکی بھی نہیں رہے گی ___ تم چلے جاؤ یہاں سے۔ سبھی لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ___ پتہ نہیں غریب پر کیا بپتا پڑی ہے جو مزدوری کرنے تم جیسے سخت دل انسان کے چنگل میں آ گئی ہے؟"

عامر کے یہ کہتے ہی سپروائزر اور مزدور عورتیں وہاں سے چلی گئیں۔ عامر اس لڑکی کو بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے میں ایسی کشش تھی کہ ہر کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی تھی ___ اس نے دربان سے کہا کہ وہ کسی چپراسی یا چوکیدار سے کھانے کا کچھ سامان منگوائے

جب تک سامان آیا اس لڑکی کو بھی ہوش آ چکا تھا۔ بلکہ ہوش تو پہلے ہی آ چکا تھا۔ صرف نقاہت کے باعث آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اب اس نے آنکھیں کھول کر عامر کو غور سے دیکھا۔

"تمھیں بھوک لگی ہوگی، لو یہ کھانا کھا لو ___" عامر نے چند پوریاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "شاید تم رات ہی سے بھوکی ہو!"

لڑکی نے پھر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اُسے دیکھا اور ان آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر لرزنے لگے۔

"کیا بات ہے ___ تم رو کیوں رہی ہو؟" عامر نے پوچھا۔

"اس شہر میں آ کر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بابو ___" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہنا شروع کیا "یہاں بہت بُرے لوگ ملے ہیں۔ مجھے اب کسی پر اعتبار نہیں رہا۔"

"میں تمھاری بات کی تائید کرتا ہوں۔ مگر سب انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں۔" عامر نے کہا۔ "میں برا آدمی نہیں ہوں، شریف انسان ہوں اور تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی نے پھر اُسے حیرت سے دیکھا۔

"لو اب کھالو — دیر نہ کرو۔ تم مجھے بہت بھوکی دکھائی دیتی ہو۔"

عامر کے اصرار پر لڑکی نے کھانا شروع کر دیا۔ وہ کھاتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ رونے کے درمیان وہ عامر کی کچھ باتوں کا جواب بھی ہوں ہاں میں دیتی جا رہی تھی۔ لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟

"چلو ٹھیک ہے، تم مت بتاؤ۔ لیکن اتنا تو کہو کہ کیا اب تم اسی طرح مزدورنی بن کر کام کرو گی۔"

عامر نے پوچھا۔

"اور میں کر بھی کیا سکتی ہوں — ؟"

"دیکھو، مجھے غلط مت سمجھو، میں چاہتا ہوں کہ تم وہ محنت والا کام چھوڑ کر ہمارے اس اسٹال میں کام کرنا شروع کر دو —" عامر نے آہستہ سے کہا۔ "کیا خیال ہے تمہارا ؟"

"مگر — مگر میں پڑھی لکھی کب ہوں ؟ لڑکی کا موہنہ حیرت کے باعث کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کوئی حرج نہیں — تم یہاں سامان کی جھاڑ پونچھ تو کر سکتی ہو — بس سمجھ لو کہ یہی کام ہے۔"

"مگر — ؟" لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ شاید وہ سوچ رہی ہے کہ اسٹال میں عورتیں تو کام کرتی ہی نہیں۔ وہ اکیلی اتنے مردوں میں کس طرح کام کرے گی؟

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا سوچ رہی ہو۔" عامر نے مسکرا کر کہا۔ "گھبراؤ مت، مجھے اپنا بھائی سمجھو۔"

لڑکی نے پھر حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا اور دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ لیے۔

"اچھا — جیسے آپ کی مرضی —" لڑکی نے اتنا کہہ کر نظریں جھکا لیں۔

عامر کے کہنے پر لڑکی کو دوسری ساڑھی اور جمپر پہننے کے لیے دیا گیا اور اس کے بعد وہ درما کے بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئی۔ اس نے بے شک اپنے بارے میں ابھی تک حالانکہ کچھ نہیں بتایا تھا۔ مگر عامر نے اپنے طور پر اندازہ لگا لیا تھا کہ لڑکی کسی اچھے خاندان سے تعلق ضرور رکھتی ہے!۔

رات کے گیارہ بجے تک عامر نے کوثر کا انتظار کیا۔ مگر جب وہ نہیں آئی تو مجبوراً اس نے نمائش کے ختم ہونے پر گھر جانے کی ٹھانی۔ اجنبی لڑکی حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ غالباً وہ سوچ رہی تھی کہ اب اس کی رات کہاں بسر ہو گی — ؟ جب سے وہ دلی میں آئی تھی، مزدور عورتوں کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ حالانکہ وہاں رہنا بھی اسے کھلتا تھا۔ کئی نوجوان مزدور اسے بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اور روز بروز اس کے قریب تر آتے جا رہے تھے وہ سخت ذہنی الجھن میں مبتلا رہا کرتی تھی۔

اس وقت وہ کم از کم یہ سوچ کر مطمئن ضرور تھی کہ ان لوگوں سے چھٹکارا مل گیا اور اب وہ ایک اچھے انسان کی پناہ میں ہے، اچھا انسان پہچاننے کے لیے اس کے پاس کوئی کسوٹی تو نہیں تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس مطلبی دنیا میں لوگ بہن بنا کر بھی دغا دے دیتے ہیں۔ مگر وہ اب مجبور تھی کہ عامر کا اعتبار کرے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

"تم نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا ____؟" عامر کے اس سوال سے وہ اچانک بوکھلا گئی ___ اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"میرا نام ___!" چند لمحہ تک اس نے سوچا ___ "میرا نام کرشنا ہے۔"

"بہت خوب، اچھا تو کرشنا، تم اپنے بھائی کے گھر چلنا پسند کرو گی۔"

"جی ___! مطلب ہے آپ کے گھر؟"

"ہاں میرے گھر ___ چھوٹا سا گھر ہے میرا، میرے علاوہ میری بہت ہی اچھی ماں بھی ہیں وہاں۔" عامر حسب عادت مسکرایا۔

"ماں ___!" کرشنا نے بڑے حسرت بھرے انداز میں کہا۔ اس کے ہونٹ فرط غم سے کپکپا رہے تھے۔

"ہاں ___ وہ تمھاری اچھی دیکھ بھال کریں گی ___" عامر نے جواب دیا ___ "تمھیں ذرا سی بھی تکلیف نہ ہونے دیں گی۔ انھیں بیٹی کی ہمیشہ سے تمنا رہی ہے ___ چلو گی میرے گھر؟"

"آپ ___ آپ آخر مجھ ابھاگن پر اتنا ترس کیوں کھا رہے ہیں؟" اس نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر پھر عامر سے نظر ملتے ہی آنکھیں چرا گئی۔

"صاف صاف سننا چاہتی ہو ___ اچھا تو سنو۔" عامر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ نہ جانے کیا بات ہے، مجھے یہ احساس ہوتا ہے گویا تم وہ نہیں ہو جو اس وقت نظر آ رہی ہو۔ تم مصیبت کی ماری اور زمانے کی ستائی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ تمھیں دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھے تمھارے ہی آنے کا انتظار تھا۔ میرے دل میں تمھاری جو جگہ ہے وہ صرف بہن کے لیے مخصوص ہے۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ تمھیں دیکھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر میری کوئی بہن ہوتی تو وہ تمھاری ہی جیسی ہوتی ___"

کرشنا عامر کی باتوں کے درمیان ہی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اتنا روئی کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں بمشکل وہ اپنی اصلی حالت پر آئی اور تب عامر کے دلاسا دینے پر بولی۔

"میں بدنصیب ہرگز اس برتاؤ کے لائق نہیں ہوں۔ آپ جیسا فرشتہ آدمی اس دنیا میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ مجھے دعا دیجیے کہ میں بہن ہونے کا پورا پورا حق ادا کر سکوں۔"

"مجھے اچھی دعائیں تو میری اماں دیں گی۔ اُن کے پاس دعاؤں کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ بس تو اب اُٹھو اور گھر چلو، اماں جی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔"

درما کونے میں کھڑا ہوا ان کی باتیں سن رہا تھا اور جب اُس نے دیکھا کہ کرشنا عامر کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی ہے تو اس نے بقیہ ملازموں کو اسٹال بند کرنے کے لیے کہا اور پھر وہ سب نمائش سے باہر آ گئے۔ عامر نے اسکوٹر رکشا کی اور پھر کرشنا کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اماں بستر پر بیٹھی ہوئی عامر کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ انھیں پریشانی بھی تھی اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ عامر عموماً وقت پر گھر پہنچ جایا کرتا تھا جبکہ آج اسے قدرے دیر ہو گئی تھی۔ دروازے پر آہٹ سن کر اُن کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عامر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس کے پیچھے کرشنا کچھ حیران و پریشان کھڑی اماں کو دیکھ رہی تھی۔

"عامر بیٹا ــــ کون ہے یہ؟" اماں نے تعجب سے دریافت کیا۔

"تمھیں ایک بیٹی کی خواہش تھی نا اماں ــــ لو میں تمھارے لیے بیٹی لے آیا ہوں۔"

عامر نے کرشنا کو آگے دھکیلتے ہوئے کہا ــــ اماں نے جلدی سے کرشنا کو اپنے قریب کر لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگیں۔

"آؤ بیٹی ــــ آؤ قریب آؤ۔"

"اور اماں ــــ مجھے برسوں سے ایک بہن کی ضرورت تھی۔ میں تمھارے لیے بیٹی اور اپنے لیے بہن بھی لایا ہوں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"بیٹا جو تم نے سوچا وہ خوب سوچا۔" اماں نے کہا۔ "واقعی ہم دونوں کا کام چل گیا۔ آؤ بیٹی آرام سے بیٹھ جاؤ ــــ کیا نام ہے تمھارا؟"

"جی کرشنا۔" کرشنا ان کی محبت سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

"تم رہنے والی کہاں کی ہو؟" اماں نے پھر پوچھا۔

کرشنا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہی ــــ

"اماں، ان باتوں کا جواب تو انھوں نے مجھے بھی نہیں دیا۔" کرشنا کے بجائے عامر نے جواب دیا۔ "میں نے بہتیری کوشش کی۔"

"کیوں ــــ؟"

"ماں جی ــــ میں بڑی ابھاگن ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی نظروں میں ذلیل ہوں ــــ میں آہستہ آہستہ آپ کو سب بتا دوں گی میں کون ہوں، کیا ہوں، کہاں سے آئی ہوں۔ یہ سب باتیں آپ سے چھپاؤں گی نہیں ــــ" اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا ــــ "بھگوان کے لیے مجھ سے

ابھی کچھ مت پوچھیے۔

"اچھا اچھا ___ تم رو ؤ مت! میں ابھی کچھ نہیں پوچھوں گی۔" اماں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ اور ایسا کرنے کے بعد جو سکون انھیں پہنچا وہ صرف ایک ماں ہی جان سکتی ہے۔!

کھانا وغیرہ کھا کر جب وہ تینوں سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اور یہ اندازہ لگا لینے کے بعد کہ کرشنا سو چکی ہے۔ اماں نے عامر سے پوچھا۔

"بیٹا، آخر یہ لڑکی ہے کون اور تمھیں کہاں سے ملی کچھ تو بتاؤ ___ ؟" عامر نے پوری کہانی سنادی۔ جس پر اماں نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا۔ واقعی اس کی شکل صورت مزدور عورتوں کی سی نہیں ہے۔ ضرور یہ کسی اچھے خاندان کی ہے۔ بچاری پر نہ جانے کون سی بپتا ٹوٹ پڑی جو اس حال کو پہنچی۔ فی الحال تو محلّے والوں کو بھی بتانا پڑے گا کہ میرے کسی دور کے رشتے دار کی لڑکی ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ بدگمانی پیدا ہوگی۔

عامر نے اس بات کی تائید کی اور پھر وہ دونوں بھی کچھ ہی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

عامر ناشتہ کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ اُس نے فوراً ہاتھ روک لیا اور کواڑوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قدر صبح سوائے اسلم کے اور کوئی نہیں آتا تھا۔ اور اسلم دستک کے بجائے آواز دیا کرتا تھا۔ پھر بھلا یہ کون ہو سکتا ہے ؟

"آپ بیٹھیے بھیا ـــ میں دیکھتی ہوں۔" کرشنا اُٹھ کر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ہی کوثر کھڑی ہوئی نظر آئی۔ کرشنا کو دیکھ کر کوثر ایک لمحہ کے لیے بھونچکی رہ گئی۔ عامر اسے بتا چکا تھا کہ گھر میں اس کے علاوہ صرف اس کی ماں ہے۔

پھر یہ کون لڑکی ہے !

"عامر صاحب گھر میں ہیں ؟" کوثر کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں پڑ چکی تھیں۔ اور وہ حسین و جمیل کرشنا کو دیکھ کر شبہ میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"جی ہاں موجود ہیں ـــ آیئے اندر آجایئے۔" کرشنا نے دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

کوثر کی آواز سنتے ہی عامر کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ کوثر یوں اچانک اس کے گھر میں آنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اس لیے بھی پریشان تھا کہ چھوٹا سا معمولی اور اوسط درجے کا گھر تھا اس کا۔ کوثر جیسی امیر لڑکی کو وہ اس گھر میں اس وقت بلانا چاہتا تھا جب وہ اسے سنوار لیتا۔ لیکن اب تو بہت دیر ہو چکی تھی۔

"آؤ کوثر آؤ ـــ بیٹھو بیٹھو ـــ" اس نے یہ فقرہ ادا کرتے وقت اتنی گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا کہ یہ گھبراہٹ اماں کی نظروں سے چھپ نہ سکی۔

"کہاں بٹھا رہے ہو انھیں ـــ" ماں نے پیار میں ڈانٹا "دوسرے کمرے میں لے

کرسی لے آؤ۔"

"جی نہیں میں ٹھیک ہوں۔ بستر پر ہی بیٹھ جاؤں گی۔"

کوثر نے مسکرا کر عامر کو دیکھا۔ اس بے چارے کی اُس وقت عجب حالت تھی۔ کبھی ایک چیز کو اٹھاتا اور کبھی دوسری کو۔ ان اُلٹی سیدھی حرکتوں سے نہ صرف اماں، بلکہ کوثر اور کرشنا بھی محظوظ ہو رہی تھیں۔

"تم نے ان کا تعارف نہیں کرایا بیٹا ـــــ" جہاندیدہ ماں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وہ پیار بھری نظروں سے متواتر کوثر کو تکے جا رہی تھیں۔

"ہاں اماں ـــــ دراصل ـــــ وہ ـــــ" عامر ہکلا گیا۔

"میرا نام کوثر ہے اماں جی ـــــ" کوثر نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔ "یہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھا کرتے تھے۔"

"اچھا سمجھ گئی، بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" اماں نے کہا "آرام سے بیٹھو بیٹی۔"

"یہ لیجیے چائے۔" کرشنا نے اس عرصے میں چائے بنا کر ایک کپ کوثر کو پیش کیا۔

"کیا کوئی خاص کام تھا جو یہاں صبح ہی صبح ...؟" عامر نے بات تو پوچھی مگر ادھوری رہ گئی۔

"عامر ـــــ" اماں نے ڈانٹا "گھر آئے ہوئے مہمان سے اس طرح پوچھا کرتے ہیں؟ ان کا گھر ہے۔ جب چاہے آسکتی ہیں۔!"

"نہیں اماں جی ـــــ" کوثر ہنس کر بولی "وہ مجھے واقعی ایک کام تھا اس لیے یہاں پر آئی تھی۔"

"تو پھر میں باہر چلوں ـــــ؟" عامر چاہتا تھا کہ کوثر جلد سے جلد گھر سے باہر چلی جائے تاکہ گھر کی خراب حالت وہ زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکے۔

"جی ہاں چلیے ـــــ باہر کار کھڑی ہوئی ہے۔" کوثر نے اتنا کہہ کر دزدیدہ نظر سے کرشنا کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں جو بدگمانی تھی وہ صاف طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔

"اماں کیا میں جاؤں؟" ـــــ عامر نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ دریافت کیا۔ "ذرا ان سے بات کرنی ہے۔"

"ارے ـــــ کیا تم نے مجھ سے اس سے پہلے کبھی پوچھا ہے!" اماں نے ہنس کر جواب دیا۔ "آج کیا خاص بات ہے جو دریافت کر رہے ہو۔"

عامر کی حالت اس وقت ایسی ہی تھی جیسے کوئی چور موقع پر چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔ اماں نے بارہا اس سے شادی کرنے کے لیے کہا تھا مگر وہ ہمیشہ ٹال گیا تھا۔ آج اسے اس بات سے پشیمانی ہو رہی تھی کہ اماں اس کے انکار کی وجہ جان گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اسے گھر کی حالت سے بھی شرمندگی

ہوئی تھی۔ اتنا بُرا بھی گھر نہ تھا۔ مگر کوثر جیسی اونچے درجے کی لڑکی کو دکھانے کے لائق نہیں تھا۔ اماں کی ساڑی بھی دو ایک جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ بھلا کوثر نے دیکھ کر کیا سوچا ہوگا۔؟

یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں اس کے لیے سوہان روح بن گئی تھیں۔ اسی لیے وہ کوشش کر رہا تھا کہ کوثر جلد سے جلد گھر سے باہر چلی جائے تاکہ اس کی غربت پر پردہ پڑا رہے۔ مگر وائے قسمت! کوثر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ کار کا دروازہ کھول کر اُس نے محجوب و شرمندہ سے عامر سے کہا۔

"اندر بیٹھیے ـــــ"

"مگر کوثر ـــــ" عامر جھجکا ـــــ "میں ـــــ میں اس لائق نہیں ہوں"

"مجھے غیر سمجھتے ہیں!" کوثر نے ایسی نظر سے دیکھا کہ عامر مجبوراً کار میں بیٹھ گیا۔

کار جب مختلف سڑکوں پر سے گزرنے لگی تو کوثر نے پوچھا۔

"اب خاموش کیوں بیٹھے ہیں ـــــ؟"

"میں یہ سوچ رہا تھا کوثر کہ آج میری خوش پوشی کا بھرم کُھل گیا۔ تم نے میرا معمولی سا گھر دیکھ لیا ہے۔ تمھارا تو یقیناً وہاں دم گھٹنے لگا ہوگا؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں ـــ کیا میں انسان نہیں ہوں؟"

"وہ گھر اس لائق ہرگز نہیں تھا کہ تم وہاں قدم رکھتیں ـــــ"

"خدا کے لیے ایسی باتیں مت کیجیے، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ مجھے ابھی تک غیر سمجھتے ہیں۔ میں اس گھر کو جنت کا گوشہ سمجھتی ہوں۔ جہاں بناوٹ نام کو نہیں ہے۔ جہاں ایک محبت کرنے والی ماں اور جہاں ـــــ" کوثر کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اُس نے کنکھیوں سے عامر کو دیکھتے ہوئے پوچھا ـــ "اور ہاں ـــــ وہ لڑکی کون ہے؟"

"میں جانتا تھا کہ یہ سوال کیا جائے گا" عامر نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ "بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ـــــ وہ لڑکی میری بہن ہے"

"بہن ـــــ!" کوثر کے دل پر سے بوجھ اُتر گیا اور اُس نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔ "مگر آپ تو کہتے تھے کہ آپ کی کوئی بہن نہیں ہے؟"

اس پر عامر نے کرشنا کا تمام واقعہ اسے سنا دیا۔ کوثر نے سُن کر بڑی دیر تک عامر کو احترام کے انداز میں دیکھا اور پھر کہا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس معصوم لڑکی کو گھر لے آئے"

"میں کسی اور لڑکی کو بھی گھر لانا چاہتا ہوں ـــــ بس ذرا گھر کو سجا لوں" عامر نے شرارتی نظریں کوثر کے چہرے پر ڈالیں اور اس کے پہلو سے دانستہ لگ کر بیٹھ گیا۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ میں آپ کو اپنا تصور کر چکی ہوں۔ غیر نہیں۔"
"ذرہ نوازی ہے سرکار ـــــ" عامر نے قریب آنا چاہا تھا کہ کوثر نے گھبرا کر کہا۔
"آفس ہے ـــــ چپراسی دیکھ رہا ہے۔"
عامر نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا اور کوثر آہستہ سے ہنس دی۔
کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں شوکت کے کمرے میں تھے۔ عامر کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔
"کیا ہوا ـــ؟" عامر نے تعجب سے کہا۔
"عامر ـــــ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ بیٹھو ـــــ"
عامر مصافحہ کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔ کوثر بھی قریب ہی بیٹھ گئی۔
"میں تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صاف بات کر رہا ہوں عامر۔ درحقیقت تم نے جو کام کیا ہے وہ صرف تم جیسا ہی اعلیٰ ظرف انسان کر سکتا ہے۔ المورٹہ سے تمہارے چلے جانے کے بعد جب مجھے حقیقت کا پتہ چلا تو بخدا میں حیرت زدہ رہ گیا۔ تمہارے اسی وصف نے مجھے خرید لیا ہے۔ اور میں تم سے شرمندہ ہوں۔"
"میں نے کچھ نہیں کیا ـــــ میں تو خود شرمندہ ہوں۔" عامر نے انکساری سے جواب دیا۔ اپنی تعریف سُن کر اُس کی گردن جُھک گئی تھی۔
"مجھے معاف کر دو دوست، اس رات نہ جانے میں نے تمہیں کیا کچھ کہہ دیا تھا۔" شوکت نے کہنا شروع کیا "تم نے اسلم کا الزام اپنے سر لے لیا، میری اور کوثر کی ناراضی مول لی۔ دوسروں کے سامنے ذلیل ہوئے یہ کم بات نہیں ـــــ یہ صرف تم جیسے ہی اعلیٰ ظرف انسان کا حصہ ہے۔"
"کیوں مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو ـــــ میرا فرض یہی تھا اور ظاہر ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"
"فرض کی وجہ ہی سے یہ اتنے دنوں تک پریشان بھی رہے بھیا۔" کوثر نے لقمہ دیا۔
"نہیں، کوئی ایسا خاص پریشان بھی نہیں رہا۔" عامر ہنسا۔
"خیر، پرانی باتوں کو جانے دو ـــــ میں آج خاص طور پر تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔ میرا برتاؤ بہت غلط تھا ـــــ" شوکت نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "سچ کہتا ہوں جب بھی مجھے اس رات کی یاد آتی ہے بس خود پر طیش آنے لگتا ہے۔"
"اس کے علاوہ کوئی اور بات بھی کرو گے؟" عامر نے ہنس کر کہا۔
"ہے ہی کیا اور کچھ کہنے کو ـــــ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"
"اچھا تو میں چلتا ہوں ـــــ" عامر اُٹھنے لگا۔

ناراضی

Scanned by CamScanner

"مونہہ دھو رکھیے ـــ ارے رے ۔الگ ہوکر بیٹھیے، لوگ کیا کہیں گے ؟ وہ گھبرائی۔
"کیا کہیں گے لوگ ـــ انھوں نے تمھیں گھر آتے ہوئے دیکھ ہی لیا ہے۔ آج کے لوگ بہت سمجھ دار ہیں، سب سمجھ گئے ہوں گے۔"
"الگ ہٹ کر بیٹھیے ناں ـــ پلیز اسٹیرنگ ہل جائے گا ـــ" کوثر نے التجا کی۔
"میں پوچھتا ہوں کل رات سرکار کیوں تشریف نہیں لائیں ؟"
عامر نے اس کے جسم سے اٹھتی ہوئی خوشبو سے مست ہو کر پوچھا۔
"آپ کے ہی کام میں لگی ہوئی تھی۔" کوثر نے خود کو سمیٹ لیا۔
"میرا کام ـــ !"
"جی ہاں ـــ بھیّا کو آپ کے بارے میں بتایا۔ وہ تو خود آپ سے ملنے کے لیے بے قرار ہیں۔ ان کے دل میں اس بات نے بڑا گھر کیا ہے کہ آپ نے اسلم کا الزام اپنے سر لے لیا تھا۔"
"اچھا ـــ !" عامر اتنا کہہ کر سوچنے لگا کہ اسلم کئی دن سے اس سے کیوں نہ ملا ؟ آخر کیا بات ہے وہ کیوں نہیں آیا۔
"میں نے اُن سے آپ کے لیے بات کی تو وہ مجھ سے زیادہ اُدھار کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔ کوثر نے کہنی سے ٹھوکا دیا اور عامر چونک گیا۔" بولے میں تو پہلے ہی سے یہ چاہتا تھا۔ اس نالائق کو صبح لے کر آؤ اور جنرل مینیجر والا روم دکھا دو ـــ اس کی جگہ آئندہ وہی ہوگی۔ نالائق کہنے کا برا مت ماننا۔ وہی کہہ رہے تھے میں نہیں کہہ رہی ہوں۔"
"جنرل مینیجر ـــ" عامر گھبرا گیا۔
"جی ہاں ـــ" کوثر نے دفتر کے سامنے کار روک دی۔
"مگر کوثر ـــ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے ـــ میں ہرگز اس اعزاز کے لائق نہیں ہوں۔"
"آپ کیا ہیں اور کس اعزاز کے لائق ہیں ـــ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" کوثر نے شرمیلے لہجے میں جواب دیا۔ "انکار کر کے میرا دل مت توڑیے۔"
"بہتر ہے سرکار تشریف لے چلیے ـــ آج سے آپ مالک، ہم نوکر۔" عامر اتنا کہہ کر اترنے لگا تھا کہ کوثر نے ہاتھ پکڑ لیا۔
"آئندہ ایسا مت کہیے گا ـــ مجھے تکلیف ہوگی۔" کوثر نے نظریں نیچی کر کے کہا۔ "میں آپ کو کبھی نوکر نہیں سمجھ سکتی۔"
"مگر یہ تو حقیقت ہے کوثر ـــ"

"اچھا اچھا بیٹھو ——— میں گفتگو کا موضوع پلٹ دیتا ہوں" شوکت نے بھی ہنس کر کہا۔ اور پھر اس کے آگے سگریٹ کا ڈبہ سرکاتے ہوئے بولا۔ شاید تمہیں علم نہیں ہوگا کہ ہماری اس فرم کے جنرل منیجر چار دن پہلے استعفیٰ دے چکے ہیں"

"یہ بات ان کو نہیں معلوم بھیا" کوثر نے بیتابی سے کہا۔

"لہٰذا وہ جگہ خالی ہے۔ تم سے بہتر شخص جو ہمارے گھر کا سا آدمی ہو، میری نظر میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ میں تم سے التجا کر رہا ہوں کہ تم یہ درخواست قبول کر لو"

"یہ بھی بتا دیجیے کہ یہ خود کو فرم کا خاص آدمی سمجھیں کچھ اور نہیں" کوثر مسکرائی "وہ انھیں کسی کا محکوم بننا پسند نہیں ہے ——!"

"میں جانتا ہوں یہ خوددار آدمی ہیں" شوکت ہنس دیا "ہاں تو عامر ——— یہ لو، یہ رہا تمھارا اپوائنٹمنٹ لیٹر ——— مجھے یقین ہے کہ ریفیوز نہیں کرو گے"

عامر چند لمحے خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ آخر اس نے لفافہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کوثر کو کنکھیوں سے دیکھ کر بولا۔

"تمھاری محبت کا میں دل سے شکر گزار ہوں شوکت ——— میں یہ آفر قبول کرتا ہوں"

کوثر نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ کیونکہ اُسے شبہ تھا کہ عامر غالباً انکار کر دے گا۔ اور شوکت کی بات نہ مانے گا۔

"بس تو جنرل منیجر صاحب ——— آج ہی سے کام سنبھال لیجیے" شوکت نے ہنس کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اب آئیے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں اور دفتر کے سب لوگوں سے ملوا دوں"

شوکت اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر آفس سے باہر لایا اور پھر دفتر کے ملازموں سے فرداً فرداً ملاقات کرانے کے بعد بولا

"ہمارا زیادہ تر کام اکسپورٹ اور امپورٹ کا ہے۔ ہمارے یہاں سے اینٹیک اور براس وغیرہ کا اعلیٰ درجے کا سامان ہندوستان کے گوشے گوشے کی دستکاریوں کے اعلیٰ نمونے اور قدیم زمانے کے پرانے نوادرات باہر کے ملکوں میں بھیجے جاتے ہیں اور غیر ملکوں سے ہم وہاں کا قیمتی سامان یہاں منگواتے ہیں ——— تمہیں گوداموں میں ایسا لاتعداد سامان دیکھنے کا موقع ملے گا"

عامر نے سمجھنے کے انداز میں گردن ہلائی ——— اس عرصے میں وہ ایک ایسی میز کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا جہاں ایک قوی الجثہ شخص جس کا سر بالوں سے بالکل بے نیاز تھا کچھ فائلوں پر جھکا ہوا نظر آیا! عامر کو پہلی ہی نظر میں وہ شخص کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کی آنکھوں

میں سانپ کی آنکھوں جیسی چمک اور سحر پوشیدہ نظر آتا تھا۔

"دامودر۔۔۔ ان سے ملو، تمہارے نئے جنرل منیجر۔۔۔" شوکت نے عامر کا تعارف کرایا۔

اور دامودر گھبرا کر جلدی سے کھڑا ہوگیا۔ اور پھر اس نے عامر کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔

"دامودر ہمارے تمام گوداموں کے انچارج ہیں۔ بہت بھروسے کے آدمی ہیں۔ کون سی چیز کس مقام پر رکھی ہوئی ہے، انہیں ایک ایک بات کی خبر رہتی ہے۔" شوکت نے مزید کہا۔

"تھینک یو سر۔۔۔" دامودر نے شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ میری عزت افزائی فرما رہے ہیں۔۔۔"

"بیٹھ جائیے۔" شوکت نے کہا اور پھر ذرا آگے چل کر عامر سے بولا۔ "تمہارا واسطہ اسی شخص سے زیادہ پڑے گا۔ آدمی اصول کا سخت ہے۔ اگر تمہیں اس کی کوئی بات بری لگے تو نظر انداز کر دینا۔"

عامر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ اور پھر مسکرا کر کونر کو دیکھا جو غور سے دامودر کو دیکھ رہی تھی۔

"اور یہ ہے تمہارا عالیشان آفس۔۔۔" شوکت نے ایک خوب صورت کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باہر جو چپراسی بیٹھا ہوا تھا وہ نئے منیجر کو دیکھ کر گھبرا کر کھڑا ہوگیا اور جلدی سے سلام کر کے اٹینشن ہوگیا۔

"کمرے میں جانے سے پہلے ہمارے فرم کے سب سے پرانے ملازم سے اور مل لو۔" شوکت اتنا کہہ کر ایک بوڑھے شخص کی میز کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔۔۔" یہ ہیں نرائن ساہ۔۔۔ چالیس سال سے ہمارے ساتھ ہیں اور حساب کتاب کرتے ہیں۔ نرائن، تمہارے نئے منیجر صاحب۔"

نرائن فوراً ادب سے کھڑا ہوگیا۔ صورت سے وہ ایک مفلوک الحال پہاڑی شخص لگتا تھا۔ عمر تقریباً ساٹھ کے اوپر ہی تجاوز کر گئی تھی۔ چہرے پر لاتعداد جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود قویٰ مضبوط تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عامر کو نمستے کی اور پھر حیرت زدہ نظروں سے اُسے لگاتار گھورنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو ساہ جی؟" شوکت نے پوچھا۔

"معاف کیجیے گا سرکار" نرائن نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایسا لگتا ہے جیسے میں نے پہلے کبھی منیجر صاحب کو کہیں دیکھا ہے!"

"مجھے۔۔۔!" عامر نے حیرت سے کہا۔۔۔ "نہیں بھئی، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے آپ کو کہیں نہیں دیکھا۔۔۔"

"جی نہیں سرکار۔۔۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے، بس یہ یاد نہیں آرہا۔۔۔"

عامر کے ساتھ ہی شوکت نے بھی قہقہہ لگایا اور نرائن ساہ کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"نہیں نرائن، یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ تم نے منیجر سے ملتی جلتی صورت کا کوئی شخص دیکھ لیا ہوگا۔

"میں معافی چاہتا ہوں سرکار ایسی ہی بات ہوگی۔ پھر مجھے یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔" نرائن نے ہاتھ جوڑ لیے۔

"خیر کوئی بات نہیں ـــــ آؤ عامر آفس میں چلیں۔"

شوکت نے اتنا کہہ کر عامر کے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی کوثر نے بھی تقلید کی۔ عامر کمرے کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ بہترین ساز و سامان سے مزین ایک اعلیٰ درجے کا آفس تھا۔ ایسا کمرہ، جس میں بیٹھنے کا خواب عامر عرصے سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔ بہترین آفس جس کی عالی شان گھومنے والی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس کی شخصیت ہی کچھ اور نکھر آئی۔

"یہ تمہاری میز ہے ـــ" شوکت نے ایک بے حد خوب صورت، طویل و عریض اور سجی ہوئی میز کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کو پسند آیا اپنا کمرہ ـــ" کوثر نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"بہت اچھا ہے ـــ" عامر واقعی متاثر ہوا تھا۔ "میں درحقیقت اس مہربانی اور محبت کے لائق نہیں تھا جو آپ دونوں نے کی ہے۔"

بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر شوکت نے کچھ سوچ کر کوثر سے کہا۔

"میں کچھ خاص اور اہم کاروباری باتیں عامر سے کرنا چاہتا ہوں اگر میں تمہیں چلے جانے کو کہوں تو برا تو نہیں مانو گی۔"

"ہرگز نہیں بھیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آفس ہے گھر نہیں جہاں میں گھنٹوں بے فکری سے بیٹھی رہتی ہوں۔ کوثر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔" اچھا عامر میں شام کو پانچ بجے لینے آجاؤں گی۔ نمائش چلیں گے۔"

عامر نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہا۔ اور پھر کوثر اشاروں ہی اشاروں میں شام کا وعدہ لے کر رخصت ہو گئی تو شوکت نے کہا۔

"میں براہ راست ایک خاص معاملہ کی طرف آرہا ہوں عامر۔ اور یہ معاملہ دراصل اسلم سے تعلق رکھتا ہے۔ بتا سکتے ہو کہ اسلم آج کل کہاں ہے؟"

" مجھے خود بھی تعجب ہے۔ اسے تو ہم سے ملے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا، نہ جانے کیا چکر ہے"

"شاید وہ ملتے ہوئے کترا رہا ہے، میرے پاس بھی کئی دن سے نہیں آیا ہے؟" شوکت نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ چونکہ وہ خود کو مجرم سمجھتا ہے اور شرمندہ ہے لہٰذا گھبراہٹ اور شرمندگی کے باعث ملنے کی کوشش نہیں کرتا۔" عامر نے جواب دیا۔

"کہیں وہ الموڑے تو نہیں چلا گیا۔ ؟" شوکت نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے اس

نے سوچا ہو کہ منجو سے معافی مانگ لے اور یوں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے۔"
"ہو سکتا ہے لیکن میں نے تو کوثر سے سنا تھا کہ وہ راتوں رات ہی کہیں چلی گئی تھی۔ شاید وہ اب المونڑے میں ہے ہی نہیں۔!"
"اگر ایسا ہے تو پھر یہ سب سے عمدہ بات ہے۔" شوکت نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ اسلم اگر منجو سے ملے گا تو اس کے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں گے۔ وہ اس بات کو کبھی نہ بھول سکے گی کہ اسلم نے اس کی عزت لوٹی تھی۔ لازمی طور سے وہ اسے برا بھلا کہے گی ہو سکتا ہے کہ بات ایک سے دوسرے تک پہنچ جائے، معاملہ بڑھ جائے اور اسلم کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔
"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔" عامر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں نے اندازہ لگایا تھا کہ پردین اسلم کو بہت چاہتی ہے مگر اسلم پر نہ جانے کونسا شیطان سوار ہوا کہ وہ جان بوجھ کر منجو کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا اور اب شاید پچھتا رہا ہے۔"
"خیر میرا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ اگر اسلم المونڑہ نہ گیا ہو۔ جس کا مجھے یقین ہے کہ نہ گیا ہوگا، تو پھر تم اسے منع کرو کہ وہ معافی وافی کے چکر میں مت پڑے۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ وہ اس حادثے کو بھول جائے اور سوچ لے کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ ہمارا دوست ہے غلطی ہم سے بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اس سے ہو گئی ہے تو ہمیں اسے بھولنا ہوگا اور اس سے چشم پوشی کرنی پڑے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم میرے خیال سے متفق ہو گے۔"
اور عامر نے کافی دیر تک سوچنے کے بعد شوکت کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اس نے بھی یہی سوچا تھا کہ اگر اسلم المونڑہ جا کر منجو سے ملتا ہے تو بات یقیناً بڑھ جائے گی۔ منجو اپنی عزت لوٹنے والے کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ اس کا کوئی بھی اقدام یقیناً اسلم کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ اور ممکن ہے اس طرح اس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے!
اس نے تہیہ کر لیا کہ اگر اسلم دلی ہی میں ہوا، تو پھر وہ خود اس کے گھر جا کر اسے صورت حال سے مطلع کر دے گا!

"اس کے علاوہ بھی مجھے تم سے ایک خاص بات کہنی ہے۔" شوکت نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے عامر کو اس کے خیالات سے چونکا دیا۔
"اچھا۔ کیا بات ہے؟"
"یہ میری نجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے عامر! تمہیں اس فرم میں لانے سے میرا مقصد کچھ اور بھی ہے۔ چاہے تم اسے مطلب کہہ لو یا ضرورت۔ بہر حال حقیقت یہی ہے کہ تمہارے یہاں آجانے سے مجھے بہت بڑا سہارا مل جائے گا۔ اور میں کسی حد تک

محفوظ ہو جاؤں گا۔"

"محفوظ۔! میں سمجھا نہیں۔" عامر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں عامر۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔" شوکت نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سرگوشی سے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو شوکت۔؟" عامر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں عامر یہی حقیقت ہے۔ کچھ لوگ مجھے کروڑپتی سمجھ کر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ مجھے پھنسوانا چاہتے ہیں۔ مجھے ہر ہفتہ فون پر ایک بھرّائی ہوئی آواز سنائی دیتی ہے جو مجھ سے اُلٹے سیدھے مطالبے کرتی ہے اور مجھے وہ مطالبات پورے کرنے پڑتے ہیں۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" عامر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"بتا کر کرتا بھی کیا اور پھر مجھے فائدہ بھی کیا ہوتا۔ میں تم سے شرمندہ تھا لہذا کیا کہتا۔"

"خیر یہ تم نے اچھا کیا کہ مجھے سب کچھ بتا دیا۔ ہم دونوں مل کر اس مشکل کا حل نکالیں گے۔"

عامر اتنا کہہ کر کچھ سوچنے لگا اور پھر شوکت سے کافی دیر تک معلومات حاصل کرتا رہا۔ شام کو آفس کے بعد وہ پہلے گھر گیا تاکہ نمائش چلنے کی تیاری کر سکے۔ دراصل وہ اسی دن اسٹال کے مالکان کو اپنا استعفیٰ پیش کر دینا چاہتا تھا۔ اماں کو جا کر اس نے جب یہ خوش خبری سنائی کہ وہ ایک بہت بڑی فرم میں جنرل منیجر ہو گیا ہے تو وہ خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ تنخواہ جو اپوئنٹمنٹ لیٹر میں درج تھی، جب اس نے اماں کو بتائی تو وہ بھونچکی رہ گئیں۔ کیونکہ پانچ ہزار روپے کچھ کم نہیں ہوتے۔ ابھی اماں نے فرم کے بارے میں تفصیل سے کچھ پوچھا بھی نہیں تھا کہ کرشنا کوثر کو ساتھ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہاں ہاں بھیا موجود ہیں۔ دیکھ لیجیے یہ بیٹھے ہوئے ہیں۔"

کوثر اماں کو سلام کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور پھر اس نے عامر کے ساتھ ہی اماں اور کرشنا کو مبارک باد دی کہ عامر کو ایک بڑی فرم میں جنرل منیجر کی ملازمت مل گئی ہے۔ کوثر کار میں آئی تھی اور بضد تھی کہ نمائش فوراً چلا جائے۔ اماں کو یہ لڑکی کچھ اتنی بھا گئی تھی کہ انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا، کچھ دیر تک اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔ پھر عامر سے بولیں۔

"اچھا مجھے باقی باتیں بعد میں بتا دینا، اب تم ان کے ساتھ جاؤ، مجھ سے تو پھر بھی باتیں کر سکتے ہو مگر کوثر روز روز کب آتی ہیں۔؟"

"ہاں اماں۔ جانا تو پڑے گا ہی، آج اسٹال میں استعفیٰ بھی دینا ہے۔" عامر نے کہا۔

"کرشنا تم بھی چلو۔" کوثر نے اس خیال سے کہ کہیں کرشنا محسوس نہ کرے کہا۔

"مجھے معاف کیجئے، مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔" کرشنا نے اتنا کہنے کے بعد کوثر کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "اور پھر بھابی، میں کباب میں ہڈی بننا بھی نہیں چاہتی۔"

کوثر تو شرما گئی اور کرشنا نے محبت سے اس کا ہاتھ بھینچ لیا۔ اماں محبت بھری نظروں سے باری باری کوثر اور عامر کو دیکھتی رہ گئیں کیونکہ سچ بات یہ ہے کہ انھیں اپنی ہونے والی بہو بہت پسند آگئی تھی اور وہ دل ہی دل میں خدا سے دعا کر رہی تھیں کہ کاش ان کی دلی تمنا جلد پوری ہو جائے!

"آج آپ ڈرائیو کریں گے مینیجر صاحب۔" کوثر نے باہر آکر چابی عامر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔؟"

"آپ کی بیتابی بڑھ جاتی ہے اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔" اس نے حیا آلود لہجے میں کہا۔

"پھر مجھے کار چلانا منظور نہیں ہے۔" عامر نے چابی واپس کرتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں، اب ایسا ہی ہوگا۔ میں شیورلیٹ نہیں لائی ہوں بلکہ نئی فیئٹ کار ہے۔ اس کی چابی آپ کے پاس رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ کار اب آپ کے پاس ہی رہے گی۔"

"نہیں نہیں۔ یہ بات غلط ہے۔" عامر نے گھبرا کر کہا۔

"کیا آپ کو میری خوشی منظور نہیں ہے۔" کوثر کا منہ بن گیا۔

"یہ بات نہیں کوثر۔ لیکن احسانوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تم نے اتنے احسانوں سے مجھے لاد دیا ہے کہ میں اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں۔ میں اتنی عزت کے لائق نہیں ہوں۔ میرے دامن کو احسانات سے اس قدر نہ بھرو کہ یہ دامن ہی پھٹ جائے۔" عامر نے چابی اس کے ہاتھ میں زبردستی تھما دی۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ پر احسان کر رہی ہوں۔" کوثر نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "آپ اسے احسان سمجھتے ہیں!"

عامر خاموش رہا۔

"بہتر ہے۔" کوثر نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اور اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیئے۔"

عامر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا، کوثر کا منہ پھولا ہوا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کیا کرے، کیا نہ کرے؟ کوثر نے تو جیسے احسانات کی یلغار کر دی ہے۔ وہ کس طرح اسے سمجھائے کہ وہ ان مراعات کا اہل نہیں ہے، اسے اپنی غربت سے پیار ہے اور وہ اتنا اونچا نہیں اڑنا چاہتا کہ اس کے بازو ہی شل ہو جائیں!

کار تلک برج سے مڑ کر متھرا روڈ پر آگئی تھی۔ نمائش کی روشنی دور ہی سے نظر آنی شروع ہو گئی تھی۔

عامر نے دیکھا کہ کوثر کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر آرے چلانے شروع کر دیئے ہیں۔ اسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ کوثر ضدی ہے لیکن اس قسم کی لڑکیوں سے اسے ہمیشہ وحشت ہوتی تھی۔ ایسی لڑکیاں اپنی بات منوانا تو جانتی ہیں مگر دوسروں کے جذبات کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، نمائش کا صدر دروازہ آگیا۔ کوثر نے کار پارک کی۔ بولی کچھ نہیں۔ آگے بڑھ کر اس نے ٹکٹ لینے کی کوشش کی مگر عامر نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ گیٹ پاس اس کے پاس موجود ہیں۔

عامر پھر اپنے اسٹال میں پہنچا۔ استعفیٰ وہ لکھ کر لایا ہی تھا۔ لہٰذا ورما کو استعفیٰ دے کر اور اسے سمجھا کر واپس آگیا۔ کوثر اسٹال کے باہر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ابھی تک وہ خاموش ہی تھی منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ ورما کو استعفیٰ پر حیرت تو ضرور ہوئی تھی اور اس نے عامر سے دریافت بھی کیا تھا لیکن عامر نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ اسے بہتر ملازمت مل گئی ہے۔ کل صبح وہ آکر چارج دے دیگا۔

نمائش میں وہ دونوں بے مدعا ٹہلتے رہے۔ عامر نے محسوس کیا کہ وہ دونوں جدھر بھی جاتے لوگ کوثر کو دیکھنے کے لیے رک جاتے تھے۔ وہ اس کے حسن کی خاموش داد دیتے تھے۔ ایسے وقت عامر کا سینہ فخر سے تن جاتا۔ کوثر منہ پھلائے ہوئے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ عامر مسکراتا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ کتنی عجیب لڑکی ہے، کیا وہ اس کا کہنا مان لے اور اسے رام کر لے، کئی بار اس نے کسی ریسٹورنٹ میں چلنے کے لیئے کوثر سے کہا مگر اس نے ہر بار انکار کر دیا اور آخر عامر کو مجبوراً واپس گھر چلنے کے لئے کہنا پڑا۔

کوثر نے بات مان لی اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں کار میں بیٹھے ہوئے تلک برج کے نیچے سے گزر رہے تھے۔ کوثر نے دلی گیٹ کی طرف جانا چاہا تو عامر نے فوراً کہا۔

"ڈرائیور صاحبہ اگر رنگ روڈ سے چلیں تو آپ کی بہت عنایت ہوگی۔"

کوثر نے حکم کی تعمیل کی۔ رنگ روڈ پر ٹریفک کم رہتا ہے اور عموماً یہ سڑک اندھیرے میں ڈوبی رہتی ہے۔ کچھ ہی دور چلنے کے بعد عامر کھسک کر اس کے قریب آگیا۔

"براہ کرم مجھ سے دور رہیئے۔" کوثر نے خود کو سمیٹ لیا۔

"اب اتنے نزدیک آکر دور کیسے جا سکتا ہوں محترمہ؟"

"مجھ سے بات مت کیجیئے۔" کوثر خشک لہجہ میں بولی۔

"محترمہ یہ اداکاری مجھ سے تو چل نہیں سکتی۔" عامر ہنسا "ویسے بات کرنی یوں بھی ضروری ہے کہ آپ خواہ مخواہ میری کار اڑائے لیئے چلی جا رہی ہیں۔ ارادے تو نیک ہیں آپ کے؟"

کوثر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اور اب ان میں شکایت

کی جھلک بھی نظر آرہی تھی۔

"جی ہاں، میں ٹھیک عرض کر رہا ہوں۔ اب اگر تکلیف نہ ہو تو دو منٹ کے لیے روک لیں۔"

کوثر نے کار روک لی۔ مگر عامر کی جانب نہ دیکھا۔

"اب اگر اجازت دیں تو میں آپ کے یہ آنسو پونچھ دوں۔" عامر کے اتنا کہتے ہی کوثر نے اپنے ہاتھ یہ آنسو پونچھنے کے لیے بڑھائے۔

"جی نہیں ہاتھوں سے نہیں۔ یہ تو میرا کام ہے میں خود ہی یہ تکلیف کر لوں گا۔"

اتنا کہتے ہی عامر نے کوثر کو آغوش میں لے لیا۔ اس نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی۔ عامر نے ہونٹوں سے اس کی آنکھیں چوم لیں اور پھر اس کے بعد انگارے جیسے ہونٹ۔ کوثر بے اختیاری میں اس سے لپٹ گئی تھی اور جب چند لمحے بعد وہ دونوں الگ ہوئے تو وہ نظریں نیچی کیے شرما رہی تھی۔

"مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا کہ تم یہ چاہتی تھیں۔ ناحق اتنا وقت ضائع کیا۔ اور بیکار میں اتنی دیر تک روٹھی رہیں!" عامر مسکرایا۔

"آپ مجھے بہت جلاتے ہیں۔" کوثر نے شکوہ کیا۔ "کیا ملتا ہے اس سے؟"

"یہی جو اس وقت ملا ہے سکونِ قلب اور رسیلے ہونٹوں کی مٹھاس۔ ویسے تو تم قریب بھی آنے نہیں دیتیں۔"

"میں صرف آپ کی ہوں۔ کیا یہ بات آپ بھول جاتے ہیں؟"

"ہاں بعض دفعہ بھول جاتا ہوں۔ قدرت میرے ساتھ اس قدر فیاضی برتے گی یہ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" عامر نے کہنا شروع کیا۔ "بعض دفعہ تو مجھے اپنی خوش قسمتی سے ڈر لگنے لگتا ہے۔ یونیورسٹی میں اور پہاڑ پر تم نے جو برتاؤ روا رکھا تھا اسے ذہن میں رکھتے ہوئے یقین ہی نہیں آتا کہ میں جاگ رہا ہوں۔ یوں لگتا ہے گویا خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں بہت ہی غریب انسان ہوں کوثر۔ تم اس طرح مجھے عزت بخشو گی، سچ کہتا ہوں مجھے یہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سچ ہے۔"

"خیر اب تو آپ کو یقین آ گیا کہ یہ خواب نہیں ہے!" کوثر نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں خواب تو نہیں ہے ابھی تک میرے ہونٹوں پر شیرینی باقی ہے! لیکن جی چاہتا ہے کہ کاش یہ خواب ہوتا اور میری آنکھ کبھی نہ کھلتی۔" عامر نے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہے کوثر۔"

"اب آئندہ تو مجھے پریشان نہیں کریں گے۔" کوثر نے فہمائشی لہجے میں پوچھا۔ وہ بار بار پلکیں جھپک رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ لو کان پکڑتا ہوں۔"

کوثر ہنس دی۔

"یہ بات ثابت کرنے کے لئے میں اب ڈرائیونگ سیٹ پر آجاتا ہوں۔ میری چابی مجھے دیدو۔" کوثر دروازہ کھول کر آنے لگی تھی کہ عامر نے اسے جلدی سے دبوچ کر ہلکی سی گڑیا کی طرح اٹھا کر اپنے دائیں طرف بٹھا دیا۔ ایک بار گلاب کی پنکھڑیوں کو چوما اور پھر چابی لگا کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس مصیبت کو کھڑا کہاں کروں گا؟"

"اس کا علاج بھی سوچ لیا گیا ہے۔" کوثر نے ہنس کر جواب دیا "ماڈل ٹاؤن میں کوٹھی نمبر ۱۲ کا گیرج اس کار کے لئے مخصوص ہے۔"

"کوٹھی نمبر ۱۲۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ . . . " عامر گھبراہٹ کے باعث فقرہ مکمل نہ کر سکا۔

"مطلب یہی ہے کہ منیجر صاحب اسی کوٹھی میں رہیں گے"۔ کوثر نے بات پوری کر دی۔ "وہ کوٹھی ان ہی کی ہے۔ سمجھ گئے آپ؟"

"مگر کوثر۔ وہ۔ دراصل۔"

"آپ وعدہ کر چکے ہیں"۔ کوثر نے تنبیہہ کی۔

"اوہ۔ یہی تو حماقت ہو گئی۔ لیکن اماں اور کرشنا۔؟"

"وہ بھی وہیں رہیں گی۔ آج سے اس کرائے کے مکان کی چھٹی" کوثر نے اٹھلا کر عامر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ مکان۔ اس مکان کا کیا ہوگا؟" عامر نے پوچھا۔

"دو تین دن کے اندر ہی نارائن ساہ اس مکان کے سامان کو کوٹھی میں منتقل کر دیں گے۔ آپ بے فکر رہیئے آپ کو یا اماں جی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کوٹھی میری ملکیت ہے لہذا آپ کا سوچنا بے کار ہے۔"

کوثر نے کچھ اس انداز سے کہا تھا کہ عامر کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر کوثر کو اپنے قریب کر لیا اور پھر اس پر جھکنا چاہتا ہی تھا کہ کوثر چیخی۔ "کیا کر رہے ہیں —— میرا بیمہ نہیں ہوا ہے کسی بھی جگہ ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے۔ سیدھے چلیئے۔"

اماں کو جب یہ پتہ چلا کہ عامر کوثر کی ہی فرم میں اعلیٰ مقام پر فائز ہو گیا ہے تو وہ بے حد خوش ہوئیں۔ ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی میں منتقل ہونے کی بات سنی تو جیسے انھیں سکتہ سا ہو گیا۔ انھیں بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ کوثر ان کے عامر پر اس قدر مہربان ہو گی۔ لیکن وہ چونکہ اب کوثر اور عامر کو ایک ہی سمجھتی تھیں لہٰذا ان باتوں کو حالات کے عین مطابق سمجھنے لگی تھیں۔

عامر اس دن گھر ہی میں تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تھک ہار کر گھر میں آ کر بیٹھا تھا۔ علی الصبح وہ اسلم کو تلاش کرنے اس کے مکان پر گیا تھا۔ پڑوسیوں سے پتہ چلا کہ وہ کئی دن سے گھر نہیں آیا۔ اسلم کی ماں سے پوچھا تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ کسی ضروری کام سے شہر کے باہر گیا ہے!

ضروری کام —! عامر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ضروری کام کیا ہو سکتا ہے! منجو اور پروین کو تلاش کرنے اور ان سے اپنے کیے کی معافی مانگنے کے بعد ہی وہ دلی واپس آئے گا۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ اسلم کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ کوثر حسب وعدہ آگئی۔ اماں کو سلام کرنے کے بعد وہ خود بخود ان کے قریب آگئی اور تب انھوں نے لپک کر اسے سینے سے لگا لیا۔ عامر کنکھیوں سے اس قیامت کو دیکھتا رہا۔ ہلکی فیروزی ساڑی میں وہ کوئی آسمانی حور معلوم ہو رہی تھی۔ صرف ایک نظر اس نے عامر پر ڈالی اور پھر کرشنا سے باتوں میں مشغول ہو گئی۔

"آپ کے لیئے ناشتہ لاؤں؟" کرشنا نے بڑی محبت سے دریافت کیا۔ کوثر اسے بہت زیادہ پسند آگئی تھی اسی لیے خاطر مدارات میں کوئی کسر چھوڑنا نہ چاہتی تھی۔

"نہیں کرشنا۔ میں ناشتے کے لیے نہیں، بلکہ ایک ضروری کام کے لیئے آئی ہوں۔" کوثر نے جلدی سے کہا۔

"کون سا کام —؟" اماں نے پوچھا۔

"اماں جی! میں نے عامر سے کہہ دیا تھا کہ آج اس گھر کے سب سامان کو ماڈل ٹاؤن لے جانا ہے۔ نرائن ساہ باہر ٹیمپو لیے کھڑے ہیں۔"

"ارے!" عامر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ "مگر اتنی جلدی؟"

"جی ہاں، نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیئے۔" کوثر نے مسکرا کر کہا اور پھر نرائن کو بلانے باہر کی طرف جانے لگی۔ عامر بھی لپک کر ساتھ ہو لیا اور اس طرح بولا کہ کوئی سن نہ سکا۔

"ایک نیک کام اور بھی تو ہے محترمہ!"

"کونسا؟" کوثر آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی اور عامر کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

"ہمارا تمہارا ایک بندھن میں بندھنے والا کام — اس میں تو تم دیر کر رہی ہو۔ کہو تو قاضی جی کو بھی ساتھ لے چلیں؟"

"بس خاموش!" کوثر نے شرما کر گردن جھکی اور پھر باہر کھڑے ہوئے نرائن کو اندر آنے کے لیے کہا۔

اماں اور کرشنا اس اچانک منتقلی سے کبیدہ خاطر نظر آنے لگی تھیں۔ مگر پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئیں کہ اس گھر کے بدلے میں ایک اعلیٰ درجے کی کوٹھی ملے گی۔ نرائن ساہ اب اندر آ چکا تھا اور گھر کے سازوسامان کو اس انداز سے دیکھ رہا تھا گویا سوچ رہا ہو کہ اسے پہلے کونسا سامان لے جانا چاہیئے۔ اس کے بعد یکایک اسے احساس ہوا کہ اس نے عامر کی ماں کو سلام تو کیا ہی نہیں۔ یہ سوچ کر جیسے ہی اس نے اماں کو دیکھا یک لخت سن ہو کر رہ گیا۔ اس کی نظر اماں پر جمی کی جمی ہی رہ گئی۔ لب کچھ کہنے کے لیے کھلے مگر پھر فوراً ہی بند ہو گئے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ عامر کی ماں کو اس نے کہیں دیکھا ضرور ہے۔ خود میں بڑی ہمت کر کے اس نے صرف اس قدر کہا۔

"سلام بیگم صاحبہ!"

اماں نے گھبراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ کیونکہ وہ بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ اس بوڑھے شخص سے وہ پہلے بھی کہیں مل چکی ہیں۔ وہ تو خیر گزری کہ عامر، کوثر اور کرشنا ذرا دور کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے ورنہ ان کی نظر سے اماں کی بے اختیاری ہرگز نہیں چھپ سکتی تھی۔

"معاف کیجیئے گا — لیکن — لیکن آپ ہی ہیں نا — ؟" نارائن ساہ نے اس انداز سے جس میں مخاطبہ کے لیے عزت اور ادب موجود تھا دریافت کیا۔ وہ اماں کے سامنے ہاتھ باندھ کر مودب ہو گیا۔

"نہیں — میں وہ نہیں ہوں — ؟" اماں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ اس عرصہ میں نرائن سامنے دیوار پر آویزاں وہ بڑی تصویر دیکھ لی تھی جس کے بارے میں ماں نے عامر کو بتایا تھا کہ وہ اس کے والد کی ہے۔

"پھر خان بہادر صاحب کی تصویر کا اس گھر میں ہونے کا کیا مطلب ہے مالکن۔" نرائن نے بے تابانہ انداز سے خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کے لیے قبول کر لیجیئے مالکن کہ آپ وہی ہیں۔"

آپ کو اپنے سورگیہ پتی کی سوگندھ مجھ سے کہہ دیجئے کہ آپ وہی ہیں۔"

عامر کی ماں اس طرح آنکھیں بند کیئے کھڑی تھیں گویا دل میں اٹھتے ہوئے طوفان کو ان آنکھوں سے دیکھنا نہ چاہتی ہوں۔ ان کی آنکھوں کے گوشوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر عامر کو دیکھا۔ وہ دروازے ہی میں تھا اور پھر وہ آہستہ سے نرائن ساہ سے بولیں۔

"بے شک میں وہی ہوں نرائن۔ مجھے یقین ہے تمہارا یہی نام ہے۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ میں نرائن ساہ ہی ہوں۔" نرائن نے بچوں کی سی مسرت کے ساتھ کہا۔

"تو سن لو۔ بے شک میں وہی ہوں۔ مگر میں کبھی کی مر چکی ہوں۔ میرا وہ روپ ختم ہو چکا ہے۔ تم مجھے عامر کی ماں کی حیثیت سے جانو گے۔"

"میں تو مالکن، عامر بابو کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ ان سے خان بہادر صاحب کی بہت شکل ملتی ہے۔" نرائن نے کہا۔ "مگر معاف کیجئے آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں آپ کو وہ کہہ کر نہ پکاروں جو آپ ہیں۔"

"اس لیے کہ مصلحت اسی میں ہے۔" اماں نے سرگوشی سے کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ عامر پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا ذرا بھی بال بیکا ہو اور دشمن اسے سب طرف سے گھیر لیں۔ اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے میں گمنامی میں رہ رہی ہوں۔ اسی لیئے نہیں چاہتی کہ تم مجھے آئندہ پہچانو۔ سمجھ گئے نارائن؟"

"سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا۔ بھگوان نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔" نرائن نے خوشی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ بات عامر بابو کے لیے بہت بری ہے۔ آپ ان کی زندگی کیوں تباہ کر رہی ہیں؟"

"زندگی بنا رہی ہوں۔ تباہ نہیں کر رہی۔ ایک ماں اپنے بیٹے کے لیئے کیا کر سکتی ہے اور اسے کیا کرنا چاہیئے یہ سوچنا ماں کا کام ہے تمہارا نہیں۔ اچھا خاموش، وہ سب ادھر آرہے ہیں۔ دیکھو میں پھر تنبیہہ کرتی ہوں کہ یہ راز راز ہی رہنا چاہیئے۔"

"آپ بے فکر رہیئے مالکن۔"

"کیا طے ہوا اماں۔" عامر اس عرصے میں وہاں آچکا تھا۔ "کیوں نرائن، کون سا سامان تم پہلے یہاں سے لے کر جاؤ گے۔"

"سب سے پہلے آپ کے والد صاحب کی تصویر عامر بابو۔" نرائن گویا چہکنے لگا۔ لیکن اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیوں۔؟" عامر نے تعجب سے پوچھا۔

"نئے گھر میں سب سے پہلے بڑے مالک کے قدم پڑنے چاہئیں نا۔"

"اوہ —" عامر ہنسا۔ "یہ بات ہے۔"

"یہ شگونوں کے بہت قائل ہیں۔" کوثر نے بھی ہنسی کے درمیان کہا۔ اس کا دل باغ باغ ہوا جا رہا تھا کہ آخر عامر عمدہ جگہ منتقل ہو رہا ہے۔

گھر کا سامان ہی کیا تھا، چند منٹ کے اندر اندر پورا گھر خالی ہو گیا، پھر بھی اتنا سامان ضرور بچا کہ اسے دوسرے پھیرے میں لے جانے کی کہہ کر نرائن شاہ وہاں سے چلا گیا۔ کوثر نے عامر کو بھی اس کے ساتھ زبردستی بھیج دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ عامر بھی اپنی آنکھوں سے کوٹھی دیکھ لے۔

عامر اور نرائن کے جانے کے بعد گھر میں وہ تینوں اکیلی رہ گئیں۔ کمرے میں کافی گھٹن تھی۔ لہٰذا فرش پر کرشنا نے چٹائی بچھا دی اور پھر اماں نے کوثر سے کہا کہ وہ چٹائی پر بیٹھے۔ لیکن کوثر نے پہلے اماں اور کرشنا کو بٹھایا اور پھر خود بھی بیٹھ گئی۔ شاید یہ پہلا موقع تھا جب کہ وہ اتنی دیر تک گھر میں رہی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے عامر کو بلانے آئی اور چلی گئی۔ اماں نے یہ سوچ کر کہ اپنی ہونے والی بہو کے بارے میں انھوں نے ابھی تک کچھ دریافت نہیں کیا ہے، گفتگو شروع کی۔

"کوثر بیٹی —" اماں نے اس کا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "تم دو ایک بار ہی مجھ سے ملی ہو لیکن اتنی چھوٹی سی ملاقات سے ہی تم جیسے میرے دل میں سما گئی ہو۔ عامر کو تم نے پسند کیا، یہ میرے لیے بڑے فخر کی بات ہے۔ تم جیسی خوب صورت اور شریف لڑکی میرے بیٹے کو اتنا پیار کرتی ہے، یہ سماج کے لیے بری بات ہو تو ہو لیکن میرے اور عامر کے لیے واقعی غرور کی بات ہے۔"

"آپ — آپ تو مجھے شرمندہ کر رہی ہیں اماں جی۔" کوثر نے اس ذکر سے شرماتے ہوئے کہا۔

"شرمندگی کی کیا بات ہے۔" کرشنا نے اسے ٹھوکا دیا۔ "ابھی آپ میری بھابی بھی کب بنی ہیں جو شرمائیں شادی کے دن اور بعد میں شرمایا جاتا ہے جب بھابی بن جائیں گی تب جی بھر کر شرما لینا۔"

کوثر اتنا سنتے ہی پھر بری طرح لجا گئی۔

"دق مت کرو ان کو۔" اماں نے پیار میں کرشنا کو ڈانٹا اور پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "بیٹی میں دراصل تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"جی پوچھیئے۔" کوثر نے سعادت مندی سے سر جھکا لیا۔

"آج کا زمانہ بہت عجیب ہے۔ شرافت اور کیریکٹر کو کوئی نہیں دیکھتا، سب دولت کو دیکھتے ہیں اور دولت کے ہی پجاری ہیں۔" اماں نے کہنا شروع کیا۔ "تم جانتی ہی ہو کہ ہم لوگ غریب ہیں۔ عامر پر جو تم احسانات کر رہی ہو۔۔۔۔"

"اماں جی — خدا کے لیے انھیں احسان مت کہیئے۔ وہ بھی مجھے بار بار اسی کا طعنہ دیتے ہیں۔" کوثر

کا منہ بن گیا۔

"تم واقعی بہت بڑے دل والی لڑکی ہو۔ اچھا میری غلطی سہی۔ میں احسان کے بجائے مہربانی اور ہمدردی کے الفاظ استعمال کر لیتی ہوں۔" اماں نے پرستائش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "دراصل میرا مقصد یہ ہے کہ تم جیسی اعلیٰ خاندان کی لڑکی، میرے غریب بیٹے کے ساتھ خوش رہ سکے گی؟ کیا ٹاٹ میں مخمل کا پیوند لگ سکے گا۔"

"میں اس کا کیا جواب دوں اماں جی۔" کوثر نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتی ہوں کہ پہلے میں نے ان کو جگہ جگہ پریشان کیا ہے۔ کالج میں، پہاڑ پر، جہاں بھی موقع ملا، میں ان کی بے عزتی کرنے سے باز نہ آئی۔ پھر میں نے ان کا کیریکٹر دیکھا۔ میری بے ادبی معاف کیجیے گا کہ اس طرح کھل کر آپ سے بات کر رہی ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے انھیں بالکل فرشتہ پایا۔ وہ اتنے اچھے اخلاق کے مالک ہیں کہ شاید ہی کوئی دوسرا اس دنیا میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں اب آپ کے قدموں میں آگئی ہوں۔ ورنہ مجھے جاننے والے جانتے ہیں کہ میں بے حد مغرور اور خود سر لڑکی تھی۔"

"بہت خوب۔" اماں نے خوش ہو کر کہا۔ "میں تمہارے جواب سے بے حد خوش ہوئی۔ لیکن بیٹی دراصل میرا مطلب کچھ اور تھا۔"

"فرمائیے۔" کوثر نے نظریں نیچے کیے کیے کہا۔

"ٹاٹ میں مخمل کے پیوند کی بات اس لیے کہی تھی کہ ہو سکتا ہے جو خیالات تمہارے ہوں، وہ تمہارے والدین کے نہ ہوں۔"

"آپ ان کی فکر مت کیجیے کیونکہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں؟" کوثر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"اوہ! بڑے دکھ کی بات ہے لیکن کوئی تو ہوگا ہی؟" اماں جان بوجھ کر کرید رہی تھیں۔

"میرے بھیا ہیں اور انھیں میری پسند پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ میں ان کی ایک ہی بہن ہوں۔" کوثر نے شوکت کا ذکر بہت فخر سے کیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" اماں نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن وہ کرتے کیا ہیں؟"

"ان کے کچھ کارخانے ہیں، امپورٹ ایکسپورٹ کی فرم ہے جس میں انھوں نے خود عامر کو جنرل منیجر کی جگہ دی ہے۔ چند ریسٹورنٹ ہیں اور کافی بڑی جائداد کے علاوہ الموڑہ میں سیب کے باغات اور ایک عالی شان کوٹھی بھی ہے۔"

"کیا کہا۔ سیب کے باغ اور عالی شان کوٹھی بھی ہے؟" اماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "الموڑہ میں!"

"جی ہاں۔ سیب اور خوبانی کے باغات!" کوثر نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"سیب کے باغ!" اماں چند لمحوں تک سوچتی رہیں اور پھر کوثر کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارے

بھائی کا نام کیا ہے؟"

"شوکت۔ بہت اچھے بھائی ہیں میرے آپ ان سے مل کر یقیناً خوش ہوں گی۔"

کوثر نے معصومیت سے جواب دیا۔ لیکن شوکت کا نام سنتے ہی اماں کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ ایک بار اسلم نے دوران گفتگو میں انھیں شوکت کے بارے میں بتایا تھا اور تبھی انھوں نے اسلم کو منع کر دیا تھا کہ وہ شوکت سے دور رہے اور عامر کو بھی دور رکھے۔ کوثر نے محسوس کیا کہ بھائی کا نام سنتے ہی اماں کی آنکھوں میں نفرت کے سائے اچانک بڑھ گئے ہیں۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کرشنا یکایک بیٹھے بیٹھے گر گئی۔ ایسا لگتا تھا گویا اسے غش آ گیا ہو۔

"ارے! اسے کیا ہوا؟" اماں نے جلدی سے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ "کرشنا۔ کرشنا بیٹی، کیا ہوا؟"

"ٹھہریے۔ شاید گرمی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے۔" کوثر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"باہر ایک ڈاکٹر کی دکان ہے، میں اسے لے کر آتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ اماں اسے منع کرتیں، کوثر دروازے سے باہر جا چکی تھی مشکل سے چند منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ وہ ڈاکٹر کو لیے ہوئے اندر آئی۔ ڈاکٹر جلدی سے کرشنا پر جھک گیا۔ اسٹیتھسکوپ سے اس نے کرشنا کا اچھی طرح معائنہ کیا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر اماں سے کہنے لگا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب۔" اماں نے حیرت سے پوچھا۔

"تعجب ہے کہ آپ تجربہ کار ہو کر بھی نہیں سمجھیں۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ ان دنوں میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔"

"ان دنوں میں!" اماں بڑبڑائیں۔

"مبارک ہو آپ کی بہو ماں بننے والی ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا اور پھر اٹھ کر اپنا بیگ سنبھالنے لگا۔ کوثر اس کو فیس دے ہی آئی تھی لہٰذا وہ اسے اور اماں کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

اماں بہت دیر تک گم سم بیٹھی رہیں اور کوثر کے دماغ پر جیسے ہتھوڑے پڑنے لگے۔ عامر اتنی اوچھی حرکت کا مرتکب ہوگا یہ اس نے کبھی بھولے سے بھی نہ سوچا تھا۔ کرشنا کو بہن بنا کر وہ جذبات کی آندھی میں بہہ جائے گا یہ خیال اس کے لیے روح فرسا تھا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا بھائی بہن کے مقدس رشتے میں ایسی دراڑ بھی پڑ سکتی ہے۔ کرشنا کو پہلے دن دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ یقیناً ان دونوں کا رشتہ وہ نہیں تھا جو عامر نے بتایا تھا۔ اس کے دل میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ نگاہیں تار اُبن کر کرشنا پر لگی ہوئی تھیں۔ آخر کار یہ طوفان سیلابِ اشک بن کر اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑا۔ آنسو پونچھتی ہوئی وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔

"میں اب جا رہی ہوں اماں جی۔" بمشکل اس سے یہ لفظ ادا ہوئے۔

"ہوں۔" اماں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن سنو، تمہارے بارے میں میرا جو نظریہ تھا وہ اب بدل

چکا ہے۔"

"میرا نظریہ بھی بدل چکا ہے۔" کوثر نے طنزیہ تبسم کے ساتھ کہا۔

"یہ جاننے کے بعد کہ تم شوکت کی بہن ہو میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ آئندہ عامر سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔"

"میرا خود بھی یہی ارادہ ہے۔" کوثر نے کرشنا کو حقارت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "آج مجھے بھی بہت تلخ تجربہ ہوا ہے۔"

"جو نوکری تم نے اسے دلائی تھی اب وہ کسی اور کو دے دو۔" اماں نے خشک لہجہ میں کہا۔ "اور اسی طرح وہ کوٹھی بھی۔ ہم لوگ اس لائق نہیں کہ بنگلوں میں رہیں۔ جو سامان جا چکا ہے اسے میں واپس منگوا لوں گی لیکن تم سے کہے دیتی ہوں کہ آج سے تمہارا اور عامر کا تعلق ختم۔ بس اس سے آگے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

"لیکن میں کہنا چاہتی ہوں۔ آپ سے نہیں بلکہ عامر سے۔" کوثر نے تلملا کر بے حد غصے سے کہا۔ "آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ میں نے بار بار دھوکا کھایا ہے، مگر اب نہیں کھا سکتی۔ انھوں نے مجھے ورغلایا، کرشنا کو اپنی بہن بتایا اور اسی کے ساتھ۔۔۔۔"

آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی اس نے آنسو پونچھے، اور سسکیاں لینے لگی۔

"خیر جو تم سمجھ رہی ہو وہ غلط ہے، میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں۔۔۔۔"

"آپ، جو میرے بھائی سے نہ جانے کیوں خار کھائے بیٹھی ہیں اور انھیں برا سمجھتی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں، لیکن میں آپ کے بیٹے کو اچھی طرح جانتی ہوں اور آج مجھے ان کے کرتوت کا بھی پتہ لگ گیا ہے۔ لہٰذا آپ یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ ایسے نہیں ہو سکتے۔ ان کی پارسائی کا بھرم کھل گیا ہے۔"

"میں بحث کرنا نہیں چاہتی۔" اماں نے ناراضی سے کہا۔ "جو مجھے کہنا تھا کہہ چکی۔ بس یہ میں نے بتا دیا ہے کہ آئندہ تم اس سے نہیں ملو گی۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ شکریہ۔"

کوثر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔ لیکن اماں کو تفکرات کے سمندر میں غوطہ زن چھوڑ گئی عامر اور کرشنا کا کوئی ایسا تعلق بھی ہو سکتا ہے! اس کے بارے میں انھیں یقین تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک ہلکا سا شبہ ضرور سر ابھار رہا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو۔؟
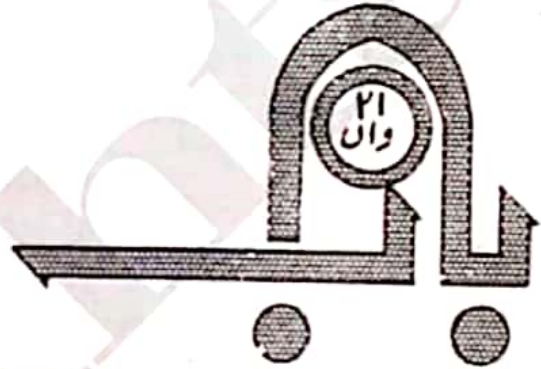
عامر نے پوری طرح اپنے عہدے کا چارج بھی نہیں لیا تھا کہ اسے استعفیٰ دینا پڑ گیا۔ اماں کا یہی حکم تھا کہ شوکت کی نوکری فوراً چھوڑ دی جائے۔ اور کوٹھی میں سے اپنا سامان منگوا لیا جائے۔ اس نے لاکھ چاہا کہ کسی صورت سے اصل حقیقت کا پتہ لگ جائے لیکن صرف کرشنا کی زبانی اتنا ہی علم ہو سکا کہ کوثر اور اماں جی بات کر رہی تھیں کہ اچانک اس کو چکر آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو کوثر جا چکی تھیں اور اماں جی افسردہ بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھیں

بعد میں ماں اور بیٹے میں جو باتیں ہوئیں۔ وہ اس سے صرف یہی نتیجہ نکال سکا کہ اماں اب ہرگز نہیں چاہتیں کہ وہ ایک پل کے لیے بھی شوکت کی فرم میں رہے۔ اس کے بار بار دریافت کرنے پر اماں نے صرف اتنا کہا کہ عامر کی اپنی جان کو خطرہ ہے۔ لہٰذا وہ نہیں چاہتیں کہ وہ خطرہ بھی گوارا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کا کوثر سے بھی زیادہ میل جول پسند نہیں کرتیں۔

عامر کے دل پر تو جیسے آرے چل گئے مگر اس نے اماں کو زندگی میں کبھی تکلیف نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس نے اپنی محبت کا گلا گھونٹ لیا مگر ان کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ کئی دن اسی طرح بیت گئے۔ عامر کو اب احساس ہو رہا تھا کہ اس نے کوثر کے کہنے میں آ کر ناحق ہی اشال کی نوکری چھوڑ دی۔ اگر وہ آج نمائش میں ہوتا تو کم از کم آئندہ کی فکر تو نہ ہوتی!

ادھر کرشنا کی حالت بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ کرشنا ماں بننے والی ہے۔ خود اس نے کرشنا سے بارہا دریافت کیا تھا کہ ہونے والے بچے کا باپ کون ہے اور کرشنا خود کون ہے کہاں سے آئی ہے؟ مگر کرشنا اگر پہلے کچھ بتانا بھی چاہتی تھی تو نہ جانے اب کیوں خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی زبان پر تالا لگ چکا تھا اور اماں کی طرح وہ بھی چپ چپ سی رہنے لگی تھی۔ عامر ان

رشتے دار کے اصرار سے بہت کبیدہ خاطر تھا۔ اسلم کی گمشدگی، کوثر کی برہمی، اماں کا سخت حکم، کرشنا کا عجیب سا طرزِ عمل، ان سب باتوں سے وہ بےحد پریشان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟ ایک دو بار اس نے کوثر سے ملنے کا ارادہ بھی کیا۔ کوٹھی تک گیا بھی لیکن باریابی نہ ہو سکی۔ کوثر نے کہلا کر بھیج دیا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ تنہائی میں وہ اسی عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کرتا کہ آخر معمہ کیا ہے۔ اماں کوثر سے اتنی بدظن کیوں ہوگئی ہیں۔ اور کوثر خود اس سے ملنے سے کیوں کتراتی ہے؟

اس کے نزدیک وقت سب سے بڑا علاج تھا۔ لہٰذا ان باتوں میں سر کھپانے سے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ کوئی کام ڈھونڈا جائے۔ وہ صبح سے شام تک کام کرتا رہے گا اور بعد میں ٹیوشن کرے گا۔ اس کے نزدیک یہی ایک بہترین طریقہ تھا اس ذہنی الجھن سے نجات پانے کا۔ اور اس نے فوری طور پر کام کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ کچھ ہی دور گھر سے ٹیکسی اسٹینڈ تھا۔ سردار نہال سنگھ اس اسٹینڈ کا واحد مالک تھا اور جب عامر نے اس سے جا کر ٹیکسی چلانے کا مدعا بیان کیا تو وہ حیران رہ گیا۔

"اوئیں۔ کیا عامر جی! تواڈوں کی لوڑ پے گئی جو تسی ٹیکسی چلانا چاہندے او۔؟" سردار نے پوچھا۔

"سردار جی، بات یہ ہے کہ گزارا آج کل مشکل سے چلتا ہے۔ سوچا کہ فرصت میں یہی کام کروں۔ اس طرح کچھ دنوں کے لیے بے کاری سے نجات تو مل جائے گی۔"

"چنگا جی — تو فر تسی لے جاؤ۔" سردار جی نے ایک ہی لمحہ میں فیصلہ بھی کر لیا۔

ضروری کارروائی اور خانہ پری کے بعد عامر نے ٹیکسی حاصل کر لی۔ پورا ایک دن رجسٹریشن آفس میں آنے جانے اور ڈرائیونگ لائسنس کی تجدید کرانے میں نکل گیا اور پھر دوسرے ہی دن سے اس نے باقاعدہ ٹیکسی چلانی شروع کر دی۔ اس کام میں بھی اسے بڑے عجیب تجربوں سے دوچار ہونا پڑا۔ زیادہ تر سواریاں اسے نمائش کی ملتی تھیں۔ مگر وہ جان بوجھ کر ایسی سواریاں نہیں لیتا تھا۔ اسے ہر لمحہ یہی ڈر لگا رہتا کہ کہیں کوثر یا اس کی کوئی سہیلی نہ دیکھ لے۔ ہرچند کہ اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی لیکن اسے یہ احساس ضرور تھا کہ کوثر طعنے دینے سے ہرگز باز نہ آئے گی۔

اور پھر ایک دن منٹورروڈ ٹیکسی اسٹینڈ پر وہ اپنی خالی ٹیکسی میں بیٹھا ہوا خیالات کے تانے بانے بن رہا تھا کہ ایک شیریں آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کیا تمہارا نمبر ہے۔ میں بیٹھ جاؤں؟"

"تشریف رکھیے۔" عامر نے چونک کر لڑکی کو دیکھا اور پھر باہر نکل کر میٹر ڈاؤن کر دیا۔ اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ ٹیکسی کا دروازہ کھولنے کے بعد وہ اس میں بیٹھ گئی اور عامر کو گرینڈ کیلاش چلنے کے لیے کہا۔

"گرینڈ کیلاش؟" عامر سوچے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ اسی مقام پر شوکت کی کوٹھی بنی تھی۔ لہٰذا مجبور ہو کر اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی اور پھر یہ اندازہ لگانے کے بعد تو اس کے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے کہ لڑکی اسے

اسی طرف لے جا رہی ہے جہاں شوکت رہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شاید وہ اس سے کوٹھی کے باہر ہی ٹیکسی روک لینے کے لیے کہے گی مگر اس کا یہ خدشہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ کیونکہ ٹیکسی کوثر کی کوٹھی سے بہت آگے تک چلی گئی اور لڑکی کے کہنے پر ایک خوب صورت سے بنگلے کے سامنے رک گئی۔

"ذرا ہارن بجا دیجیے۔" لڑکی نے اندر بیٹھے بیٹھے عامر سے کہا اور اس نے حکم کی تعمیل کی۔ دو تین بار ہارن بجانے کے بعد اس نے ان تاروں کو ٹھیک کرنے کی سوچی، جو انجن اور بیٹری کے نیچے سے نکل کر بورڈ تک آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تار غالباً ڈھیلا تھا جو ہارن کی آواز کو درمیان میں کاٹ دیتا تھا۔ عامر نیچے جھک کر تاروں کو دیکھنے لگا اور اس وقفے میں لڑکی کی سہیلی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکی تھی۔

"فردوس ریسٹورنٹ چلو۔" پہلی لڑکی نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

عامر نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی اور پھر نئی لڑکی کو دیکھنے کی خاطر بیک ویو آئینہ کو درست کرنے لگا، اچانک اس کا ہاتھ کپکپا کر رہ گیا۔ پچھلی سیٹ پر کوثر بیٹھی ہوئی تھی۔

کوثر اسے پہچان نہ لے۔ اس ڈر سے اس نے آئینہ درست نہیں کیا۔ خاکی قمیض کا کالر کھڑا کر لیا اور دانستہ سیٹ کے اندر دھنس کر بیٹھ گیا۔ رہ رہ کر اسے خیال آتا تھا کہ پیچھے مڑ کر دیکھے اور کوثر سے بات کرے مگر گذشتہ دنوں میں ہونے والے واقعات کی دل شکن یاد اسے ایسا کرنے سے روکتی تھی۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ مبادا کوثر اپنی سہیلی کے سامنے ہی اسے برا بھلا کہنا شروع کر دے۔ ٹیکسی مختلف موڑوں پر گھومتی رہی اور پھر کناٹ پیلس کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ جلد ہی وہ فردوس تک پہنچ گئے۔

اصولاً عامر کو باہر اتر کر دروازہ کھولنا چاہیے تھا لیکن وہ دانستہ اندر ہی بیٹھا رہا۔ کوثر کی سہیلی پہلے اتری اور بعد میں کوثر۔ پھر ان دونوں میں یہ بحث ہونے لگی کہ پیسے کون دے۔ ثالثی کے لیے کوثر کی سہیلی عامر کی طرف مڑی اور بولی۔

"دیکھیے۔ ٹیکسی میں نے ہی بک کی تھی لہٰذا پیسے بھی میں ہی دوں گی۔"

"مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ میں......"

کوثر نے اتنا ہی کہا تھا کہ عامر کو پہچان کر حیرت زدہ انداز میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا کہ عامر سے اس طرح اور اس حالت میں ملاقات ہو گی۔ عامر نے بھی سوچ لیا کہ جو قیامت آنے والی تھی آ گئی۔ اس نے بغیر کچھ کہے سنے ٹیکسی کو دوبارہ اسٹارٹ کیا اور پھر چاہتا ہی تھا کہ ریس دے کر آگے نکل جائے کہ کوثر کی سہیلی چیخی۔

"ارے ارے کہاں بھاگے جاتے ہو پیسے تو لیتے جاؤ۔"

لڑکی نے کھڑکی کے اندر جھک کر رقم عامر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ چونکہ وہ ٹیکسی سے بالکل لگی ہوئی تھی لہٰذا عامر آگے نہ بڑھ سکا اور مجبوراً اس نے ٹیکسی روک لی۔ اتنے ہی عرصہ میں کوثر دروازہ کھول کر دوبارہ

پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

"ارے تم اندر کیوں بیٹھ گئیں۔ باہر نکلو بھئی۔" کوثر کی سہیلی چیخی۔

"میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے نرملا۔" کوثر نے رندھے ہوئے گلے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں واپس گھر جارہی ہوں، تم اکیلی ہی فردوس میں چلی جاؤ۔"

"مگر وہ سب ناراض ہوں گی تمہیں نہ دیکھ کر۔ کچھ دیر تو بیٹھو، یہ اچانک تمہیں کیا ہوگیا؟" نرملا نے پوچھا۔

"مجھے معاف کردو۔ میں بتا نہیں سکتی کہ۔ پلیز نرملا۔" کوثر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ "چلئے یہاں سے چلئے۔"

آخری الفاظ اس نے عامر کو مخاطب کرکے کہے اور اس نے فوراً ٹیکسی آگے بڑھادی۔ کناٹ پلیس کا نیم دائرہ طے کرتے وقت عامر نے کہا۔

"فرمائیے کہاں چلوں؟"

"جہنم میں۔" بڑے جلے کٹے لہجے میں جواب ملا۔

"وہاں تو میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ حوریں جہنم میں نہیں جایا کرتیں۔"

"میں مذاق بالکل پسند نہیں کرتی۔" کوثر نے منہ پھلا کر کہا۔ "میں پوچھ سکتی ہوں کہ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"پوچھنا تھا تو ایک مہینے پہلے کیوں نہیں پوچھا۔ کئی بار در دولت پر حاضری دی مگر ہر بار کہلوا دیا کہ گھر پر نہیں ہوں۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آخر وہ سب کیا تھا؟" عامر نے کوثر کے لہجے کی نقل اتاری مگر کوثر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کافی دیر تک وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ چونکی اس وقت جب کہ ٹیکسی ہمایوں کے مقبرے کے پاس جاکر رکی۔

"یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"روٹھے ہوئے بت کو منانے۔" عامر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "براہ کرم نیچے اتر آؤ۔ حماقت کرنا۔ یہاں لوگوں کی نگاہیں آنے والے جوڑوں پر لگی رہتی ہیں۔ پھر لوگ اس پر بھی تعجب کریں گے کہ اتنی پیاری لڑکی ایک پھٹیچر ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ کیوں باتیں کررہی ہے۔"

اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ محبت آشنا دل اچھی طرح جانتے ہیں کہ گلے مل جانے کے بعد سبھی گلے شکوے ختم ہوجاتے ہیں۔ کوثر عامر کے فراخ سینے میں منہ چھپاکر بڑی دیر تک روتی رہی اور اس بات پر روتی رہی کہ آخر وہ اتنی جلد بدگمان کیوں ہوجایا کرتی ہے۔ لیکن بدگمانی اور محبت کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا کوثر اگر عامر سے بدگمان ہوگئی تھی تو درحقیقت اسے اس کے لازوال عشق کا ردعمل کہا جائے گا۔

عامر اسے بتا ہی چکا تھا کہ کرشنا کے بارے میں اسے زیادہ واقفیت نہیں ہے اور پھر کرشنا خود بھی بتانا نہیں چاہتی۔ اس سلسلے میں عامر نے کہہ دیا کہ وقت آنے پر سب عقدہ حل ہوجائے گا۔ البتہ یہ بات کوثر

اور عامر دونوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ آخر اماں نے شوکت کی نوکری چھوڑنے اور اسے کوثر سے ملنے جلنے سے کیوں منع کر دیا ہے؟

جب وہ دونوں جدا ہوئے تو کوثر نے ہاتھ جوڑ کر منت کی کہ عامر اب ٹیکسی نہیں چلائے گا۔ مگر وہ نہیں مانا۔ اس نے جواب دیا کہ آخر روزی کمانے کا کوئی تو ذریعہ ہونا چاہیئے۔ کوثر نے بہت کہا کہ پورے گھر کا خرچ وہ اپنے ذمہ لیتی ہے لیکن عامر کی غیور طبیعت کو یہ بات گوارا نہیں تھی۔ اس نے سختی سے کہہ دیا کہ ایسا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ زیادہ اطمینان دلانے کے لیے اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ کام تو عارضی ہے۔ عنقریب وہ اس سے بہتر کوئی اور ملازمت ڈھونڈ لے گا۔

کوثر کو گریٹر کیلاش چھوڑنے کے بعد جب وہ واپس آ رہا تھا تو تقریباً رات ہو چکی تھی۔ اس وقت وہ خوش تھا۔ اس بات سے خوش تھا کہ کوثر من گئی ہے۔ اسے اس کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں تھی کہ کوثر کی دی ہوئی کوٹھی اور شوکت کی عطا کردہ نوکری چھوٹ گئی ہے۔ بس صرف یہ احساس اس کے لیے باعث سکون قلب تھا کہ کوثر ناراض ہونے کے بعد پھر جلد ہی من گئی ہے۔ اس کی ناراضگی درحقیقت اس کے لیے موت کے مترادف تھی!

ابھی تک کوئی سواری نہیں ملی تھی لہذا ٹیکسی خالی تھی۔ عامر کو یہ بھی فکر تھی کہ آج کا آدھا دن تقریباً خالی ہی گیا۔ زیادہ کمائی نہیں ہو سکی۔ اچانک ایک موڑ گھومتے ہی تین آدمی اسے سڑک کے بائیں سمت کھڑے ہوئے نظر آئے۔ وہ ٹیکسی روکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ عامر نے انھیں بٹھایا اور پھر دریافت کیا کہ کہاں جانا ہے؟

"تغلق آباد۔" کرخت لہجہ میں جواب دیا گیا۔

عامر چونک گیا۔ کیونکہ رات کے وقت تغلق آباد کے کھنڈرات میں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن چونکہ ٹیکسی چلانے کا کام اسی قسم کا ہوتا ہے لہذا عامر نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور خندہ پیشانی سے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ بیک ویو آئینہ میں اس نے دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اسے بار بار گھور کر دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا اور وہ ہر مرتبہ اپنی پیشانی کو اس طرح دبا رہا تھا گویا ذہن پر زور ڈال کر کوئی بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

"عامر۔" مختصر سا جواب دینے ہی میں عامر نے اپنی عافیت سمجھی۔

"میرا خیال ہے تم انسپکٹر جلال ہو یا پھر اس کے کوئی رشتہ دار؟" اسی شخص نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس انداز سے دیکھا گویا انھیں بھی اس تحقیق میں شامل کرنا چاہتا ہو۔

"جی نہیں۔ میں عامر ہی ہوں۔ اگر انسپکٹر ہوتا تو ٹیکسی ڈرائیوری کیوں کرتا؟"

"کمال ہے۔ غضب کی مشابہت ہے۔ تم ہوبہو انسپکٹر جلال معلوم ہوتے ہو۔ یقین مانو ذرا سا بھی فرق نہیں ہے۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ خاکسار کس لائق ہے؟" عامر نے قدرے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

"کیوں شیکھر۔ ذرا تم بھی دیکھنا۔" اسی شخص نے پیچھے بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی کو پھر مخاطب کیا اور اس بار شیکھر نے بھی جھک کر اسے قریب سے دیکھا۔

"ہاں یار۔ بس اگر ان کے منہ پر وہ بچھو نما مونچھیں اور رفٹ ہو جائیں تو بنے بنائے انسپکٹر جلال ہیں" شیکھر نے جواب دیا۔

عامر ان کی باتوں سے کافی پریشان معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر ان بے تکی باتوں سے ان کا مقصد کیا ہے۔ وہ اسے انسپکٹر جلال سمجھنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ اور جب اسی شخص نے اس سے یہ پوچھا کہ ٹیکسی چلانے میں تمہیں کیا ملتا ہوگا۔ اگر تمہیں کوئی نوکری دی جائے تو کرو گے؟" تو اس وقت وہ اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا اور بولا۔

"حضرات میں آپ لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"ہم تمہیں پندرہ سو روپے ماہوار کی نوکری دلانا چاہتے ہیں۔" شیکھر نے جواب دیا۔ "پندرہ سو روپے بہت ہوتے ہیں۔ کیا سمجھے؟"

"مجھ سے اتنی ہمدردی کس لیے ہوگئی آپ کو؟" عامر حیرت زدہ تھا۔

"اس لیے کہ تم ہوبہو انسپکٹر جلال ہو۔ اور ہم لوگوں کو انسپکٹر جلال کی ضرورت ہے۔"

"سمجھ گیا۔ آپ مجھ سے کوئی ناجائز کام لینا چاہتے ہیں۔"

"نہیں، بالکل جائز کام۔ تمہیں ہم انسپکٹر جلال کی نوکری دلا دیں گے۔ کیا پولیس کی نوکری تمہیں پسند نہیں۔ ارے بھئی ہر کسی پر بلاوجہ رعب گانٹھنا ہر انسان کو نصیب کہاں ہوتا ہے؟"

عامر خاموش رہا۔ بولا کچھ نہیں۔ ویسے وہ کچھ کچھ سمجھ چکا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شکل صورت سے اچھے انسان نظر نہیں آتے۔ ان کے کسی بھی کام کو انکار کرنا خود اپنی شامت کو دعوت دینا ہے۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان کی باتوں کو ٹالنا نہیں ہے۔ اگر اس نے انکار کیا تو پھر نہ جانے اس کا کیا حشر ہو؟ وہ اکیلا ہے اور وہ تین۔ سمجھداری کو بزدلی نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا عقلمندی یہی ہے کہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہے۔

ٹیکسی تغلق آباد کے کھنڈرات کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ایک مقام پر شیکھر نے اسے ٹیکسی کچے میں اتار دینے

کے لیے کہا۔ عامر کو مجبوراً حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ ہیڈلائٹس ایک غیر ہموار سی پگڈنڈی کو آگے جاتے ہوئے دکھا رہی تھیں۔ متواتر ڈھائی میل ناہموار اور کچی سی پگڈنڈی پر جانے کے بعد عامر کو ایک بہت بڑی کارخانے نما عمارت دکھائی دی۔ عمارت کی کھڑکیوں میں بالکل اندھیرا تھا۔ اس سے اسی مقام پر ٹیکسی روک لینے کے لیے کہا گیا۔ نیچے اترتے ہی سنگھر نے میٹر دیکھ کر سب رقم ادا کر دی اور مزے کی بات یہ کہ واپسی کی شرح جو کچھ بھی لگتی تھی اس کی بھی ادائیگی کر دی۔ عامر واپس ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی شخص نے جو اس کے قریب بیٹھا ہوا اور بعد میں جس کا نام ڈیوڈ معلوم ہوا اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

"بھائی جاتے کہاں ہو۔ ایک کپ کافی ہو جائے۔"

"جی نہیں شکریہ۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔" عامر نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسی بھی کیا بے رخی۔ بندۂ خدا ایک کپ کافی سے تمہاری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" اسی شخص نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

عامر نے بہتیرت ولعل سے کام لیا لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ ان تینوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور پھر عمارت کا دروازہ کھول کر اسے اندر لے گئے۔ اندھیرے ہی میں کسی سمت کچھ دیر تک چلنے کے بعد وہ ایک نشیبی زینے کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ ایک طویل اور سنسان راہداری کو طے کرنے پر عامر کو ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ اور یہ روشنی ایک کمرے میں ہو رہی تھی۔ کمرہ غیر معمولی طور پر طویل وعریض تھا فرنیچر کی ہر چیز وہاں موجود تھی اسی سجے ہوئے کمرے کی ایک کرسی پر عامر کو بٹھا دیا گیا۔ اور پھر پچ چند ہی لمحوں بعد اسے کافی بھی پیش کی گئی۔ اس کے بعد سنگھر نامی شخص نے اس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مسٹر، شاید تم اندازہ لگا چکے ہو گے کہ ہم کون ہیں۔ تم شریف اور تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ پڑھا لکھا آدمی کسی مجبوری کے باعث ہی ٹیکسی چلا سکتا ہے۔ لہٰذا عقل مندی سے کام لو اور جو ہم چاہتے ہیں اس پر عمل کرو۔ تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"کیا چاہتے ہیں آپ لوگ؟" عامر نے آہستگی سے دریافت کیا۔

"صرف اتنا کہ تمہیں انسپکٹر جلال بن کر ہمارے باس کے ساتھ فریدآباد سے آگے بارڈر تک جانا پڑے گا جس جیپ میں تم بیٹھو گے، وہ جیپ نہایت آسانی سے تمہاری موجودگی کے باعث بارڈر کراس کرے گی بس اتنا سا کام ہے۔ اس کے لیے تمہیں دو ہزار روپے پیش کیے جائیں گے۔"

"دو ہزار روپے!" عامر چونک گیا۔ "اس کا مقصد یہ ہوا کہ اسمگلنگ کا کوئی کام ہے۔"

"تمہیں اس سے سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ دو ہزار روپے کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف ایک دن کے کام کا معاوضہ ہے۔ چاہو گے تو تنخواہ پر بھی ہمارا کام کر سکتے ہو۔"

"لیکن یہ تو جعل سازی ہوئی۔" عامر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "شاید مجھے انسپکٹر کی وردی پہن کر جانا پڑے گا۔

ایک طرح سے یہ حکومت کے ساتھ غداری ہوئی۔"

"خود کو اتنا شریف مت سمجھو۔ شرافت کا زمانہ تو کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔ حکومت تمہارے لئے کیا کر رہی ہے جو تم اس کی بھلائی چاہتے ہو۔ حکومت کے لوگ ضابطے کے اندر رہ کر لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں اور ہم بے ضابطگی کے ساتھ۔ ٹھیک ہے نا؟" ڈیوڈ نے منہ بنا کر کہا اور پھر سوچ کر اچانک ہنس پڑا۔

"خیر ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کون غداری کر رہا ہے اور کون وفاداری۔ ہم تو اپنا کام چاہتے ہیں۔ باس آجائیں تو پھر تمہیں دیکھ کر پاس کر دیں گے۔ بولو تمہیں منظور ہے یہ کام؟" اس بار شیکھر نے نرمی سے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اسے منظور نہیں کر سکتا۔" عامر نے فوراً ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"لیکن ہم تو منظور کرا لیا کرتے ہیں۔" شیکھر نے سانپ کی سی پھنکار والی آواز میں کہا۔ اور پھر اس کے ذرا سے اشارے پر ڈیوڈ اور تیسرا آدمی عامر پر ٹوٹ پڑے۔ گھونسے، لاتیں اور مکّے۔ غرض ہر طرح سے اسے زدوکوب کیا گیا۔ پہلے پہلے تو عامر نے اپنی مدافعت کے لیے ہاتھ پاؤں چلائے۔ لیکن آخر کب تک؟ — اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے خون ابلنے لگا۔ گال سوج گیا اور وہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

اچانک دروازے کے اوپر لگا ہوا ایک سرخ بلب اسپارک کرنے لگا اور وہ تینوں عامر کو اس کے حال پر چھوڑ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ ڈیوڈ کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔ "باس آ گئے ہیں وہ خود ہی اس سے بات کریں گے۔" اور اس کے بعد وہ بھی اٹنشن ہو گیا۔ عامر نے تکلیف سے بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو بمشکل کھول کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اس طرح چونکا گویا کرنٹ لگ گیا ہو۔ آنے والا باس بھی عامر ہی کی طرح حیرت زدہ انداز میں جھجکا اور پھر آگے بڑھ کر اس نے عامر کو شانے سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ عامر اب بھی اسے گھور رہا تھا اور درحقیقت اس کا گھورنا ایک طرح سے جائز ہی تھا۔

کیونکہ آنے والا شخص شوکت کے علاوہ اور کوئی نہ تھا —!

"یہ کیا چکر ہے شیکھر — ؟" شوکت نے شیکھر کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"باس ہم اس ٹیکسی ڈرائیور کو صرف اس لیے پکڑ کر لائے ہیں کہ اس کی شکل انسپکٹر جلال سے ہو بہو ملتی ہے۔ ہم نے سوچا تھا کہ اس آدمی کے ذریعے مال بارڈر کراس کر سکتا ہے۔" شیکھر نے ڈر کے مارے رک رک کر جواب دیا۔

"نالائق کے بچے تم سے کس نے کہا تھا انھیں پکڑ کر لانے کے لیے۔" شوکت گرجا۔ "جانتے ہو یہ میرے عزیز دوست ہیں۔"

تینوں آدمی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"چلو فوراً ان کی ڈریسنگ کرو۔ یہ ابھی میرے ساتھ واپس جائیں گے۔"

شوکت کے اتنا کہتے ہی وہ آدمی بجلی بن گئے اور شوکت نے اپنی نگرانی ہی میں مرہم پٹی کرائی، جن

لوگوں نے اسے مارا تھا اب وہی ڈریسنگ کر رہے تھے۔ عامر ابھی تک خاموش تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا۔ اس لیے نہیں بولا تھا کہ اسے بولتے ہوئے تکلیف ہوتی تھی۔ مگر اب جبر کر کے اس نے حیرت زدہ نظروں سے شوکت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شوکت! آخر یہ سب کیا ہے۔ کیا تم اس گروہ کے باس ہو؟"

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" شوکت نے آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تم آرام کرو۔"

شوکت کے اشارے پر تینوں بدمعاش وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی شوکت نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کے لیے کہا اور پھر جلدی سے اپنی ڈائری کا ورق پھاڑ کر اس پر نہایت تیزی سے کچھ لکھ کر عامر کو دے دیا۔ اس نے پرچے کو پڑھنا شروع کیا۔

"عامر میں مجبور ہوں۔ یاد ہے میں نے ایک بار تم سے کہا تھا کہ میں خطرے میں ہوں اور ایک بھرائی آواز مجھے بلیک میل کرتی ہے۔ یہ وہی چکر ہے۔ میں اس آواز کا غلام ہوں۔ اپنی اور کوثر کی زندگی کی خاطر مجھے سب خطرات مول لینے پڑتے ہیں۔ اب تم اس راز سے واقف ہو ہی گئے ہو تو مجھے اس خطرناک گروہ کے چنگل سے نکلنے میں مدد دو۔ فی الحال ان کے نرغے سے نکلنے کی ترکیب یہی ہے کہ ان کا کہا مان لیا جائے۔ تم انسپکٹر جلال بننے کی حامی بھر لو باقی میں سب دیکھ لوں گا۔ یہاں مائیکرو فون چھپے ہوئے ہیں۔ ہم فرضی گفتگو کریں گے تاکہ دوسروں پر ظاہر ہو کہ پہلے تم نے انکار کیا لیکن میرے زور دینے پر مان گئے ہو۔"

عامر نے کچھ دیر تک غور کیا اور بالآخر اس نے گردن کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ کچھ دیر تک وہ فرضی گفتگو کرتے رہے جس میں شوکت نے اصرار اور عامر نے پہلے پہلے انکار کیا۔ بالآخر وہ مان گیا اور اس نے کہا بہتر ہے آپ لوگ اپنا کام لینے کے بعد مجھے آزاد کر دیجیے گا اور شوکت نے فوراً اس بات کی حامی بھر لی۔

اچانک میز پر رکھے ہوئے ایک بڑے ٹیبل لیمپ میں سے ایک بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ لگتا تھا کوئی بلغمی آواز میں بول رہا ہے۔

"شاباش شوکت۔ ہم بہت خوش ہوئے جو تم نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو راضی کر لیا۔ یہ معقول آدمی ہے سمجھدار بھی ہے، تم نے اسے راضی کرنے میں کافی محنت کی ہے۔"

"یہ تو میرا فرض تھا باس۔" شوکت نے مؤدب کھڑے ہو کر جواب دیا۔ "ان کا نام عامر ہے اور یہ میرے

دوست ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مجھ جیسے دوست کا کہنا ہرگز نہیں ٹال سکتے۔"

"ویری گڈ۔ ہمیں تم سے یہی امید تھی۔ اب تم کام کی تیاری کرو۔ خیال رہے سب کام ہوشیاری سے ہونا ہے۔ کسی کو خبر نہ ہو۔"

اتنا کہنے کے بعد آواز بند ہوگئی۔ اور شوکت نے عامر کو آنکھ ماری گویا کہہ رہا ہو کہ کام بن گیا ہے۔

وعدے کے مطابق شوکت کے باس نے عامر کو آزاد کر دیا تھا۔ ہر چند کہ عامر کو وہ ناخوشگوار فرض ادا کرنا پڑا مگر دل سے وہ ایسے کام سے نفرت کرتا تھا۔ حشیش کی ایک کثیر مقدار جیپ کے اندر رکھی گئی تھی۔ عامر کو پولیس انسپکٹر کی وردی پہنائی گئی اور اس کے چہرے پر مونچھیں بھی لگائی گئیں۔ شوکت جیپ میں اس کے ساتھ معمولی سے سپاہی کی وردی میں بیٹھا۔ اور جب یہ جیپ فرید آباد بارڈر پہ پہنچی تو انسپکٹر جلال کو پہچان کر چوکی پولیس نے سلوٹ کیا۔ اور جیپ بارڈر کراس کر گئی۔ عامر نے رکا ہوا سانس اطمینان سے چھوڑا۔ ایک طوفان آکر گزر گیا تھا۔

اس کام کے عوض عامر کو دو ہزار روپے دیئے گئے۔ جو اس نے کسی طرح قبول نہیں کیئے۔ لیکن شوکت نے یہ کہہ کر کہ وہ اس کے نام سے بنک میں جمع کرا دے گا۔ وہ کرارے نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیئے۔

یہ تھا وہ "عظیم کارنامہ" جس کے لئے عامر کا ضمیر اُسے بار بار ملامت کر رہا تھا۔ اس نے شوکت سے بار ہا کہا کہ تمہیں ان لوگوں کے چنگل سے نکل جانا چاہیئے مگر اس نے ہمت ہار دینے والے لہجے میں جواب دیا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ باس اُسے کہیں بھی اور کسی بھی جگہ قتل کرا سکتا ہے۔ وہ ان لوگوں کا آلہ کار بن چکا ہے اور صرف خدا ہی اُسے اِن کے دام میں سے نکالے گا۔ یا پھر تم اس گروہ کا قلع قمع کرنے میں مددگار بنو گے۔

عامر نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے عزیز دوست کو اس ذہنی عذاب سے نجات دلائے گا مشکل تو یہ تھی کہ شوکت نے اُسے منع کر دیا تھا کہ یہ راز کسی اور سے نہ کہے۔ لہٰذا وہ کوثر سے بھی

اس کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسلم ایسا غائب ہوا تھا کہ کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان۔۔ اب عامر کو جو کبھی کرنا تھا خود کرنا تھا۔ شوکت کو بچانے کے لئے اُسے اپنی زندگی داؤ پر لگانی تھی اور وہ پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ خواہ کچھ ہو۔ اور کیسے ہی حادثات پیش کیوں نہ آئیں وہ اس خطرناک گروہ کو تباہ کر کے چھوڑے گا۔

ٹیکسی سردار جی کے اسٹینڈ پر چھوڑنے کے بعد عامر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ صبح کے دس بجے تھے جب وہ گلی میں داخل ہوا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ گھر کے دروازے پر بھیڑ لگی ہوئی ہے اور محلے کے لوگ کسی شخص کو اٹھا کر گھر میں لے جا رہے ہیں۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا گھر تک پہونچا اور اُسے پہچان کر ایک پڑوسی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ آدمی تمہارے گھر سے نکل رہا تھا کہ کوئی شخص اس کے سینے میں خنجر گھونپ کر بھاگ گیا۔"

عامر بھیڑ کو دونوں ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا اندر پہونچا۔ اور جب اس نے مقتول کو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت کے باعث پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مقتول نرائن ساہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔!

اماں دہشت ناک نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ اور کرشنا تو پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"اِسے کس نے مارا ماں۔؟" عامر نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں بیٹا۔ مجھ سے بات کر کے یہ ابھی باہر گئے تھے کہ شور اٹھا۔ اور پھر لوگ انہیں اٹھا کر اندر لے آئے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بیٹا۔ تم بھی رات بھر نہ جانے کہاں رہے۔ ایک تو تمہاری فکر کھائے جا رہی تھی اوپر سے یہ نیا حادثہ۔ میرا تو دماغ چکرا گیا ہے بیٹا۔؟"

"میں تو ایک سواری کے ساتھ رات بھر جاگتا رہا۔ کام ہی ایسا ہے اماں۔ لیکن اس آدمی کے قتل سے مجھے بہت صدمہ ہوا ہے۔ میں باہر جا کر پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

عامر کے کہنے پر ایک پڑوسی نے پولیس کو فون کیا۔ لاش وہاں سے لے جائی گئی اور اس تمام کارروائی میں شام ہو گئی۔ کرشنا کسی کام سے رسوئی گھر میں تھی۔ اماں کو تنہا پا کر عامر نے دریافت کیا۔

"اماں آخر یہ کیا راز ہے؟ نرائن ساہ شوکت کی فرم کا سب سے پرانا ملازم تھا۔ سب سے اخلاق کے ساتھ پیش آتا تھا۔ پھر اسے قتل کیوں کر دیا گیا۔؟"

"میں۔ میں اس کے بارے میں کیا جانوں؟" اماں نے عامر سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اماں اب بہت کچھ ہو چکا" عامر نے فیصلہ کن لہجے میں انھیں دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا "خدا کے لئے مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دو۔"

"کیا بتا دوں؟" اماں کی نظریں نیچی تھیں۔

"یہی کہ آخر یہ شخص کس لئے قتل کیا گیا۔ یہ کیوں ہمارے گھر آیا؟ کس لئے تم شوکت سے نفرت کرتی ہو اور کس لئے تم نے کوثر کو ذلیل کیا؟"

"تمہارے پہلے سوالوں کا جواب میں کیا دے سکتی ہوں" اماں نے نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا "البتہ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوکت مجھے پسند نہیں ہے۔ بہت اوباش، اور غلط آدمی ہے اور چونکہ کوثر اس کی بہن ہے اس لئے وہ بھی اچھی لڑکی نہیں ہے۔ بس اس کے سوا میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"کمال ہے۔ چند دن پہلے تو یہ دونوں اچھے تھے!" عامر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ویسے میں یہ بھی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ آخر شوکت کو آپ کس طرح جانتی ہیں۔ اور آپ کو اس کی بابت کیسے علم ہو گیا کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے؟"

اماں کچھ دیر تک سوچتی رہیں۔ ان کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"عامر۔ ایسا لگتا ہے کہ اب تمہارے دل میں میری کوئی وقعت نہیں رہ گئی ہے جو تم ہر بات کرید کرید کر پوچھتے ہو۔ میں ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتی" انہوں نے اتنا کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"خیر اگر مجھے اسی طرح سسک سسک کر جینا ہے تو اماں یونہی جی لوں گا۔ شاید یہی میری تقدیر ہے" عامر نے کنکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے"

"کیا ۔۔؟" اماں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں الموڑہ جاؤں گا اور تمام حقیقت کا پتہ لگاؤں گا ۔۔۔ میں اس شخص سے ملوں گا جو مجھے مین بازار میں ملا تھا۔ اور جس نے مجھے بتایا تھا کہ میں جلیل احمد کا نہیں بلکہ خان بہادر سلیم احمد کا لڑکا ہوں۔ میرے باپ کے نام سے پہلے خان بہادر لگا ہوا ہے اماں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں۔ میری حیثیت یقیناً بلند ہے۔"

فرطِ غم سے اماں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن عامر بولتا ہی گیا۔

"اور ہاں اماں ، ایک بات میں نے آپ سے چھپائی تھی مگر اب بتا دیتا ہوں۔ اسی شخص نے مجھے شوکت کی کوٹھی کے ایک کمرے کا پتہ بتا کر کہا تھا کہ میں اس کمرے میں لگی ہوئی ایک تصویر پیچھے سے نکال کر لاؤں اور آپ کو دے دوں۔ شاید وہ آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

"تصویر۔ کیسی تصویر؟" اماں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

"اس کمرے کی مغربی دیوار پر ایک تصویر لٹکی ہوئی ہے جس میں ترشول پہاڑ بنا ہوا ہے۔ وہی تصویر۔۔۔ اس شخص نے کہا تھا کہ تصویر کا ذکر اماں کے علاوہ اور کسی سے نہ کرنا ورنہ تمہاری اور اماں کی زندگی کو خطرہ پیش آسکتا ہے۔۔۔ مجھے اب تو بتا دیجئے اماں کہ یہ چکر کیا ہے؟"

"ترشول پہاڑ کی تصویر!" اماں نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔ "اور وہ شوکت کے کسی کمرے لگی ہوئی ہے؟"

"ہاں اماں۔۔۔ میں وہی تصویر لا کر تمہیں دینا چاہتا ہوں۔"

عامر کے اتنے کہتے ہی اماں رونے لگیں۔ عامر نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا۔

"کیا اس تصویر کا کوئی خاص راز ہے؟" عامر نے انہیں چپ کرانے کی کوشش کرتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"میں کچھ نہیں جانتی بیٹا۔ یقین کرو تصویر کی بابت کچھ نہیں جانتی۔"

"مگر کچھ بات تو ضرور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تصویر پر رنگوں کے ذریعے کوئی ایسی بات لکھی ہو جو آپ کے لئے کار آمد ہو۔۔۔ اماں پرانے زمانے کے لوگ اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتے تھے۔ وہ خزانے کے اہم راز ایسی ہی جگہوں پر لکھ کر چھپا دیتے تھے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کی تقدیر ہی پلٹ جائے۔ اگر وہ تصویر مجھے مل جائے!"

"مگر۔۔۔" اماں تذبذب میں تھیں۔

"دیکھئے اماں مجھے روکیئے مت۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ہی مجھے یہ کام کرنے پر اکسا رہی ہو۔۔۔ میں آج رات کی ڈی لکس بس سے الموڑہ کے لئے روانہ ہو جاتا ہوں۔ اتنے عرصے تک آپ میرے حق میں دعا کرتی رہیئے گا۔"

اماں کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کرشنا چائے لے کر آ رہی تھی۔ آواز سن کر ٹرے اس نے میز پر رکھ دی، اور دروازے کی طرف بڑھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ہنستی ہوئی اندر آئی۔ ساتھ میں کوثر تھی۔ اماں سے نظریں ملاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"اماں میں آپ سے التجا کرتا ہوں کوثر کو کچھ نہیں کہیئے گا۔ بے شک آپ شوکت کو پسند نہ کریں۔ مگر یہ خود بری نہیں ہے۔" عامر نے آہستہ سے کہا تاکہ کوثر نہ سن لے۔

اتنی دیر میں کوثر اماں کو آداب کر کے بیٹھ چکی تھی اور خلاف توقع اماں نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔ کوثر کی ہمت بندھی اور اس نے کچھ شرمندگی کے لہجے میں کہا۔

"میں معافی مانگنے آئی ہوں اماں جی۔ اس دن میں نے بہت سخت باتیں کہہ دی تھیں

مجھے ندامت ہے کہ آپ سے زبان چلائی "۔

" میں نے بھی تو تمہیں برا بھلا کہا تھا ۔ معاملہ برابر ہو گیا " اماں نے ہنس کر جواب دیا۔

" آپ بڑی ہیں مجھے کچھ بھی کہہ لیں میں برا نہیں مان سکتی۔ لیکن میرے منہ سے اس وقت بہت غلط لفظ نکل گئے تھے ۔ میں سچے دل سے معافی مانگتی ہوں "۔

کوثر کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں اور اماں کو اس کی یہ ادا اتنی بھائی کہ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا ۔ کرشنا کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی ۔ اس نے فوراً چٹکی لی۔

" بھیا ، آپ کہیں تو بھابی کے لئے چائے بنا کر دوں ؟ "

اس پر سب نے ایک قہقہہ لگایا اور کوثر سچ مچ نئی نویلی دُلہن کی طرح شرما گئی ۔

" بھابی ـــــ ذرا آپ میرے ساتھ آیئے ۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں " کرشنا اتنا کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور عامر کوثر کو ایک دلنشین انداز سے اٹھتے دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا ۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ کوثر کچھ دیر تک وہیں بیٹھے تاکہ وہ اسے جی بھر کر تو دیکھ لے ۔

" اماں --- آپ کوثر کو کچھ نہ بتایئے گا ۔ کہ میں کہاں گیا ہوں " عامر نے کوثر کے جانے کے بعد کہا۔

" لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ تم وہاں جاؤ " اماں شش و پنج میں پڑی ہوئی تھیں ۔

" ہاں اماں ۔ مجھے چوری چھپے وہاں جانا ہی پڑے گا ۔ زندگی میں یہ پہلی بار چوری ہوگی جو میں کروں گا ۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے "۔

اماں کافی دیر تک سوچتی رہیں ۔ ان کے دل میں دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی ۔

" اچھا بیٹا تم ضرور جاؤ ـــــ میں بھی اب یہی چاہتی ہوں ۔ ہو سکتا ہے کہ خدا کی مرضی بھی یہی ہو ـــ لیکن وعدہ کرو کہ اپنا بہت زیادہ خیال رکھو گے " آخر انہوں نے ایک حتمی فیصلے کے بعد اجازت دے ہی دی ۔

عامر نے وعدہ کیا ۔ پھر اس نے اپنے مختصر سے کپڑے اٹیچی میں رکھے ۔ غسل خانے میں جا کر نہایا ۔ اور اتنے عرصے میں جب کہ اس نے یہ سب کام انجام دیئے کوثر کرشنا سے ہی باتیں کرتی رہی ۔ جب عامر نے اسے بلایا تو وہ کچھ متفکر اور رنجیدہ سی دکھائی دے رہی تھی ۔

" کیا بات ہے ۔ کوثر تم اتنی رنجیدہ کیوں ہو گئیں ۔ ؟ " عامر نے پوچھا ۔

" نہیں تو ۔ ؟ " کوثر نے چونک کر کہا ۔ " کوئی خاص بات نہیں ہے "

" کیا کرشنا نے کچھ کہا ہے بیٹی ۔ ؟ " اس بار اماں نے پوچھا ۔

" جی نہیں ۔ دراصل بات یہ ہے کہ کرشنا نے صرف مجھے ہی اپنی کہانی سنائی ہے اور سچ تو

یہ ہے اماں جی کہ بڑی درد بھری کہانی ہے۔ شاید اس نے آج تک آپ میں سے کسی کو یہ کہانی نہیں سنائی۔ لیکن ہم عمر ہونے کے باعث صرف میں ہی اس کے دکھوں سے واقف ہو سکی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت دکھی ہے۔" کوثر نے ٹھنڈی سی سانس بھر لی۔

"کیا بتایا ہے اس نے؟" عامر نے پوچھا۔

"فی الحال میں کچھ نہیں بتا سکتی، میں نے وعدہ کیا ہے کہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" کوثر کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ "اس لئے نہیں بتاؤں گی کہ صرف میں ہی اس کے دکھوں کی دوا ڈھونڈ کر لا سکتی ہوں۔ اور میں ضرور ایسا کروں گی، خواہ اس میں کتنا بھی وقت اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔"

"پھر بھی۔۔۔ آخر کچھ تو پتہ چلے۔" عامر نے اصرار کیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ کرشنا پر بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔" کوثر نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے آج معلوم ہوا کہ بوڑھا میں کتنے ذلیل اور غلط لوگ بستے ہیں۔ مجھ سے اور کچھ مت پوچھئے۔"

"اچھا مت بتاؤ۔ لیکن یہاں سے باہر تو چلو۔" عامر نے اتنے آہستہ سے کہا کہ اماں نہیں سن سکیں۔ لیکن وہ سمجھ سب گئیں اور ان دونوں کو تنہا اس جگہ چھوڑ کر کرشنا کے کمرے میں چلی گئیں۔

بس رانی کھیت کا راستہ چھوڑ کر کھیرانہ روڈ ہوتی ہوئی الموڑہ کی طرف مڑ گئی تھی۔ اس مقام پر چھوٹی اور بڑی کوسی کا ملاپ ہوتا ہے۔ عامر کو یہ مقام بہت پسند تھا۔ مگر وہ بس میں قید تھا لہٰذا وہاں رک نہ سکا۔ کوسی پہاڑوں کا دامن چیرتی ہوئی اور چیڑ کے درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں سے سر پھوڑتی ہوئی آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ راستہ بالکل سنسان تھا اور یہ پہاڑی سڑک بتدریج اونچی ہوتی جا رہی تھی۔

پورے راستے عامر اس معمّے کو سلجھاتا ہوا آیا تھا جو اس کے لئے عقدہ لاینحل بنا ہوا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جتنا وہ سوچتا اتنا ہی ذہن پراگندہ ہوتا جاتا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے سب کچھ قدرت پر چھوڑ دیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ صحیح اور سچے راستے پر ہے تو قدرت ضرور اس کی مدد کرے گی۔ چلتے وقت وہ کوثر سے مل کر بھی نہیں آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ہرگز اسے نہیں جانے دے گی۔ لیکن اس نے اماں سے کہہ دیا تھا کہ کوثر سے کہہ دیں کہ وہ ایک ضروری کام سے باہر گیا ہوا ہے۔

شام کے وقت بس الموڑہ پہونچی۔ پہاڑی علاقوں میں شام ویسے بھی جلدی ہو جایا کرتی ہے۔ مگر اس روز عامر چاہتا تھا کہ رات جلد ہو جائے تاکہ وہ اپنا کام کر کے فوراً واپس دلی آ جا سکے۔ سب سے پہلے وہ بڑے بازار میں پہونچا تاکہ بوڑھے پہاڑی کو تلاش کر سکے۔ ایک ایک دکان اور ریسٹورنٹ

کا چپہ چپہ تلاش کرلینے کے باوجود بھی وہ اس پراسرار شخص کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں دیکھ سکا۔ مقامی لوگوں سے دریافت بھی کیا مگر اس کا اتہ پتہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ بیشتر دوکانیں اب بند ہونے لگی تھیں۔ یہ سوچ کر کہ رات وہ کسی ہوٹل میں بسر کرے گا اور آدھی رات گزر جانے کے بعد شوکت لاج جائے گا وہ جیسے ہی ایک سمت مڑا اپنے سامنے بیلا کو کھڑا ہوا دیکھ کر اچانک ٹھٹھک گیا۔ بیلا حسب عادت اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ عامر پہلے تو گھبرا گیا۔ مگر پھر یہ سوچ کر کہ بیلا کی مدد سے ہی وہ شوکت لاج آسانی سے جا سکتا ہے، اس نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن اچانک اسے خیال آیا کہ اس طرح تو تصویر کی چوری کا الزام اس پر آسانی سے لگ جائے گا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ بیلا سے اب یہ ذکر ہرگز نہ کرے گا کہ وہ شوکت لاج جانا چاہتا ہے۔

"کیوں بابو ـــ اب کے تو بہت دنوں بعد آئے!" بیلا نے اٹھلا کر سوال کیا۔ "آپ تو بہت جلدی یہاں سے چلے گئے تھے۔ اب کیا کہیں اور جائیں گے؟"

"ہاں ـــ میں ذرا باگیشور جا رہا ہوں۔" عامر نے سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ اسے یہ تو بتانا ہی نہ تھا کہ وہ المورڑہ رک کے گا۔

"کیا بات ہے بابو آج جو بھی آ رہا ہے باگیشور ہی جا رہا ہے؟" بیلا مسکرائی۔ "کیا اس لئے کہ منجو دیوی وہیں پر ہیں؟"

عامر کٹ کر رہ گیا ـــ مگر کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بیلا اسی رات کی نسبت سے یہ بات کہہ رہی ہے جب کہ اسے منجو کے کمرے میں ذلت اٹھانی پڑی تھی۔ پھر بھی اس نے ہمت کر کے کہا ـــ

"کیا بکواس کر رہی ہے ـــ میرا بھلا منجو سے کیا تعلق ـــ اور پھر تو نے یہ کیوں کہا کہ جو بھی آ رہا ہے باگیشور جا رہا ہے؟"

"اس لئے کہ اسلم شاب بھی یہاں آئے تھے اور وہ بھی وہیں گئے ہیں۔" بیلا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

عامر سمجھ گیا کہ اسلم اپنی غلط حرکت کی معافی مانگنے باگیشور گیا ہوگا۔ بیلا بتا ہی رہی ہے کہ منجو باگیشور میں موجود ہے۔ باتوں باتوں میں اس نے بوڑھے پہاڑی کے بارے میں بھی بیلا سے دریافت کیا مگر افسوس کہ وہ بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکی۔ وہ عامر کو میٹھی میٹھی نظروں سے لگاتار دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ یہاں ہوٹل میں کیا کریں گے۔ وہیں بنگلے میں چل کر رہیئے نا۔ شاب میرے سوا وہاں کوئی نہیں ہے۔ بنگلہ رات کو بھی خالی رہے گا۔ کیوں؟"

"نہیں، میں کل صبح ہوتے ہی باگیشور چلا جاؤں گا۔" عامر نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "رات ہوٹل ہی میں گذار دوں گا۔"

"آپ مجھ سے ڈرتے ہیں بابو۔ آپ کہیں گے تو میں رات آپ کے پیر بھی داب دوں گی۔ شہر کار تو جب یہاں آتے ہیں اور اکیلے ہوتے ہیں تو میں سبھی راتوں کو ان کے پاس ہی رہتی ہوں۔" بیلا نے شرارتی لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت غضب کی مستی چھائی ہوئی تھی۔ "آپ کہیں گے تو آپ کے پیر بھی داب دوں گی؟"

"بکواس مت کرو۔" عامر کو اچانک طیش آگیا۔ "کیا تم شوکت کو اتنا ذلیل سمجھتی ہو؟"

"میں تو انہیں مالک سمجھتی ہوں بابو۔ اور مالکوں کا نوکروں پر پورا حق ہوتا ہے، جو وہ کہیں اُسے ماننا نوکر کا دھرم ہوتا ہے بابو۔" بیلا کے لہجے میں اب طنز اور تلخی کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔

"تم جانتی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ سراسر الزام ہے شوکت پر۔"

"انہوں نے میرے ڈھیر سارے فوٹو کھینچ رکھے ہیں شاب۔ بجلی والے کیمرے سے، جس میں سے جھپاک سے روشنی نکلتی ہے۔ جب وہ میرے ساتھ بستر پر تھے تو نہ جانے کیمرے نے دور رکھے رکھے اپنے آپ ہی کس طرح تصویر کھینچ لی۔ میں وہ فوٹو آپ کو دکھاؤں گی۔" بیلا نے کہا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات ہے!" عامر حیرت زدہ رہ گیا۔

"جبھی تو میں نے آپ کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی ہے۔ مجھے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شہر کار کا تو حکم ماننی تھی مگر آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"نہیں بیلا۔۔۔ میں اس قماش کا آدمی نہیں ہوں۔" عامر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تم اب جاؤ۔ تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"الجھن کیسی۔۔۔" بیلا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "الٹا تو ہونا ہی ہے شاب۔"

اتنا کہہ کر وہ تو چلی گئی لیکن عامر کو مایوسی اور تذبذب کے اندھیروں میں دھکیل گئی۔ وہ شوکت کو ایسا نہیں سمجھتا تھا مگر بیلا نے بھی جو کچھ کہا تھا وہ اس پر یقین کر لینے پر مجبور تھا۔ حد تو یہ ہے کہ وہ کم بخت اُسے اپنے اور شوکت کے فوٹو دکھانے کے لئے بھی تیار تھی۔ پہلے تو عامر کا دل ان الزامات کو سچ ماننے اور ان پر یقین کرنے سے انکار کرتا رہا لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ شوکت غیر شادی شدہ مرد ہے لہذا یہ بات فطری ہے۔ بھول چوک سرزد ہو ہی سکتی ہے۔ جب پوری کوٹھی میں صرف بیلا ہی اکیلی لڑکی ہو گی تو اس کا بہک جانا قدرتی امر ہے۔ اسے یہ اطمینان بھی ہو گیا تھا کہ اسلم باگیشور میں منجو کے پاس ہی ہو گا۔ جو الزام اس پر عائد ہو چکا ہے اس سے وہ خود کو بری الذمہ تو قرار نہیں دے سکتا۔ البتہ معافی تلافی سے اپنی پیشانی پر لگے

ہوئے داغ کو ضرور دھو سکتا ہے!

رات کے تقریباً دو بجے تھے جب وہ شوکت لاج کے صدر دروازے کے قریب کھڑا ہوا اندر جانے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔ اپنے دورانِ قیام ہی وہ اس جگہ کا چپہ چپہ دیکھ چکا تھا۔ البتہ لال بنگلے کا وہ کمرہ نہیں دیکھا تھا، جہاں وہ پراسرار تصویر تھی۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اگر صدر دروازے سے آگے بڑھ کر اور مہندی کی باڑھ کو پھلانگ کر وہ کوٹھی کے احاطے میں پہونچ جائے تو پھر وہ کمرہ صرف چند قدم کے فاصلے پر ہی رہ جاتا ہے جس میں اس کی مطلوبہ تصویر لگی ہوئی تھی!

سب طرف اندھیرا تھا۔ اتفاق سے آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں نے چاند کی نورانی کرنوں کو مقید کر لیا تھا۔ لہٰذا لان میں دور دور تک کوئی متنفس دکھائی نہ دیتا تھا۔ دبے دبے پاؤں رکھتا ہوا اور ہر سمت احتیاط سے دیکھتا ہوا آخر وہ اس کمرے کے دروازے تک پہونچ ہی گیا۔ بڑے بازار سے اس نے ایک چھوٹی سی ٹارچ خرید لی تھی۔ جیب سے ٹارچ نکال کر اس نے دروازے پر ہلکا سا زور دیا اور اس کی توقع کے خلاف دروازہ فوراً کھل گیا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ جیسے ہی اس نے قدم آگے بڑھایا، اچانک وہ زمین پر پڑی ہوئی کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اس نے نیچے جھک کر اس شے کو ٹٹولا تو حیرت اور خوف کے باعث حلق سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ کسی کے ننگے جسم سے مس ہو رہے تھے اور بلاشبہ وہ جسم کسی عورت کا تھا!

اس نے ٹارچ کی روشنی جب اس جسم پر ڈالی تو خوف کی وجہ سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ جسم کپڑوں کی قید سے آزاد تھا اور مقتولہ ملازمہ بیلا کے سوا کوئی اور نہ تھی۔

عامر کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بیلا اس طرح عریاں حالت میں وہاں پڑی ہوئی ملے گی۔ احتیاط کے طور پر اس نے بیلا کے سینے پر کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کی۔ مگر سب بے سود، زندگی کے ذرا سے بھی آثار نہیں تھے، وہ کس طرح اور کیسے مری؟ یہ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ اسے اب ہر لحظہ یہ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی آ نہ جائے۔ اس نے سوچا کہ بیلا کی موت کی تحقیق تو بعد میں بھی ہو جائے گی پہلے تو اسے مغربی دیوار پر لگی ہوئی تصویر اتارنی ہے کیونکہ وہ اسی مقصد کے لئے یہاں آیا ہے۔

لرزتے ہاتھوں سے اس نے ٹارچ کی روشنی دیوار پر ڈالی۔ لیکن اس حقیقت کا انکشاف ہوتے ہی کہ دیوار پر اب کوئی تصویر نہیں ہے اس کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ دیوار پر پڑا ہوا نشان بتا رہا تھا کہ وہاں پہلے سے ایک تصویر موجود تھی۔ مگر عامر کے وہاں پہنچنے

سے پہلے ہی کسی نے جھٹکے سے تصویر اتار لی، کیونکہ دیوار پر لگی ہوئی کیل کے مقام پر پلستر ادھڑا ہوا تھا اور بیہودہ نامعلوم آدمی تصویر کے ریزہ ریزہ ہو گیا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ بیلا عریاں حالت میں کمرے میں کس طرح پہونچی اور اسے کس نے قتل کیا۔ ؟ کیا وہ پہلے ہی سے عریاں تھی یا اندر پہونچ جانے پر اسے کسی نے عریاں کیا !

لازمی طور پر یہ کام اسی آدمی کا ہو سکتا ہے جو پہلے ہی آکر تصویر لے گیا تھا۔ مگر پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ بیلا کو قتل کرنے سے پہلے قاتل کو اس کے کپڑے اتارنے کی کیا ضرورت تھی ؟ وہ جب لاش پر بستر کی چادر ڈالنے میں مصروف تھا تب بھی اس کا ذہن اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں الجھا ہوا تھا !

اُس کا خیال تھا کہ شاید قاتل نے بیلا سے کوئی خاص بات دریافت کرنے کی خاطر اس کو ننگا کر کے زدوکوب کیا ہے۔ مگر ٹارچ سے اُس کے جسم کے ایک ایک حصّہ کا جائزہ لینے کے باوجود مارپیٹ کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک روشنی چمکی۔ بیلا جنسی مریضہ تھی۔ اُس کی صبح کی گفتگو سے تو یہی اندازہ ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ خود کو لباس کی قید سے آزاد کر کے سو رہی ہو۔ کہ اچانک قاتل وہاں آگیا اس نے چپکے سے تصویر اُتاری اور پھر وہ جیسے ہی آگے بڑھا، بیلا کی آنکھ کھل گئی۔ بیلا نے لازمی طور پر شور مچایا ہوگا۔ لہٰذا قاتل نے اُسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینا ہی بہتر سمجھا ہوگا۔ بے شک یہ مفروضہ تھا لیکن ممکن ہے کہ یہی حقیقت بھی ہو!

اور پھر اس نے سوچا کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ اُسے یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہیئے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے کے بعد جیسے ہی وہ آگے بڑھا اچانک دروازہ ایک پُر شور آواز کے ساتھ کھلا اور پھر کسی نے کرخت لہجے میں کہا۔

"خبردار۔ جس جگہ ہو وہیں کھڑے رہو۔"

اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی مدافعت کے لئے کچھ کرسکتا یا وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی دروازے میں اُس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کسی سے بجلی جلانے کے لئے کہا اور جب کمرے میں روشنی ہو گئی تو عامر یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا کہ پولیس کمرے میں داخل ہو چکی ہے۔!

"ہمیں علم ہوا ہے کہ اِس کمرے میں کوئی قتل ہو گیا ہے۔" انسپکٹر نے ماتحتوں کو اشارہ کیا کہ

وہ لاش پر سے کپڑا ہٹا دیں۔ اور جب انہوں نے ایسا کر لیا تو انسپکٹر نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

" شک ہے کہ قاتل ابھی موقع پر ہی موجود ہے۔ رام سنگھ ہتھکڑی لگا دو۔ احتیاط سے بڑھو کہیں یہ بھاگ نہ جائے "۔

" دیکھئے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے "۔ عامر نے اس صورتِ حال سے گھبرا کر کہا " قتل میں نے نہیں کیا "۔

" اگر تم نے نہیں کیا تو اتنی رات کو ایک ننگی لاش کے پاس کھڑے کیا کر رہے تھے ؟ " انسپکٹر نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ عامر خاموش رہا کیونکہ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ اب کیا جواب دے۔ اگر کہتا ہے کہ چوری کرنے آیا تھا تب بھی مجرم اور حقیقت بیانی نہیں کرتا تب بھی مجرم۔ مجبوراً اس نے بے فکری کے ساتھ جواب دیا۔

" مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو یہ لاش مجھے مری ہوئی ملی تھی۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ "

" خوب تو تم نام بھی جانتے ہو "۔ انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا " رنگ رلیاں منانے کے بعد تم نے لڑکی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تاکہ تمہارے گناہ پر پردہ پڑا رہے۔ کیوں ؟ "

" آپ جو چاہے سمجھیں۔ میں سچ بات کہہ چکا ہوں "۔

انسپکٹر کے حکم سے عامر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی جا چکی تھی۔ دو سپاہی لاش کے پاس ہی رُکے رہے اور باقی انسپکٹر اور عامر کے ساتھ باہر آ کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ جیپ کے اندر کی روشنی جل رہی تھی اور اس ہلکی روشنی میں انسپکٹر عامر کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا واقعی وہ قاتل ہو سکتا ہے ؟ انسپکٹر کا دل کہہ رہا تھا کہ ایسی شریف صورت کا یہ نوجوان قاتل ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن اگر یہ قاتل نہیں ہے تو پھر کون ہے ؟

پہاڑی ضلع کا چھوٹا سا تھانہ تھا جس کی ایک معمولی سی کوٹھری میں عامر کو بند کر دیا گیا۔ اس کوٹھری کا دروازہ آہنی تھا اور اس میں جالی لگی ہوئی تھی۔ خنکی کافی ہو گئی تھی لہٰذا اُسے ایک معمولی سا کمبل بھی رات گزارنے کے لئے دے دیا گیا۔ انسپکٹر نے اس کی شرافت اور گفتگو کے سلیقے کو مدِنظر رکھتے ہوئے خود بھی شرافت سے بات کی اور اُسے بتایا کہ کل صبح اُسے کوتوالی میں منتقل کر دیا جائے گا۔

اگلے دن جب کوتوالی میں اُس کی پیشی ہوئی تو انسپکٹر کی میز کے سامنے اُسے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اور عامر کو دیکھ کر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب۔ یہی ہیں مسٹر عامر۔"

"مسٹر عامر۔" انسپکٹر نے اب عامر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ کی ضمانت ان صاحب نے دے دی ہے۔ آپ پر کیس تو باقاعدہ چلے گا۔ لیکن فی الحال آپ ضمانت پر رہا کیے جاتے ہیں۔"

عامر اس شخص کو قطعی نہیں پہچانتا تھا۔ اُسے حیرت بھی تھی کہ آخر وہ اجنبی کون ہو سکتا ہے اور اس نے ضمانت کیوں دی ہے۔ جب اُلجھن بڑھنے لگی تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

"مگر معاف کیجئے گا۔ آپ ہیں کون صاحب؟"

"میں تمہارے والد کا دوست ہوں بیٹے۔ میرا نام پرشوتم ہے۔ باہر چلو میں تمہیں سب بتا دوں گا۔"

ادھیڑ عمر کا آدمی اتنا کہہ کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ عامر کے ساتھ کوتوالی سے باہر آ گیا اور قریب کے بازار میں ایک معمولی سے چائے خانے میں بیٹھنے کے بعد اُس نے عامر سے کہا۔

"ہاں تو مسٹر عامر۔ آپ قتل کے الزام سے کبھی بری ہو جائیں گے بالکل اسی طرح جیسے کہ میں نے آپ کی ضمانت دے کر آپ کو عارضی طور پر رہا کرا لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے یہ سب باتیں عجیب سی لگ رہی ہیں۔ آپ کو آخر مجھ سے کیا دلچسپی ہے جو مجھے رہا کرانے کے لئے اتنی تکلیف گوارا کی؟" عامر بیحد حیرت زدہ تھا۔

"دلچسپی ہے۔" پرشوتم نے جواب دیا۔ "آج کی دنیا کا ہر انسان مطلبی ہے۔ میں نے بھی اپنے ایک مطلب کی خاطر تمہاری ضمانت دی ہے۔"

"آپ کا کون سا کام اٹکا ہوا ہے مجھ سے؟" عامر کو اب اور بھی تعجب ہوا

"وہ تصویر کہاں ہے؟" پرشوتم نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

عامر ایک لمحے کے لئے چونکا ضرور۔ لیکن اُس نے چہرے پر ظاہر ہونے والے استعجاب کو فوری طور پر چھپا لیا۔ اُسے یقین تھا کہ اس اجنبی شخص پرشوتم نے اس کے چہرے کی یہ فوری تبدیلی ہرگز نوٹ نہیں کی ہے۔

"کیسی تصویر۔؟"

"بھولے مت بنو۔" پرشوتم کا لہجہ اچانک سخت ہو گیا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بنگلے میں تم وہ تصویر چرانے ہی آئے تھے۔ تصویر کہیں چھپا دینے کے بعد تم نے بیلا کا خون کر دیا۔ تم بھاگنا چاہتے تھے مگر عین موقع پر پکڑے گئے۔"

"کمال ہے" عامر طنز یہ طور پر ہنسا۔ "اول تو مجھے کوئی تصویر چرانے کی کیا ضرورت۔ ہو دوسرے بیلا کو ننگا کر کے قتل کیوں کروں گا۔؟"

"تم نوجوان اور خوبصورت ہو۔ بیلا ویسے بھی کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی۔ میں مانتا ہوں کہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دیا ہوگا۔ لیکن جب اس نے تمہاری چوری پکڑی ہوگی اور کوئی خاص راز جان گئی ہوگی تو پھر تم نے اسے خاموش کر دیا۔"

پرشوتم جب تک بولتا رہا، عامر چائے کی پیالی سے کھیلتا رہا۔ دراصل اس طرح وہ بکھرے ہوئے خیالات کو یکجا کر رہا تھا۔

"میں کسی تصویر کے بارے میں نہیں جانتا"۔ کچھ سوچ کر اس نے خاموشی کو توڑا۔ "اور مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے کہ بیلا کون تھی۔ اور کمرے میں کیوں ننگی حالت میں قتل کی ہوئی ملی۔ میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"مان لیتا ہوں" پرشوتم نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں جیسے عامر کے دل میں چبھ رہی تھیں۔ "لیکن کیا تم اس بات کا جواب دو گے کہ شوکت کی کوٹھی کے لال بنگلے والے اس خاص کمرے میں کیوں گئے تھے۔ اور اگر تمہارے بقول تم وہاں گئے ہی نہیں تو پھر وہاں سے گرفتار کس طرح ہو گئے۔؟"

عامر اس کی وکیلوں جیسی جرح سے گھبرا گیا۔ اور چند لمحے تک سوچنے کے بعد بولا۔

"کیا آپ نے ان سب بے کار سی باتوں کو دریافت کرنے کے لئے ہی ضمانت دے کر مجھے رہا کرایا ہے۔ معاف کیجئے گا۔ میں مقدمہ لڑوں گا۔ مگر میں آپ کا احسان مند ہرگز رہنا نہیں چاہتا۔ مجھے واپس آپ جیل میں بھجوا دیجئے۔"

"مسٹر عامر" پرشوتم اچانک خطرناک لہجے میں بولا "تمہاری خیر بہت اسی میں ہے کہ سب باتیں سچ سچ بتا دو۔ ورنہ"

"ورنہ کیا۔؟" عامر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ورنہ اذیت ناک انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پولیس کی قید سے تم تو چھوٹ گئے لیکن اب ہماری قید میں رہو گے۔ اور اس قید سے اسی وقت رہا ہو گے جب ہم چاہیں گے۔"

عامر کچھ کہنے سے پہلے ہی تین خوفناک صورت غنڈوں نے جو کچھ ہی دیر پہلے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے اسے تین طرف سے گھیر لیا اور پھر پرشوتم کے اشارے پر اسے کرسی سے اٹھنا پڑا۔ غنڈوں نے اسے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ باہر سڑک پر ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ پرشوتم نے عامر کو پستول کی جھلک دکھا کر اس میں بٹھایا اور پھر یہ کار کسی

نامعلوم سمت میں روانہ ہو گئی۔

ایک دن کے طویل سفر کے بعد، جو اسی اسٹیشن ویگن میں بند ہو کر کیا گیا، عامر بالآخر دلی پہنچ گیا۔ دلی پہونچنے والی بات بھی اسے بعد میں معلوم ہوئی۔ کیونکہ اسٹیشن ویگن میں وہ تقریباً قید تھا۔ کار ہر طرف سے بند تھی اور اسے یہ علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ کچھ ناہموار راستوں پر چلنے کے بعد جب اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی خاص کمرے میں پہونچایا گیا تب اسے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ ایک وسیع و عریض اور خوبصورت کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے سامنے ہی کرسی پر ایک ایسا شخص براجمان ہے جسے وہ اچھی طرح جانتا تھا اور جو دامودر کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں کئی غنڈے مؤدب کھڑے ہوئے تھے اور کینہ توز نظروں سے عامر کو گھور رہے تھے۔

"کہیئے مسٹر عامر، ہمارے سابق جنرل منیجر صاحب! مزاج اچھے ہیں؟" دامودر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں دریافت کیا۔

"میرے مزاج تو اچھے ہیں۔ لیکن تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے دامودر۔" عامر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"حیرت کی کوئی بات نہیں، دراصل خاکسار ہی اس گروہ کا آقا ہے اور آپ کے اس غلام کے قبضے میں آپ کے عزیز دوست شوکت بھی ہیں۔ میں ان کی فرم میں کام بھی کرتا ہوں اور اپنے اس گروہ کو چلاتا بھی ہوں۔"

"کیا یہ بات شوکت کو معلوم ہے؟"

"بالکل معلوم ہے۔ وہ میرے حکم کے بغیر ایک انچ بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتا۔" دامودر نے نفرت آمیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "میں قدم قدم پر اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتا رہتا ہوں وجہ یہ کہ مسٹر عامر وہ بہت بڑی جائداد کا مالک ہے۔ اتنی بڑی جائداد کا بوجھ اس کے ناتواں کاندھے نہیں سنبھال سکتے۔ لہٰذا آپ کا یہ خاکسار حسب ضرورت اس جائداد کو اپنے مصرف میں لاتا رہا ہے۔"

"خیر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" عامر نے بے فکری سے کندھے جھٹک کر کہا۔ "میں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"بس سیدھی سادی سی ایک بات معلوم کرنے کے لئے۔ صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ تصویر کہاں ہے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا کونسی تصویر کی بات کر رہے ہو۔" عامر نے کہا۔ "میں تمہارے گرگے کو

بھی بتا چکا ہوں کہ جب میں وہاں پہنچا تو کوئی تصویر وہاں نہیں تھی۔ کمرے کی سب دیواریں خالی تھیں۔ پھر مجھے یہ بھی دریافت کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ تم اور تمہارے ماتحت تصویر کی بابت ہی مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ تصویر کا کوئی اتہ پتہ بھی نہیں بتاتا۔ کیا تھا اس تصویر میں۔ فوٹو تھا۔ یا کوئی پینٹنگ تھی۔ ظاہر ہے کہ میں وہاں تصویر دیکھنے تھوڑی ہی گیا تھا!"

"تو پھر تم وہاں کس لئے گئے تھے؟" دامودر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"بیلا نے مجھے اس کمرے میں رات گزارنے کی دعوت دی تھی۔" عامر نے دانستہ جھوٹ بول دیا۔

"میں ان باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔" دامودر نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کوثر کے علاوہ اور کسی سے محبت کر ہی نہیں سکتے۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟ بہت کچھ جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں آوارہ لڑکیوں سے کوئی رغبت نہیں ہے۔"

"پہلے نہیں تھی مگر اب ہو گئی ہے۔ انسان کو بدلتے ہوئے دیر بھی کیا لگتی ہے!"

"بکواس مت کرو۔" دامودر فرطِ طیش سے کھڑا ہو گیا۔ "بتاؤ تم وہاں کیوں گئے تھے؟"

"کہہ تو دیا کہ مجھے بیلا نے بلایا تھا۔ ہم دونوں بستر پر بیٹھے ہوئے تھے کہ نہ جانے اسے کیا ہوا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر دہری ہو گئی۔ میں نے سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ نیچے گر گئی اور گرتے ہی مر گئی۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" اچانک کمرے میں ایک نیا شخص داخل ہوا اور عامر کے قریب آ کر بولا۔ "تم غلط کہتے ہو وہ خود بخود نہیں مری بلکہ اسے میں نے قتل کیا ہے۔"

عامر اس شخص کو پہچان کر حیران رہ گیا کیونکہ آنے والا شخص اس کا عزیز دوست شوکت تھا۔

"شوکت۔!" عامر بیتاب ہو کر چلایا۔

"ہاں۔ وہ میں تھا جس نے بیلا کو گلا گھونٹ کر مارا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو تصویر غائب تھی اور تم اس کے پاس لیٹے ہوئے تھے حالانکہ اس کے تعلقات مجھ سے اور صرف مجھ سے تھے اور میں نے اسے تنبیہہ کر رکھی تھی کہ میرے بجائے وہ کسی اور سے تعلقات قائم نہ رکھے مگر اس حرامزادی نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ جیسے ہی میں کمرے میں پہنچا شاید تم تصویر بغل میں دبا کر کھڑکی کے راستے سے کود گئے۔ بیلا مجھے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی اور میں نے اس کی بیوفائی دیکھ کر اپنے ان ہاتھوں سے اس کا گلا دبا دیا۔ لہٰذا اب تم انکار نہیں کر سکتے۔ صاف صاف بتا دو کہ تصویر کہاں ہے؟ اسی میں تمہارا اور میرا بھلا ہے

عامر۔"

"مگر شوکت ۔میں تو بیلا کے مرنے کے بعد وہاں پہنچا تھا۔"

"جھوٹ مت بولو۔" دامودر پیر پٹخ کر بولا۔" ابھی تم نے کہا تھا کہ بیلا نے تمہیں وہاں بلایا تھا اور تم اس کے ساتھ سو رہے تھے۔"

"میں نے جو پہلے کہا وہ جھوٹ تھا اور سچ یہ ہے جو میں اب کہہ رہا ہوں۔" عامر نے جز بز ہو کر جواب دیا۔

"تصویر کی بابت تمہیں کس نے بتایا تھا؟ شوکت نے نرمی سے پوچھا۔"

"ایک پہاڑی شخص نے۔"

"وہ اب کہاں ہے؟" دامودر نے اشتیاق بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"مجھے نہیں معلوم ۔میں نے اُس کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ تو مجھے مین بازار کے ایک ریسٹورنٹ میں ملا تھا۔"

دامودر اتنا سنتے ہی عامر کو مارنے کے لئے آگے بڑھا لیکن شوکت بیچ میں آگیا اور سرگوشی سے بولا۔

"دیکھو عامر، میرے ساتھ ہی تمہاری جان بھی خطرے میں ہے ۔اس آدمی کے اشارے پر مجھے خطرناک سے خطرناک کام کرنے پڑے ہیں ۔تم کو جان بوجھ کر ڈانٹنا اور بُرا بھلا بھی کہنا پڑا ۔سوچ لو جب مجھ جیسا عزت دار آدمی اس کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے تو تمہاری کیا حیثیت ہے۔ لہٰذا اسے بتا دو کہ تصویر تم نے کہاں چھپائی ہے اور وہ بوڑھا پہاڑی تمہیں کہاں ملا تھا؟"

"میں تم سے سچ کہتا ہوں شوکت کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"یہ بھی نہیں معلوم کہ تصویر میں کیا تھا؟"

"جب میں نے تصویر دیکھی ہی نہیں تو مجھے کیا معلوم کہ اس میں کیا تھا؟ ۔میں غلط نہیں کہہ رہا شوکت جب میں وہاں پہنچا تو بیلا مری ہوئی پڑی تھی۔" عامر نے کہا۔

"تو پھر وہ کون تھا جو بیلا کے ساتھ بستر میں لیٹا ہوا تھا؟" شوکت نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"اب یہ میں کیا بتاؤں ۔تمہاری طرح سے یہ عقدہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔" عامر نے آہستہ سے کہا۔

"خیر یہ عقدہ سلجھ جانے تک مجھے افسوس ہے کہ تم نہیں رہو گے۔" شوکت نے کہا۔

"میں مجبور ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکلنے میں کوئی مدد نہیں دے سکتا۔"

"مطلب یہ ہے کہ میں خود کو دامودر کا قیدی سمجھوں۔" عامر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ شوکت دامودر کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

"قطعی۔ مجبوری ہے۔" شوکت نے اپنے کندھے اُچکائے۔" میں باس کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور رہوں اور تم۔۔۔"

"اور میں تمہارا کہنا ماننے کے لئے مجبور ہوں۔ یہی نا؟" عامر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں تم کو بچانے کے لئے تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہاں آ کر ہماری راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں عامر۔ باس کو تم پر شک ہے اور میں کسی بھی طرح اس کے اِس شک کو دور نہیں کر سکتا۔"

"بہتر ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" عامر نے اتنا کہہ کر ایک طویل سرد آہ بھرلی۔ اب اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا!

صبح کا وقت تھا۔ عامر کی والدہ نماز پڑھنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ جب سے عامر اغوا ہو گیا تھا۔ امّاں کو ایک لمحہ کا بھی قرار نہ آیا تھا۔ اُسے کچھ ہو نہ جائے۔ کہیں وہ دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ ہر وقت وہ یہی سوچتی رہتی تھیں اور اپنے بیٹے کی سلامتی کے لیے روزانہ مصلے پر بیٹھ کر بڑی دیر تک عامر کی واپسی کی دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ چند دن پہلے ہی کرشنا کے ہاں لڑکا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ ایک نوکرانی کے ساتھ ہر وقت گھر ہی میں رہتی تھی۔ باہر یوں نہ جاتی تھی کہ محلے والوں کی آڑی ترچھی نظریں اُس کا تعاقب کرتی رہتی تھیں اور یہ بات اُسے پسند نہ تھی۔

ایک دن عجیب بات ہوئی۔ امّاں صبح دس بجے کے قریب کسی کام سے باہر سڑک پر جا رہی تھیں۔ سڑک پر زیادہ بھیڑ بھاڑ بھی نہیں تھی۔ وہ ایک دوکان سے کچھ خرید کر واپس آ ہی رہی تھیں کہ اچانک ایک ٹیکسی اُن کے بالکل قریب آکر رُکی اور ایک شریف صورت آدمی نے ٹیکسی سے اتر کر بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں اُن سے کہا۔

"آپ عامر صاحب کی والدہ ہی ہیں نا؟"

"ہاں۔ کہو کیا بات ہے۔؟" امّاں نے اُس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"جلدی چلیے۔ وہ بری طرح زخمی ہیں اور اس وقت اسپتال میں موجود ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔ کیا ہوا میرے بیٹے کو۔؟" امّاں کے ہاتھ سے ٹوکری گر گئی۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ لیکن آپ فوراً چلیے، سب کچھ وہیں چل کر پتہ لگ جائے گا۔"

اماں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ بڑی گھبراہٹ کے عالم میں وہ ٹیکسی میں بیٹھیں اور جب پھر کافی سفر طے کر لینے کے بعد انہیں یہ احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں نہیں بلکہ ایک شکستہ سے کھنڈر کے اندر لے جائی جا رہی ہیں تو انہوں نے کچھ کہنے کے لئے مونہہ کھولا ہی تھا کہ اس شخص نے یہ کہہ کر تسلی کرا دی کہ وہ پرائیویٹ اسپتال ہے۔ اور عامر اس پرانے اسپتال کے سب سے آخری کونے میں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔

ایک طویل راہ داری طے کرنے کے بعد اماں نے دیکھا کہ پرانے زمانے کے شکستہ سے کمرے میں ایک پلنگ پر عامر دراز ہے۔ اماں اپنے بیٹے کی یہ حالت بھلا کس طرح دیکھ سکتی تھیں۔ دیوانہ وار وہ پلنگ کی طرف بڑھیں اور بیتابی سے عامر کے جسم کو جھنجھوڑنے اور اُسے آوازیں دینے لگیں، مگر اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ شاید وہ بے ہوش تھا۔ اماں کے بار بار پوچھنے پر اُسی شخص نے جو اماں کو وہاں لے کر آیا تھا۔ انہیں بتایا۔

"دو دن سے اِن کی یہی حالت ہے ماں جی۔ انہیں غنڈوں نے پکڑ لیا تھا اور بری طرح مارا پیٹا تھا۔ وہ اِن سے کوئی تصویر حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"ہاں ہاں۔ یہ تصویر لینے ہی تو المورہ گیا تھا۔" اماں نے آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید وہ تصویر انہیں نہیں ملی۔" اس شخص نے کہا۔ "اب میں آپ کو سچ بات بتا دوں ماں جی۔"

"سچ بات۔ کیا مطلب؟" اماں نے رونا بھول کر حیرت سے ابرو ئیں اوپر اٹھائیں۔

"دراصل غنڈوں کے سردار نے مجھے اس کام پر مقرر کیا ہے کہ اگر تصویر نہیں ملی تو نہ سہی۔ کم از کم میں آپ سے یہ ضرور معلوم کر لوں گا کہ تصویر کے اندر کیا تھا؟"

"تصویر کے اندر کیا تھا؟" اماں نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"ارے بھیا تصویر کے اندر تصویر ہی ہو سکتی ہے اور کیا ہو گا؟"

"آپ کو کچھ معلوم ہے تصویر کے بارے میں؟ کیا اس کے اندر کوئی کاغذ بھی تھا۔ یعنی کوئی سرکاری دستاویز وغیرہ؟"

"مجھے بھلا کیا معلوم۔" اماں نے سیدھا سادا سا جواب دیا۔ مگر سرکاری دستاویز کا سن کر وہ چونک ضرور گئیں۔

"تو پھر آپ نے کیوں بھیجا تھا۔ عامر کو المورے؟"

"میں نے کہاں بھیجا تھا، اس نے خود ضد کی تھی وہاں جانے کی۔ کہہ رہا تھا کہ وہاں ضرور

جاؤں گا۔" اماں نے عامر کو دیکھتے ہوئے کہا۔" میرا بچہ کب ہوش میں آئے گا بھیا ؟"

" تو تمہیں تصویر کی بابت کچھ معلوم نہیں ۔" اجنبی اب آپ سے تم پر اتر آیا۔ وہ برہم نظروں سے اماں کو گھور رہا تھا۔

" کہہ تو دیا کچھ معلوم نہیں مجھے ۔" اماں نے بھی اب ذرا ترشروئی سے جواب دیا۔ وہ اجنبی کی آنکھوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔

مگر ابھی انھوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک ستون کی آڑ سے دامودر برآمد ہوا اور آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

" یہ بڑھیا اس طرح کچھ نہ بتائے گی۔ اس کے سامنے ہی عامر کی گردن اڑا دو ۔"

" نہیں نہیں خدا کے لئے ایسا مت کرنا ۔" اماں عامر کے آگے ڈھال کی مانند کھڑی ہو گئیں اور بڑی ملتجیانہ نظروں سے باری باری ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

" کون ہو تم لوگ۔ عامر نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو ایسی خطرناک بات کہہ رہے ہو۔ میرا عامر ٹھیک تو ہے نا۔ ہے؟"

" اب تک تو ٹھیک ہے مگر آئندہ ٹھیک نہیں رہے گا ۔" دامودر نے کہا۔" اس کی اور تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ اور ہم سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرو ۔"

" ارے کیا بتا دوں ۔ کچھ تو منہ سے بولو ۔" اماں روہانسی ہو گئیں۔ اور عامر کی پیشانی پر پڑے ہوئے بالوں کو سنوارنے لگیں۔

" یہی کہ تصویر کی بابت تمھیں کیا معلوم ہے ؟ اور وصیت نامہ میں کیا لکھا ہے ۔" دامودر نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

" یقین کرو میں کچھ نہیں جانتی ۔ عامر نے ہی مجھے تصویر کے بارے میں بتلایا تھا کہ ... "

اچانک اماں کو احساس ہوا کہ اگر وہ تصویر کی بابت ذرا سی بھی وضاحت کرتی ہیں اور بتا دیتی ہیں کہ عامر کو بوڑھے پہاڑی نے کچھ بتایا تھا تو یہ لوگ اس کے اور دشمن بن جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ راز معلوم کرنے کے بعد اس کو راستے سے ہی ہٹا دیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تصویر کی بابت کچھ نہ بتایا جائے۔ اس طرح یہ لوگ انھیں کم از کم زندہ تو ضرور رہنے دیں گے۔!

" کیا بتایا تھا عامر نے تمھیں ۔ ؟" دامودر گرجا۔

" کچھ نہیں ۔ میں بھول گئی۔ شاید یہ بتایا تھا کہ تصویر میں کوئی سینری تھی ۔"

اماں کے اس جواب کے ساتھ ہی دامودر کا بھرپور ہاتھ ان کے گال پر پڑا اور اس ضرب

برداشت نہ کرتے ہوئے وہ نیچے گر گئیں۔ عامر کے پلنگ کی پٹی پکڑ کر وہ دوبارہ اٹھیں تو اُنھیں دوسرے گال پر بھی یہ تھپڑ برداشت کرنا پڑا۔

" بول بڑھیا۔ کیا بتایا تھا عامر نے ؟" دامودر کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اور اماں پر رحم کرنے کے لئے ذرا بھی تیار نہ تھا۔

" کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور کان کھول کر سُن لے کمینے کہ چاہے تو مجھے جان سے بھی مار ڈالے تب بھی تجھے کچھ نہیں بتاؤں گی۔" اماں نے سینہ تان کر جواب دیا۔ کیونکہ انھیں دامودر سے یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ ان پر ہاتھ اٹھائے گا۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ یہ غنڈے کسی پر رحم کرنا نہیں جانتے ۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ بالفرض انھیں معلوم بھی ہو گیا تب بھی وہ انھیں کچھ نہ بتائیں گی۔

" تیری یہ ہمت کہ دامودر کو جواب دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اور پٹنا چاہتی ہے۔ کیوں؟" دامودر اتنا کہہ کر اماں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اجنبی نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔

" دامودر۔ زبردستی مت کرو۔ اس عورت کو سوچنے کا موقع دو۔ جب اس کے بیٹے پر سختی ہوگی تو اپنے آپ ہی سب کچھ اُگل دے گی۔"

" کچھ بھی کرلو۔ کیسی ہی سختی کرلو۔ مگر اب میری زبان نہیں کھلے گی۔ میں اب سب کچھ سمجھ چکی ہوں۔ مگر یاد رکھو۔ تمہیں اپنے کیئے کی سزا بھگتنی ضرور ہوگی۔ تم نے مجھے مارا ہے، دیکھ لینا۔ اس پر تمہیں افسوس ضرور ہوگا۔"

اماں نے پھر جب یہ بات کہی تو دامودر نے ایک قہقہہ لگایا اور اجنبی کے ساتھ واپس جاتے ہوئے بولا۔

" بے وقوف عورت! زبان کھلوانے کے گُر ہمیں خوب آتے ہیں۔ فی الحال تو میں جاتا ہوں۔ مگر کل صبح پھر آؤں گا۔ تب معلوم ہو جائے گا تمھیں کہ زبان کس طرح کھلوایا کرتے ہیں ہم لوگ۔"

" اور یہ بھی سُن لو" اس بار اجنبی نے کہا " عامر کو انجکشن کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ وہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گا۔ اگر تمھیں کچھ معلوم نہیں ہے تو اُس سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔ ضد سے کوئی فائدہ نہیں۔ تصویر کا راز جاننے کے بعد ہم تمھیں فوراً آزاد کر دیں گے۔"

" ان کے جانے کے بعد اماں عامر کے بستر پر بیٹھ کر کچھ دیر تک اسے تکتی رہیں اور پھر اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں ۔

عامر کی گمشدگی کی اُڑتی اُڑتی خبر کوثر کو مل چکی تھی۔ اس کے دل پر آرے چل رہے تھے۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کچھ لوگ کیوں عامر کے دشمن بن گئے ہیں ؟ اور پھر وہ لوگ

رہیں کون ہ؟ کرشنا نے ایک دن اُسے چند باتیں بتائی تھیں اور ان باتوں کو سُن کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ پہلے تو اس نے اپنے شبہ پر کوئی زیادہ توجہ نہیں دی۔ لیکن عامر کی اماں کے اغوا کی خبر نے جیسے اس کے خیالات کو تقویت بخش دی۔ شبہات تازہ ہو گئے اور پھر یہ سوچ کر کہ شوکت ضرور اس سلسلے میں اس کی مدد کرے گا وہ سیدھی اس کے آفس میں گئی اور اُسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ شوکت نہایت توجہ اور متانت کے ساتھ کوثر کی باتیں سنتا رہا اور پھر بولا۔

"لیکن اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں کوثر ؟"

"بھیا کم از کم تمہیں پولیس کو فون تو کرنا چاہیئے "

"پولیس !" شوکت نے حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا "تم یہ چاہتی ہو کر اس ادنےٰ سے کام کے لئے میں پولیس کے دروازے کھٹکھٹاتا پھروں اور خواہ مخواہ بدنامی مول لوں ؟"

"کیا بات کہہ رہے ہو بھیا۔ یہ ادنیٰ سا کام ہے !" کوثر نے متعجب ہو کر کہا "عامر تمہارا دوست ہے "

"ہے نہیں تھا" شوکت نے سخت لہجے میں جواب دیا "کیا تم سمجھتی ہو کر ایسا آدمی جو منجو کی عزت لوٹنے کا مرتکب ہوا ہو، جو غنڈوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہو اور پولیس جسے تلاش کرتی پھر رہی ہو۔ وہ میرا دوست ہو سکتا ہے ؟"

"کیا کہہ رہے ہو بھیا۔ تم جانتے ہی ہو کہ منجو کو اسلم نے برباد کیا ہے۔ اور پھر بھلا پولیس عامر کو کیوں تلاش کرتی پھر رہی ہے ؟"

"قتل کے الزام میں۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ چند دن پہلے وہ الو کا پٹھا ہماری کوٹھی میں چوری کی نیت سے داخل ہوا۔ لال بنگلے میں بیلا کی عزت لوٹی اور پھر اسے قتل کر کے بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ پولیس نے اُسے دھر لیا "

"نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا" کوثر ہذیانی انداز میں چیخی "یہ عامر پر الزام ہے بھیا"

"ایسا ہی ہوا ہے۔ میرے کارندوں اور پولیس نے مجھے سب باتیں بتا دی ہیں۔ پولیس جب اسے گرفتار کر کے جیل میں بند کرنے والی تھی تو غنڈوں کے ایک ساتھی نے اس کی ضمانت دے کر اُسے رہا کرا لیا۔ اسی سے میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ وہ غنڈوں کا ساتھی ہے"

شوکت نے اتنا کہہ کر زیرِ دیدہ نظر سے کوثر کو دیکھا۔ اس کی بُری حالت تھی۔ لب لرزیدہ تھے۔ اور منہ فق تھا۔ کئی بار وہ عامر سے برگشتہ ہو چکی تھی۔ کئی مرتبہ اس کے ساتھ تغافل برتا تھا اور پھر ہر بار اُسے ندامت اُٹھانی پڑی تھی کیونکہ عامر نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہر شبہے

اور شک سے بالاتر ہے۔ اس بار بھی حالات کی ستم ظریفی سے اس پر کئی الزامات لگ رہے تھے۔ مگر کوثر نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کسی بھی صورت میں وہ عامر کو ملزم نہیں سمجھے گی تا وقتیکہ اس سے خود دریافت نہ کر لے۔

اس نے بھائی کے لگائے ہوئے تمام الزامات کی پرزور تردید کی اور کہا کہ وہ عامر سے خود دریافت کرے گی کہ اصل معاملات کیا ہیں اور پھر خود ہی فیصلہ کرے گی کہ وہ ملزم ہے یا بے قصور۔ دفتر سے باہر نکلنے کے بعد وہ خود پولیس اسٹیشن پہونچ گئی اور عامر و اماں کی گمشدگی کی خبر انچارج کو دی۔ خلاف توقع پولیس بھی فوراً حرکت میں آگئی اور اس نے شہر کا کونا کونا چھان مارا مگر اُن دونوں کا پتہ چلنا تھا نہ چلا۔

کوثر کے ارمانوں کا خون ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عامر بالکل بے قصور ہے اور یقیناً کسی سازش کا شکار ہوا ہے۔ لہٰذا اُسے تلاش کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ شوکت اس کام میں اس کی ذرا بھی مدد نہیں کرے گا لہٰذا اپنے طور پر وہ عامر کی تلاش جاری رکھنا چاہتی تھی اور اس کا آغاز اس نے پولیس میں رپورٹ درج کرا کے کر دیا تھا۔ کرشنا کی وہ برابر خبر گیری کر رہی تھی اور اُسے برابر تسلی دیتی رہتی تھی اس نے کرشنا پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ عامر اور اس کی اماں کو اغوا کیا گیا ہے۔ دراصل اُسے احساس ہو چلا تھا کہ جب عامر کی ماں کو اغوا کیا جا سکتا ہے تو اس کے ساتھ بھی لازمی طور پر یہی کچھ ہوا ہوگا۔ لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ عامر لال بنگلے میں کیوں گیا۔ ببلا کو کس نے قتل کیا اور پھر بقول شوکت وہ غنڈوں کے ہتھے کس طرح چڑھا۔ غنڈے کیا چاہتے ہیں۔ عامر کی ماں کو کس لئے اغوا کیا گیا ہے اور ایسی ہی ہزاروں باتیں جواب طلب تھیں۔ افسوس کہ اسے ان سوالوں کا خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا تھا۔

دوسرے دن جبکہ وہ شوکت کے پاس یہی سب باتیں معلوم کرنے پہونچی تو وہ متفکرانہ انداز میں سگرٹ کے کش لگا رہا تھا۔ کوثر کو دیکھ کر اس نے پہلو بدلا۔ سگرٹ کی راکھ جھاڑی اور بولا ــــــ۔

"شکر ہے تم آگئیں۔ میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا"

"کیسی باتیں بھیا۔ خیر تو ہے"، کوثر نے بیتابی سے پوچھا۔

"میں نے کل عامر کے بارے میں تم سے جو کچھ کہا تھا، مجھے اس پر افسوس ہے۔ شوکت نے کہنا شروع کیا" دراصل میرا دماغ ان دنوں بہت پراگندہ ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت زائل ہو چلی ہے کچھ ہاتھ ایسے ہیں جنھوں نے مجھے ہر طرف سے جکڑ رکھا ہے۔ میں مجبور ہوں کہ مشین کی طرح

سے ان کے کہنے پر حرکت کر تا رہوں ۔ عامر کو میں اتنا برا نہیں سمجھتا جتنا کہ میں نے کل کہا تھا۔ میں ایسا سمجھنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔"

"مجبور کیا گیا تھا! ۔ میں سمجھی نہیں بھیا۔" کوثر نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔ "کس نے آپ کو مجبور کیا تھا؟"

"عامر کے ساتھ کیا ہوا یہ تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں ۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اس نے بیلا کو قتل کیا ہے اور وہ چوری کی نیت سے ہمارے بنگلے میں گھسا تھا ۔ مگر میں مجبور ہوں مجھ سے ایسا کہلوایا جا رہا ہے ۔ میں جان بوجھ کر پولیس میں رپورٹ کرانے سے کترا رہا تھا ۔ مگر تم نے ایسا کر کے میرے دل کا بوجھ کم کر دیا ہے۔"

"کون آپ سے ایسا کہلوا رہا ہے ۔ ؟" کوثر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا ۔

"ایک آدمی جس کا میں نام نہیں بتا سکتا ۔ لو تم یہ خط پڑھو۔"

اتنا کہنے کے بعد شوکت نے اس کی طرف ایک لفافہ بڑھا دیا۔

کوثر نے لفافے میں سے خط نکال کر پڑھنا شروع کیا ۔ لکھا تھا۔

مسٹر شوکت !

تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم عامر کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرو گے ۔ میں نے کسی خاص وجہ سے اسے اپنے قبضے میں کیا ہے اس کی ماں اس کے پاس ہے ۔ بے فکر رہو اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی ۔ جب تک یہ دونوں یہ نہیں بتا دیں گے کہ تصویر کیوں چوری ہوئی اور عامر تمہارے بنگلے میں کیوں گیا تھا تب تک میں انھیں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے لال بنگلے میں لگی ہوئی تصویر کا کیا راز ہے افسوس ہے کہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ ہاں اگر تم دو لاکھ روپے دو تو شاید بتا ہی دوں۔ تمہارا "باس"

"پڑھ لیا ۔ ؟" شوکت نے ٹھنڈی سانس بھر کر پوچھا۔

"ہاں ۔ مگر یہ باس کون ہے بھیا ۔ یہ دھمکی کس بات کی دے رہا ہے۔" کوثر نے خوفزدہ آواز میں پوچھا ۔

"میں بری طرح سے خطرے میں گھر چکا ہوں ۔ یہ کمبخت شخص مجھے بلیک میل کرتا رہتا ہے ۔ اور مجھ سے وہ تصویر مانگ رہا ہے جو لال بنگلے میں لگی ہوئی تھی ۔ اس کے خیال میں عامر نے ہی وہ تصویر چرائی ہے۔ اس لئے اس نے عامر کو قید کر کے مجھے دھمکی دینی شروع کر دی ہے۔ کاش کسی طریقے سے وہ تصویر مجھے مل جائے تا کہ میں اس مصیبت سے نجات حاصل کر سکوں۔"

"عجیب بات ہے بھیا۔" کوثر نے کہا۔ "بھلا ہمارے گھر میں لگی ہوئی کسی تصویر سے عامر یا اس باس نامی شخصیت کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ۔ تصویر اگر ہمارے ہاں سے چوری ہو بھی گئی تو اس شخص کو کیا تکلیف ہے اور کیوں وہ دھمکی دے رہا ہے ۔ ؟"

"حالات کیا ہیں اور حقیقت کیا ہے، افسوس اس کا مجھے علم نہیں ہے"۔ شوکت نے کہا۔ "ہاں میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اُس تصویر میں کوئی گہرا راز ہے۔ اگر وہ مجھے مل جاتی ہے تو پھر میں اُسے اُس خطرناک آدمی کے حوالے کر کے اطمینان کی سانس لے سکتا ہوں اور یہی ایک طریقہ عامر کو آزاد کرانے کا بھی ہے"۔

کوثر بہت دیر تک خاموش بیٹھی ہوئی ان باتوں پر غور کرتی رہی اور پھر بولی "میں نے تھانہ میں رپورٹ درج تو کرا دی ہے"۔

"تم نے پولیس میں رپورٹ کر کے اچھا تو کیا ہے۔ لیکن" شوکت نے کہا "لیکن یہ لوگ خواہ مخواہ ایک ایک جگہ سونگھتے پھریں گے"۔

"اچھا بھیا! ایک بات آپ سے اور پوچھنی ہے"۔ کوثر نے شوکت کی بات سُنی اَن سُنی کر کے کہنا شروع کیا "کیا آپ کسی کرشنا نامی لڑکی کو جانتے ہیں۔ وہ پہاڑ پر ہی رہتی تھی۔؟"

"کرشنا! ۔ نہیں تو، اس نام کی کسی لڑکی سے میں واقف نہیں ہوں"۔ شوکت نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"تعجب ہے۔ حالانکہ وہ تو آپ کو اچھی طرح جانتی ہے۔!"

"ہو سکتا ہے۔ بڑے آدمیوں کو کون نہیں جانتا؟"

شوکت اتنا کہہ کر اپنے کام میں لگ گیا اور کوثر اُسے مصروف پا کر وہاں سے واپس چلی آئی۔

دروازے پر دستک دیئے بغیر کوئی اندر چلا آیا۔ کرشنا اپنے بچے کو پنگوڑے میں لٹا کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ آنے والے شخص کو دیکھ کر پہلے تو گھبرا گئی اور پھر حیرت سے اُسے تکنے لگی۔ اُسے یوں لگا گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ چند لمحوں تک وہ نمناک نظروں سے نروار دکو دیکھتی رہی اور پھر بھیا کہہ کر اُس سے لپٹ گئی۔ اجنبی خود بھی کرشنا کو عامر کے گھر میں دیکھ کر متعجب تھا۔ اُس کو روتے پا کر اُس نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم اور اس گھر میں! ۔ یہ قصّہ کیا ہے، شاید میں غلطی سے کسی اور کے گھر میں آ گیا ہوں ۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کر بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔ . . . ."

"بھیا تم کہاں تھے ۔ کہاں تھے بھیا ۔ ؟" کرشنا بدستور روتی رہی۔

"میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا ۔ ایک ایک بستی چھان ماری مگر تمہیں ملنا تھا نہ ملیں۔ پھر میں سمجھا شاید تم دوبارہ ندی کی طرف چلی گئی ہو۔ اور سچ بات یہ ہے گوداوری، کہ میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم اب اس دُنیا میں نہیں ہو"

کرشنا یعنی گوداوری ہچکیوں کے ساتھ روتی رہی اور اسلم اُسے تسلّی دیتا رہا۔ درحقیقت اُسے یہی شبہ تھا کہ گوداوری غالباً خودکشی کر چکی ہے اسی لئے اُس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اب اُسے جیتا جاگتا دیکھ کر اُس کی مسرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ پھر بھی اُسے تعجب تھا کہ گوداوری اس گھر میں کس طرح آئی اور جب اُس نے گوداوری سے یہ سوال کیا تو اُس نے مختصراً تمام باتیں اُسے

بتا دیں۔

"بھئی واہ۔ تقدیر بھی کیا گل کھلاتی ہے" اسلم نے ہنس کر کہا۔

"خدا کو تم سے ملانا مقصود تھا اسی لئے تمہیں عامر کے گھر میں بھیج دیا۔ اتنے اچھے آدمی کے گھر میں بھیج دیا کہ اس سے اچھا انسان اس علاقے میں شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم۔۔۔"

"جب میں گاؤں سے چلی تھی تو بابا بیمار تھے" گوداوری کو جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد آگئی "اب وہ کیسے ہیں؟"

اسلم نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش ہی رہا۔

"میں گاؤں سے ہرگز نہ آتی بھیا۔ لیکن گاؤں والوں نے مجھے رہنے نہیں دیا۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننے کے باوجود بھی میں اس راز کو نہیں چھپا سکی جس کے کارن مجھے گاؤں چھوڑنا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ لوگ بابا پر انگلیاں اٹھانے لگے تھے اور میں یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی تھی" گوداوری نے پھر رو رو کر کہنا شروع کیا "اسی لیے میں وہاں سے چلی آئی اور یہاں شہر میں آکر مزدوری کرنے لگی"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ اب یہ بتاؤ کہ۔۔۔"

"بابا کیسے ہیں؟" گوداوری نے اسلم کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ اسلم چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بولا۔

"رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے گوداوری۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے بابا اب اس دنیا میں نہیں ہیں"

"مجھے معلوم تھا" گوداوری نے بری طرح روتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز غم کے باعث لرز رہی تھی۔ "مجھے معلوم تھا کہ وہ یہ غم برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھ پاپن نے انہیں کوئی بھی سکھ نہیں دیا"

اسلم نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی مگر وہ لگاتار روئے چلی گئی۔ جب دل کا غبار کم ہو گیا تو اسلم نے پھر کہا۔

"میں آخری دم تک ان کے پاس ہی رہا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی مرضی بھی شاید یہی تھی کہ میں ان کے آخری لمحات میں ان کے پاس رہوں۔ کیوں میں۔۔۔ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو۔۔۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں" گوداوری نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"انہوں نے مرتے وقت مجھے جو باتیں بتائی ہیں وہ اتنی قیمتی ہیں گوداوری کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ اتنے گہرے راز ہیں کہ میں انہیں اپنے سینے میں چھپا کر ایک بوجھ سا محسوس کر رہا ہوں" اسلم نے کہا۔ "اگر میں وہ باتیں بتا دوں تو بہت سوں کی قسمت بن جائے اور بہتوں کی بگڑ جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ کتنی عجیب داستان میں نے سنی ہے۔ کتنی حیرت انگیز باتیں دریافت کی ہیں۔ وقت آنے پر سب ظاہر ہو جائے گا۔ ہاں اتنا تمہیں ضرور بتا دیتا ہوں کہ تم بالکل صحیح جگہ پر پہنچ گئی ہو۔"

"اتنے عرصے میں گوداوری نے ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے کر دی تھی۔ پہلی بار اسلم کی نظر پنگوڑے میں پڑے ہوئے بچے پر پڑی۔ اس نے بچے کو اٹھا کر پیار کیا اور کہا۔

"تمہارے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں یہی بچہ چھپا ہوا تھا نا؟"

"ہوں" گوداوری شرما گئی۔

"سالا بہت شریر ہے۔ مجھے دیکھ کر ہنس رہا ہے۔ کیوں بے میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو مجھ سے فوراً کہہ دے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

"بھائی اسلم نہیں... ماموں اسلم۔" گوداوری پھر شرما گئی۔

"اوہ ہاں۔" اسلم نے قہقہہ لگایا۔ "میں غلط کہہ گیا۔"

اچانک اسلم کو احساس ہوا کہ اگر گھر میں عامر نہیں ہے تو ماں کو تو ہونا چاہیئے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گوداوری سے دریافت کیا۔ "یہ اماں کہاں ہیں؟"

"کافی دیر ہو گئی انہیں گئے ہوئے، اب تک تو انہیں واپس بھی آ جانا چاہیئے تھا۔" گوداوری نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اور عامر۔ وہ کہاں ہے؟"

"ماں جی نے بتایا تھا کہ وہ الموڑہ گئے ہوئے ہیں۔" گوداوری نے جواب دیا۔

"الموڑہ؟ لیکن میں تو خود وہیں سے آ رہا ہوں۔ مجھ سے تو وہ کہیں نہیں ملا۔ اور کہیں نہیں تو اسے بس اڈے میں تو ملنا چاہیئے تھا۔"

پھر اس کے بعد گوداوری نے گزشتہ دنوں میں پیش آئے ہوئے واقعات اسے تفصیل سے سنا دیئے کہ کس طرح عامر شوکت کی فرم میں ملازم ہوا۔ کس طرح کوشر کو ماں جی نے برا بھلا کہا اور عامر کی نوکری ختم کرا دی۔ کیسے اس نے ٹیکسی چلانی شروع کی اور کیسے گھر کے باہر فرم کے منشی کا قتل ہوا۔ سب باتیں تفصیل کے ساتھ سننے کے بعد اسلم کے کان کھڑے ہوئے۔ اسے محسوس ہوا کہ

حالات بہت زیادہ بگڑ چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے افسوس بھی ہوا کہ وہ کیوں یہاں موجود نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو کم از کم عامر کو الجھنوں میں پھنس جانے سے تو بچاتا۔

"سنو گوداوری، مجھے دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے" اسلم نے کہنا شروع کیا۔ "میں جتنے دن بھی المونڑے میں رہا ہوں، خالی نہیں بیٹھا ہوں میں بہت سے لوگوں سے ملا ہوں۔ بڑی چھان بین کی ہے۔ منجو دیوی سے بھی میں نے معافی مانگ لی ہے۔ اور انہوں نے بھی مجھے عجیب باتیں بتائی ہیں۔ میں وہ سب باتیں عامر اور اماں کو بتا دینا چاہتا ہوں اور شاید اس وقت میں ہی وہ واحد آدمی ہوں جسے ایسے ایسے راز معلوم ہیں جن کے افشاء سے تمام پانسہ پلٹ جائے گا۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو"

"نہیں بھیا آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں" گوداوری نے آہستہ سے جواب دیا۔ اور پھر اچانک اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"لیکن یہ منجو دیوی کون ہیں اور ان سے تم نے کس بات کی معافی مانگی ہے"

"اب میں کیا بتاؤں" اسلم نے شرمندگی کے ساتھ جواب دیا۔

"ہو گئی کچھ ایسی ہی بات۔ دراصل تمہاری ایک ہونے والی بھابی بھی ہے۔ پروین۔ وہ منجو دیوی کی سہیلی ہیں۔ تو ایک دن رات کو . . . . خیر چھوڑ دو اس بات کو۔ کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ منجو بہت تکلیف دہ ماحول میں رہ رہی ہیں۔ وہ کوثر کی بہت اچھی سہیلی ہیں اور کچھ دن جبکہ وہ کوثر کے بنگلے میں رہیں تو واقعات کچھ اس طرح پیش آئے کہ اب وہ بھی ایک بچے کی ماں بننے والی ہیں"

"ماں۔!" گوداوری نے حیرت سے کہا "مطلب یہ ہے کہ ان کے پتی نہیں ہیں۔ تمہارے کہنے کا مطلب یہی تو نہیں بھیا؟"

"بھئی میں اب کیا بتاؤں۔ یہ بات یہیں پر رہنے دو" اسلم نے آہستہ سے کہا "تفصیل بتانے سے کیا فائدہ ہے؟"

"مگر بھیا نہ جانے مجھے کیوں ہول اٹھ رہا ہے۔ ماں جی ابھی تک نہیں آئیں۔ اتنی دیر تو انہیں کبھی بھی نہیں ہوئی تھی!"

"آجائیں گی۔ پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازہ کھلا اور کوثر اندر داخل ہوئی۔

"ارے اسلم صاحب۔ آپ؟" اس نے حیرت سے کہا کیونکہ اسے توقع نہیں تھی کہ اسلم گھر میں ملے گا۔

"جی ہاں ہیں "۔ اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔

"مگر آپ تھے کہاں اتنے دن سے ؟" کوثر نے بیٹھتے ہوئے پوچھا اور ایسا کرتے وقت اس نے پنگوڑے میں لیٹے ہوئے بچے کو پیار بھی کر لیا۔

"اب میں کیا بتاؤں ۔ گوداوری کو سب کچھ بتا چکا ہوں ۔ کیوں گوداوری میں غلط تو نہیں کہہ رہا ؟ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو . . . . "

"آپ کی گوداوری اور ہماری کرشنا نے بھی مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ کس طرح یہ ندی میں چھلانگ لگا رہی تھی اور کس طرح آپ نے اسے بچایا"۔

"یہ تو اچھا ہوا کہ آپ کو معلوم ہو گیا"۔

اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔

"کوثر بہن ۔ ماں جی نہیں آئیں بہت دیر سے"۔ گوداوری کے چہرے پر سچ مچ ملال تھا۔

یہ بات سن کر کوثر کو کوئی حیرت نہیں ہوئی ۔ اسے تو معلوم ہی تھا کہ عامر کی اماں اس وقت کہاں رہ گئی تھیں اور اب پہلی بار اس نے اسلم کے سامنے گوداوری کو عامر کے بارے میں بتلایا کہ وہ کس طرح دشمنوں کی قید میں ہے اور ان دشمنوں نے ہی اماں کو بھی اغوا کر لیا ہے۔ گوداوری تو یہ سنتے ہی رونے لگی اور اسلم تو منہ کھولے تعجب سے کوثر کو دیکھنے لگا ۔ اپنی زندگی میں شاید اسے اتنی حیرت کبھی نہ ہوئی ہوگی جتنی کہ اس وقت ہوئی۔ غصے کے مارے اس کا خون کھول گیا اور اس نے پوچھا:

"مگر یہ دشمن کون سے پیدا ہو گئے ۔ ؟"

"بھیا کو کچھ لوگ بلیک میل کر رہے ہیں ۔ کوئی بدمعاش ہے جسے بھیا باس کہتے ہیں ۔ نہ جانے کیا چکر ہے کہ اس نے عامر اور اماں کو پکڑ لیا ہے اور بھیا بھی اس کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ ہمارے الموڑے والے بنگلے میں جو ایک تصویر لگی ہوئی تھی اور جو وہاں سے چوری ہو گئی ہے باس وہی تصویر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عامر الموڑے گئے تھے اور اسی بنگلے میں جب رات کو پہنچے تو بیلا قتل کی ہوئی پڑی تھی ۔ تصویر غائب تھی اور عین وقت پر پولیس نے آ کر انھیں گرفتار کر لیا تھا۔ بعد میں اسی باس نے انھیں پولیس سے چھڑا کر اپنا قیدی بنا لیا ۔ اس کا خیال ہے کہ تصویر عامر ہی کے پاس ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انھیں قید میں رکھنا چاہتا ہے"۔ کوثر نے ایک ہی سانس میں جلدی جلدی پوری کہانی سنا ڈالی۔

"لیکن آپ کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں ؟" اسلم نے دریافت کیا ۔ وہ حیرت سے کوثر کو

دیکھ رہا تھا۔

"مجھے بھیا نے بتائی ہیں اور بھیا کو اسی باس نے۔ بلکہ میں اپنی آنکھوں سے وہ پرچہ بھی پڑھ کر آئی ہوں جس میں باس نے بھیا کو دھمکی دی ہے کہ اگر وہ دو لاکھ روپے اسے دے دیں تو وہ تصویر کا راز انہیں بتا سکتا ہے اور عامر کے ساتھ ہی اماں جی کو بھی چھوڑ سکتا ہے۔"

"خوب۔ تو حالات یہاں تک خراب ہو گئے ہیں" اسلم نے سوچتے ہوئے کہا "خیر اب آپ بالکل فکر مت کریں۔ میں آ گیا ہوں اور سب سے نمٹ لوں گا۔ مجھے تصویر کا راز ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے راز معلوم ہیں جن پر سے ہم بعد میں پردہ اٹھائیں گے۔ فی الحال اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں اگر۔ ۔ ۔ ۔"

"میں خوش رہنے کی کوشش تو بہت کرتی ہوں" کوثر نے آہستگی سے مگر غمزدہ لہجے میں کہا "لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ عامر کی زندگی میرے لئے کتنی قیمتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ انہیں جلد سے جلد آزاد کرا لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے میرا خواہ کتنا ہی روپیہ خرچ ہو جائے۔ مجھے پرواہ نہیں۔"

اسلم اس کی یہ بات سن کر کنکھیوں سے اسے دیکھتا رہا اور گردن ہلاتا رہا۔ گوداوری بار بار آنسو پونچھ رہی تھی اور کبھی اسلم کو اور کبھی کوثر کو دیکھ لیتی تھی۔ آخر بہت دیر کے بعد اسلم نے دل ہی دل میں کچھ سوچ لینے کے بعد کہا۔

"دیکھئے۔ مجھے پکا یقین ہے کہ شوکت کو بہت سی باتوں کا علم ہو گا۔ باس نامی آدمی نے اسے شکنجے میں کس رکھا ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا اس نے کیوں کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ باتیں شوکت کو ضرور معلوم ہوں گی۔ اور ان ہی باتوں میں سے ایک بات ہمیں یہ معلوم کرنی ہے کہ عامر اور اماں جی کو کہاں قید کیا گیا ہے، کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر۔ ۔ ۔ "

"ارے ہاں واقعی" کوثر نے جلدی سے کہا "یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ میرے خیال میں میرے لئے یہ کام مشکل نہیں ہے۔"

"بس کسی طریقے سے ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے۔ پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔"

"لیکن اتنے عرصے میں اگر عامر کو کچھ ہو گیا تو۔" کوثر نے گھبرا کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف پوشیدہ تھا۔

"اسے کچھ نہیں ہو گا۔ اس کی میں گارنٹی لیتا ہوں" اسلم نے سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا ——

اسلم اور گوداوری کو وہیں چھوڑ کر کوثر واپس چلی گئی اور وعدہ کر گئی کہ وہ جلد ہی پوری معلومات

بہم پہنچائے گی۔ جگہ اور وقت کا تعین کرنے کے بعد اس نے کار اسٹارٹ کی اور اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس عرصے میں اسلم گوداوری سے کچھ باتیں کرنے اور اسے تسلی دینے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگا۔

کوثر جب کوٹھی پر پہنچی تو اتفاق سے شوکت وہاں موجود نہیں تھا۔ موقع غنیمت تھا لہٰذا کوثر نے اس کے کاغذات کی تلاشی لینی شروع کی۔ لیکن باوجود تلاش بسیار، اسے اپنے مطلب کی کوئی چیز نہ مل سکی اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ شوکت وہاں آجائے گا۔ وہ بارہا اس کی میز پر بیٹھ کر اپنے بیشتر کام کرچکی تھی۔ اور کرتی ہی رہتی تھی۔ لہٰذا اُسے اطمینان تھا کہ اگر وہ آبھی گیا تو اس پر کسی بات کا شبہ نہیں کرسکتا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ کوثر کی چھٹی حس نے اسے متنبہ کیا کہ یہ فون اُسے ضرور سن لینا چاہیے لیکن کوثر کی حیثیت سے نہیں بلکہ شوکت بن کر۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ اس کی آواز باریک تھی اور شوکت کی تھوڑی سی کرخت۔ مگر فوراً ہی اس کا علاج بھی اس کے ذہن میں آگیا۔ اس نے سوچا کہ آواز بھاری بنا کر کم سے کم بولے گی۔۔۔ ہوسکتا ہے کہ ترکیب کارگر ہوجائے اور اگر بھید کھل بھی گیا تو آسانی سے کہہ سکے گی کہ اس نے تو فقط مذاق کیا تھا۔

سوچنے کی دیر تھی کہ اس نے عمل کا تہیہ کرلیا۔ ریسیور کریڈل پر سے اٹھا کر اس نے صرف اتنا کہا۔

"یس۔ کیا بات ہے؟"

اور پھر دوسری جانب سے کوئی طویل پیغام اُسے ملنے لگا۔ پیغام کے درمیان وہ ہوں ہاں ضرور کرتی رہی لیکن اگر کوئی وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ کوثر کے چہرے پر سے کئی رنگ آکر گزر گئے۔ کبھی اس کا چہرہ زرد ہوا کبھی منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اور کبھی اس نے اپنی آنکھیں اس طرح بند کرلیں گویا اُسے بہت زیادہ تکلیف ہوئی ہو۔ جب ریسیور اس نے واپس کریڈل پر رکھا تو اس کے صرف ہاتھ ہی نہیں بلکہ پورا جسم کپکپا رہا تھا، کمر کرسی سے لگا کر وہ لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ اس کے چہرہ پر پسینہ کی بوندیں صاف نظر آتی تھیں، کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے یہ بوندیں پونچھیں اور پنسل سے ایک کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی۔

دوسرے دن صبح کے وقت کوثر کی کار تغلق آباد کے وسیع و عریض قلعے کے کھنڈرات کی طرف بڑی برق رفتاری سے اُڑی جا رہی تھی۔ اس کار میں اس کے برابر اسلم بالکل سنجیدہ بیٹھا ہوا تھا اور پچھلی سیٹ پر گوداوری اپنے بچے کو سینے سے لگائے ہوئے بیٹھی تھی۔ کوثر اور اسلم کے چہروں پر اس وقت وہ تاثر تھا۔ جو عموماً مہم جو لوگوں کی طبیعت کا خاصہ ہوتا ہے۔ اسلم نے اپنی قمیض کی اندرونی جیب کو تھپتھپایا اور ریوالور کی موجودگی کو محسوس کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ کوثر نے کنکھیوں سے اسے دیکھا اور پھر نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔

جلد ہی وہ کھنڈرات تک پہنچ گئے اور پھر کوثر نے کار اس کچے راستے کی طرف موڑ دی جو ان کھنڈرات کی طرف جاتا تھا اور جو دراصل قلعے کا ہی ایک حصہ تھے لیکن اس سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ کئی بار اس نے کار کی رفتار ہلکی کی اور اطراف کا جائزہ لیتی ہوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھاتی رہی۔ دراصل اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ جانا کہاں ہے۔ شوکت کے دفتر میں جو فون اس نے سنا تھا۔ اس میں اشارۃً چند باتیں ایسی کہی گئیں تھیں جن سے ان کھنڈرات کے قید خانے کی نشان دہی ہوئی تھی۔ اور اس مبہم خاکے کی مدد سے اب وہ اصل جگہ ڈھونڈنے میں مصروف تھی۔

"میرا خیال ہے۔ آپ گوداوری کو ساتھ لے کر واپس چلی جائیے۔" اسلم نے کوثر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔۔؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہم کسی پکنک پر نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ ایک خطرناک مہم پر جا رہے ہیں۔ یہاں لڑائی

جھگڑا بھی ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا یہاں عورتوں کا کوئی کام نہیں ۔ کیوں میں غلط . . . "

" جی نہیں ۔ میں ضرور جاؤں گی ۔ یہ بات میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دی تھی " ۔ کوثر نے اسلم کی بات کاٹ کر کہا " میری موجودگی وہاں بہت ضروری ہے ۔ مجھے بھی کچھ راز معلوم ہیں اور وہ راز وہیں پر افشا کیے جائیں گے "

" بھیا تم ہمیں کمزور کیوں سمجھتے ہو " گوداوری نے اپنے بچے کو چپ کراتے ہوئے اور اپنے کپڑوں میں سے ایک لکڑی نکال کر دکھاتے ہوئے کہا " ہم پہاڑی لڑکیاں اس ہتھیار کا استعمال اچھی طرح جانتی ہیں "

" جب اسے استعمال کرنے کی نوبت آئے تبھی نا " اسلم نے کہا " آج کل تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کے گولی آکر لگ جاتی ہے "

" خیر میں موت سے نہیں ڈرتی ۔ ڈرتی ہوتی تو ندی میں چھلانگ لگانے ہرگز نہ جاتی "

" میں جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو ۔ لیکن تم میں سے کسی نے پولیس کو بھی اطلاع دی ؟ "

" میں نے چلتے وقت اطلاع تو دی تھی " کوثر نے کہا " انسپکٹر نے پوچھا بھی تھا کہ کون سی جگہ ہے ۔ لیکن میں صحیح جگہ انھیں کس طرح بتاتی ۔ پہلے تو انسپکٹر میری بات کو مذاق سمجھا اور آخر میں اس نے اتنا کہا کہ کوشش کرے گا کہ یہاں پہونچ جائے "

" اجی بس کی کوشش ۔ یہ لوگ وقت پر کبھی نہیں پہونچتے ۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا ۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم . . . . "

" اچھا آپ برائے کرم خاموش رہیئے " کوثر نے جلدی سے کہا " آپ کو کیا معلوم کہ میں اماں کی طرف سے کتنی فکرمند ہوں ۔ ؟ "

" صرف اماں کی طرف سے ، اور عامر ۔ ؟ "

کوثر نے شاکی نظروں سے اُسے دیکھا اور اسلم فوراً ہنس پڑا ۔ شاید وہ اور کچھ کہتی مگر اسلم نے اُسے فوراً کار روک دینے کے لیے کہا ۔

" بس بس ۔ یہیں کار روک دیں ۔ آگے بڑے بڑے پتھر ہیں "

" اچھا اب کیا کریں ؟ " کوثر نے پوچھا ۔

" دیکھیے ! ۔ اگر میری مانیں تو گوداوری کو یہیں کار میں چھوڑ دیجئے ۔ اس کے ساتھ بچہ بھی ہے ۔ اگر بھاگنا پڑا تو بچے کو لے کر کس طرح بھاگے گی ۔ ؟ " اسلم نے کہا ۔

" بھیا میں منے کو کمر سے باندھ لوں گی ۔ ہم پہاڑی لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں ۔ ویسے اگر تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو پھر مجھے بے چینی رہے گی ۔ میں ذرا دیر بھی بے فکری سے نہ بیٹھ سکوں گی "

"اچھا بھئی تمہاری مرضی" اسلم نے ہار مان لی۔ "لیکن اب یہ سوچو کہ قید خانے تک پہنچنے کی ترکیب کیا ہو اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ اس نالائق باس نے کونسی جگہ کو اپنی پناہ گاہ بنا رکھا ہے۔ کیوں کوثر صاحبہ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر۔ ۔ ۔ "

حسب معمول اس کا فقرہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ کوثر نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ کوثر اس وقت کچھ سوچ رہی تھی اور پھر اچانک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے کہا۔

"دیکھئے اسلم صاحب۔ ایک بڑی عمدہ ترکیب ہے۔ میں اور گرشا ان کھنڈرات میں آگے ہی آگے بڑھتی رہیں۔ ہم دونوں عامر اور اماں کو بہ آواز بلند پکارتی جائیں گی۔ آپ بہت دور سے چھپ کر ہمیں دیکھتے رہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ عامر کا نام سن کر کوئی نہ کوئی ہمارے پاس ضرور آئے گا اور شاید ہمیں پکڑ کر اپنے باس تک بھی لے جائے گا۔ آپ ہمارا تعاقب کیجئے۔ اور پھر اپنا ریوالور دکھا کر عامر، اماں اور ہم دونوں کو آزاد کرا لیجئے۔ کیوں کیسی کہی؟"

"بھئی خدا کی قسم کمال ہے۔ کیا نرالی ترکیب نکالی ہے۔" اسلم کی باچھیں کھل گئیں۔ "اب معلوم ہوا کہ آپ کو ساتھ لے کر میں نے بہت بڑی عقلمندی کا کام کیا ہے۔ کیوں میں غلط تو۔ ۔ ۔ "

"آپ تو میرے دل کی حالت جانتے ہی ہیں۔ میں اندر سے کتنی غمزدہ اور ملول ہوں یہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔" کوثر نے کہنا شروع کیا۔ "مگر اب میں نے بھی حالات کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا ہے۔ کیوں کہ عامر نے مجھے سکھایا ہے کہ مشکلات اور تکلیفوں میں کس طرح مسکراتے رہنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سب سے مسکرا کر باتیں بھی کر لیتی ہوں ورنہ"

"ورنہ کے آگے میں سب جانتا ہوں اور آپ کے دل کے درد سے اچھی طرح واقف ہوں۔" اسلم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "چلیئے خدا مالک ہے۔ گوداوری بچے کو ساتھ لے کر آگئی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو۔ کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ خدا اپنے بندوں کی ہر حال میں مدد کرتا ہے۔ بس اب آپ دونوں چلیئے۔ جب آپ اوپر والے کھنڈر میں پہونچ جائیں گی تب میں پتھروں کی آڑ لیتا ہوا وہاں پہونچنے کی کوشش کروں گا۔"

اور نتیجے کے طور پر آدھے گھنٹے کے بعد کوثر اور گوداوری ایک تہہ خانے میں دامودر کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ کوثر نے جو کہا تھا وہی ہوا۔ کھنڈرات میں ایک زمین دوز سرنگ کے دہانے کے پاس آکر جب اس نے عامر کا فلک شگاف نعرہ لگایا تو پیچھے سے ایک ہاتھ نے آکر اس کا مونہہ بند کر دیا اور پھر دو شریف صورت بدمعاشوں نے ان دونوں کو سرنگ کے اندر اترنے کا اشارہ کیا۔ نتیجے کے طور پر وہ اب دامودر کے سامنے تھیں۔ دامودر کو یہاں باس کے روپ میں دیکھ کر کوثر کو بہت زیادہ اچنبھا ہوا وہ اُسے حیرت سے تک رہی تھی۔ کہ دامودر نے کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں کوثر صاحبہ کہ آپ کو اس طرح پکڑ کر یہاں لایا گیا۔"
"اس میں معافی کی کیا ضرورت ہے" کوثر نے کہا "تم میرے بھائی کے دفتر میں ملازم ہو مگر میں تمہارا اصل روپ۔ آج پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"
"آپ بے شک کچھ بھی سمجھئے۔ لیکن میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اس کی وجہ محض اتنی ہے کہ میں نمک حلال ملازم ہوں۔"
کوثر کینہ توز نظروں سے اسے گھورنے لگی اور پھر سخت لہجے میں بولی۔
"عامر کہاں ہیں۔ اماں بھی شاید یہاں قید ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"میں بے شک آپ کا ملازم سہی لیکن یہاں مجھ پر حکم مت چلایئے۔ یہاں میں آپ کا پابند نہیں، آپ میری پابند ہیں۔"
"بہرحال میں عامر سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"اور آپ اس سے ضرور ملیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ لیکن شاید آپ اسے دیکھ کر اپنے آپ میں نہ رہ سکیں۔" دامودر نے سگریٹ کا دھواں تہہ خانے کی کثیف فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔
"کیوں۔" کوثر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
"اس لئے کہ ماں اور بیٹے پر میں تھوڑی سی سختی کر رہا ہوں۔"
کوثر کے دل کا خون ہو گیا مگر بولی کچھ نہیں۔ خاموشی سے دامودر کو گھورتی رہی۔
دامودر نے گوداوری کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"اور یہ دیوی جی کون ہیں۔؟"
"یہ عامر کی بہن ہے۔ میرے ساتھ آئی ہے۔" مختصر سا جواب۔
"واہ۔!" دامودر نے قہقہہ لگایا۔ "ایسا لگتا ہے جیسے تہہ خانے میں نہیں بلکہ آپ دونوں کسی ہوٹل میں وقت گزارنے آئی ہیں۔ ساتھ میں ننھا سا بچہ بھی ہے۔!"
"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے کہ میرے ساتھ کون ہے اور کون نہیں ہے" کوثر نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا "اب تم مجھے عامر کے پاس لے چلو۔ میں ان دونوں کو آزاد کرانے آئی ہوں۔"
"واہ۔ کمال ہے" دامودر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا "آپ انہیں آزاد کرائیں گی اور وہ بھی میری مرضی کے بغیر۔؟"
وہ بہت دیر تک ہنستا رہا اور پھر اچانک چپ ہو گیا پھر کوثر کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ آیئے اب آپ کو عامر سے ملوا دوں۔"
اتنا کہہ کر وہ آگے چلنے لگا اور وہ دونوں اس کے پیچھے ہولیں۔ کئی ٹوٹے پھوٹے راستوں سے گزرنے کے بعد ایک شکستہ سا کمرہ نظر آیا۔ اس کمرے کی چھت بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اور اسی کمرے میں پھوس کے ایک بستر پر عامر اور راماں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر ان کی جو حالت ہوئی ہوگی وہ احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی، پڑھنے والے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عامر اور کوثر اس اچانک ملاقات پر کس قدر ششدر رہ گئے ہوں گے۔ دامودر دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے ہوئے کھڑا تھا۔ اور تمسخرانہ انداز میں باری باری کوثر اور عامر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"دیکھئے، اب پورا خاندان ایک ہی مقام پر جمع ہو گیا۔"

"دامودر۔ میں مجبور ہوں کہ میری اماں میرے ساتھ ہیں ورنہ تم سے تو میں اچھی طرح نپٹ لیتا۔" عامر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میرے بجائے ان پر زیادتی کرو گے۔"
"بہت عقلمند آدمی ہو۔" دامودر نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا آپ لوگ تو آپس میں باتیں کریں۔ میں ذرا کچھ ضروری کام انجام دے لوں۔"
دامودر اتنا کہہ کر چلا گیا تو کوثر لپک کر اماں کے پاس پہونچی اور ان سے دریافت کیا کہ بدمعاشوں نے انھیں کچھ زیادہ پریشان تو نہیں کیا؟ اماں نے اسے تسلی دے دی کہ انھوں نے زیادہ نہیں ستایا پھر کچھ دیر تک عامر اور کوثر کے گلے شکوے ہوتے رہے۔ کافی وقت اس طرح بیت گیا۔ آخر کار کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر شوکت گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ کوثر کو وہاں دیکھ کر وہ بہت متعجب ہوا۔

"تم۔ تم یہاں کس طرح آگئیں کوثر؟"
"کیوں۔ کیا آپ کو حیرت ہوئی؟" کوثر نے اُلٹا اسی سے سوال کیا۔
"تمھیں معلوم نہیں کہ تم میری مشکلوں میں اضافہ کر رہی ہو۔ میں تفصیل تو تمھیں پھر کبھی بتاؤں گا لیکن اتنا بتائے دیتا ہوں اور یہی بات عامر کو بھی بتا چکا ہوں کہ میں ان لوگوں کے پھندے میں پھنسا ہوا ہوں۔ اب تم آگئی ہو تو میرے ساتھ تم بھی پھنس گئی ہو۔"
شوکت نے اتنا کہہ کر گوداوری کو غور سے دیکھا۔ وہ چونکہ عامر کی اماں کی طرف متوجہ تھی لہٰذا شوکت اس کی شکل اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ اس نے صرف اتنا پوچھا۔
"اور یہ لڑکی کون ہے۔؟"
کوثر کے چہرے پر اچانک برہمی پیدا ہو گئی۔ اس نے گوداوری کے بچے کو گود میں اٹھا کر شوکت

کو دیتے ہوئے کہا۔

"لڑکی کو تو چھوڑو بھیا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم اس بچے کو پہچانتے ہو؟"

"کس کا بچہ ہے یہ ۔؟" شوکت نے مجبوراً بچے کو گود میں لے کر پوچھا۔

"یہ تمہارا بچہ ہے" کوثر نے شعلہ بار نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس ہے یہ ـــــ ؟" شوکت گرجا۔ "تمھیں شرم نہیں آتی ایسی بات کہتے ہوتے!"

"شرم تو تمھیں آنی چاہیے بھیا۔ بچہ تو تم نے دیکھ لیا ہے ـــــ کہو تو تمھاری بیوی بھی تمھیں دکھاؤں۔"

"بیوی ـــــ !" شوکت نے حیرت زدہ نظروں سے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ـــــ بیوی۔" کوثر نے گوداوری کا ہاتھ پکڑ کر اسے شوکت کے سامنے کر دیا۔ "یہ ہے وہ مظلوم لڑکی اور تمھاری بیوی گوداوری جو کھیرانہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہنے والی ہے ـــــ یاد آیا؟"

"کیا کہہ رہی ہو کوثر ـــــ کیوں الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو؟" شوکت نظریں چرانے لگا۔ وہ بیحد گھبرایا ہوا لگتا تھا۔

"جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچ کہہ رہی ہوں۔" کوثر نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "مصیبت تو یہ ہے کہ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ میں تمھیں ڈانٹ بھی نہیں سکتی۔ لیکن اتنا کہے بغیر نہ رہوں گی کہ گوداوری ہی تمھاری بیوی ہے۔ اس مصیبت زدہ لڑکی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تم نے خود کو ہندو ظاہر کیا، اپنا نام ہندوانی یعنی راجن بتایا اور اس بے قصور لڑکی کو اپنے جال میں پھانس کر اس سے وہیں کے ایک مندر میں شادی رچالی ـــــ بتاؤ کیا یہ غلط ہے؟"

عامر اور اماں حیرت زدہ ہو کر کوثر کی باتیں سن رہی تھیں۔ عامر کو تو یقین ہی نہ آیا کہ جو وہ کہہ رہی ہے درست بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قدرت کے کام بھی

کیا مزا لے رہی ہیں۔ اگر وہ لڑکی سنمائش میں اس کے پاس نہ آتی تو یہ عقدہ کبھی وا نہ ہوتا۔

"نیچے کیوں دیکھ رہے ہو بھیا، میری باتوں کا جواب دو نا؟" کوثر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کوثر! کیا پاگل ہو گئی ہو جو ایسا شرمناک الزام مجھ پر لگا رہی ہو۔" شوکت نے اتنا کہہ کر بچے کو گوداوری کی طرف اچھال دیا جس نے فوراً اسے تھام کر چھاتی سے لگا لیا۔ شوکت بچے کو نفرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہ جانے کس کا پاپ ہے جو یہ لڑکی میرے سر منڈھ رہی ہے، مجھے شادی کرنی ہوتی تو مسلم لڑکی سے کرتا۔"

"سوال ہندو یا مسلمان ہونے کا نہیں ہے بھیا۔ اگر تم گوداوری پر اپنی اصل شخصیت ظاہر کر کے بتا دیتے کہ تم مسلمان ہو اور گوداوری یہ جانتے ہوئے بھی تم سے شادی کر لیتی تو اس میں کوئی انوکھی بات نہ ہوتی، نہ تم قصوروار سمجھے جاتے۔ مگر تم نے اس سے جھوٹ بولا، اسے دھوکے میں رکھا، اپنا نام راجن بتایا، مندر میں اس سے شادی کی ــــ کیا یہ پاپ نہیں ہے؟"

کوثر کے ان سوالات کو سن کر شوکت بغلیں جھانکنے لگا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔

"ابھی نہیں۔ میں کچھ اور حقیقت بھی بتانا چاہتی ہوں۔" کوثر نے پلٹ کر عامر کو اس انداز سے دیکھا گویا اس کی مدد کی طالب ہو اور عامر ان نظروں کا مطلب سمجھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"تم بڑی عجیب باتیں کر رہی ہو کوثر! ایسا کس طرح ممکن ہے؟"

"میں اپنے پیارے بھائی جان کے کچھ اور کرتوت بھی بتانا چاہتی ہوں۔" کوثر نے افسوس زدہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "گوداوری کوسی ندی کے کنارے والے گاؤں میں رہتی تھی اور بھیا تم اُدھر آیا جایا کرتے تھے۔ تم نے اس کو وہاں دیکھ کر ورغلایا۔ اسے بتایا کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ کافی عرصے تک تم اس سے ملتے جلتے رہے اور پھر ایک دن یہ سوچ کر کہ جب تک تم اس سے شادی نہ کرو گے وہ تمھارے گھر نہیں آئے گی، تم نے راجن بن کر اس سے شادی کر لی ــــ بولو، کیا غلط ہے؟"

شوکت بولا کچھ نہیں، گردن جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

"پھر یہ ہوا کہ تم اسے کوٹھی میں لے آئے۔" کوثر نے طنزیہ لہجے میں پھر کہا۔ "لیکن اس کی بارات تو اٹھی ہی نہیں تھی۔ تم نے تو اس سے مندر میں شادی کی تھی۔ لہٰذا تم نے اُسے... واپس گھرانہ بھیج دیا اور راتوں کو چوری چھپے گاؤں میں اس کی کٹیا میں جاتے رہے۔

کیوں گوداوری! کیا تم بتاؤ گی کہ میرے بھیا نے ایسا کس لیے کیا تھا؟"

گوداوری جو بچے کو سینے سے لگائے رو رہی تھی، اس سوال پر چونک اٹھی اور کوثر کے بار بار اصرار پر اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھ سے انھوں نے یہ کہا تھا کہ ان کی ماتا جی دلّی سے آنے والی ہیں اور انھیں اِس وِواہ کا پتہ نہیں رہے۔ جب وہ کوٹھی میں آئیں تو میں واپس اپنے گاؤں چلی جاؤں —— یہ ماتا جی کو راضی کرکے باقاعدہ برات لے کر آئیں گے اور مجھے بڑی شان سے بیاہ کر لے جائیں گے۔"

"خیر بڑی شان سے تو یہ بیاہ کر نہ لے گئے بلکہ بڑی شان سے ایک سال کے بعد گوداوری کے بچے کے باپ بن گئے۔"

"تمھارا دماغ خراب تو نہیں ہے کوثر، کیوں مجھے بدنام کر رہی ہو — میں یہاں پہلے ہی پھنسا ہوا ہوں، تم ہمدردی کے بجائے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو؟" شوکت نے بلبلا کر کہا۔

"نمک نہ چھڑکوں تو کیا آپ کے اس کارنامے پر آپ کے مکھن لگاؤں۔" کوثر زہرخند سے بولی۔ "آگے سنو بھیّا، کہ گوداوری سے یہ بدنامی برداشت نہ ہوسکی۔ تم سے شادی کرنے کے چند مہینے بعد جب اُسے علم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ کہیں راز فاش نہ ہو جائے، اِس ڈر سے اس نے دل میں تہیہ کرلیا کہ جب تم نے اُسے ٹھکرا ہی دیا ہے اور کوٹھی کے ملازمین کو منع کر دیا ہے کہ وہ گوداوری کو کوٹھی میں نہ گھسنے دیں، تو پھر اس کا جینا بیکار ہے۔ اس نے دل میں ٹھان لی کہ وہ اپنی جان دے دے گی۔ خودکشی کرنے کے لیے وہ کوسی ندی کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئی۔ اور پھر وہ نیچے کودنا ہی چاہتی تھی کہ اسلم صاحب نے اسے بچالیا—"

"اسلم! — اسلم نے کرشنا کو بچایا تھا؟" عامر نے حیرت سے گوداوری کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں کرشنا! کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں بھیّا —— ایک ایک بات سچ ہے؟" گوداوری نے روتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔ "میں کوثر بہن کو سب بتا چکی ہوں۔"

"کتنی عجیب بات ہے کرشنا بیٹی۔" اماں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے یہ باتیں مجھ سے کبھی چھپائیں؟"

"مجبوری تھی ماں جی — میں —۔ میں انھیں بدنام کرنا نہیں چاہتی تھی۔" گوداوری نے شوکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"شاباش کوثر! بھائی کے خلاف تم نے بہت اچھی سازش مرتب کی ہے۔" شوکت نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"سازش نہیں بھیا، میں حقیقت بیان کر رہی ہوں کیونکہ اس حقیقت کو ایک دن تو عیاں ہونا ہی تھا۔" کوثر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "بس گوداوری کی اتنی ہی کہانی ہے۔ یہ غریب مصیبت کی ماری لڑکی، کیرانہ سے بھاگ نکلی۔ اس نے اسلم صاحب کا بہتیرا انتظار کیا مگر وہ اسے نہیں ملے۔ یہ اتنا جانتی تھی کہ اسلم دلی میں رہتے ہیں۔ یہ سمجھی کہ دلی بھی کوئی گاؤں ہوگا۔ بس میں بیٹھ کر یہ اسلم صاحب کو ڈھونڈنے دلی آ گئی۔ اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد یہ متھرا روڈ پر پرگتی میدان والی نمائش میں پہنچ گئی۔ وہاں مزدور عورتیں مٹی گارا ڈھونے میں لگی ہوئی تھیں۔ پہلے یہ اُن میں شامل ہوگئی۔ مگر جب ایک دن کام کی زیادتی کے باعث بیہوش ہو کر گر پڑی تو عامر نے اسے دیکھ لیا۔ یہ وہاں ایک اسٹال پر کام کر رہے تھے۔ عامر نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اسے بہن بنا کر گھر لے آئے۔"

"واہ! جو باتیں مجھے معلوم نہیں، وہ تمھیں معلوم ہیں کوثر!" شوکت نے تعجب ظاہر کیا۔

"مجھے بہت سی باتیں معلوم ہیں۔" کوثر نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عامر کے گھر ہی میں، تمھارے اس لڑکے نے جنم لیا ــــ اور..."

"بس بس بہت ہو چکا۔" شوکت بُری طرح چلّایا۔ "یہ سب جھوٹ ہے، بکواس ہے۔"

"شوکت!" عامر بھی سخت لہجے میں شوکت سے مخاطب ہوا۔ "تمھاری بہن کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ بات کہہ رہی ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اتنے نیچ اور کمینہ ثابت ہوگے!"

"نیچ اور کمینہ میں نہیں بلکہ تم ہو۔" شوکت نے بپھر کر جواب دیا۔ "تم نے منجو کے ساتھ جو ذلیل حرکت کی تھی۔ وہ یاد ہے تمھیں؟"

اس سے پہلے کہ عامر جواب دیتا۔ کوثر نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔

"عامر کو یاد رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اسلم مجھے بتا چکے ہیں۔ اگر وہ اس وقت یہاں ہوتے تو خود تمھیں بتاتے کہ الموڑہ کے لال بنگلے میں رات کے وقت چوروں کی طرح کھڑکی سے کود کر فرار ہونے والے عامر نہیں بلکہ تم تھے۔ ہاں بھیا وہ تم ہی تھے جس نے منجو کو اپنی ہوس کا شکار بنایا تھا۔"

"کوثر! ــــ کیا کہہ رہی ہو کوثر؟" عامر کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"ہاں تمھاری دوستی اور شرافت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہو سکتی کہ...." کوثر نے روتے ہوئے کہا۔ "کہ میرے بھیا کے دامن پر جو دھبّہ لگنا چاہیئے تھا، وہ تم نے

اپنے دامن پر لگوالیا ــــ۔"

اماں بہت دیر سے خاموش بیٹھی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھیں، اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کن معاملات پر گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ اٹھ کر قریب آگئیں اور کوثر کا شانہ پکڑ کر بولیں۔

"کیا سنا کیا شوکت کی بیوی ہے بیٹی؟"

"ہاں اماں، یہ حقیقت ہے۔" کوثر بدستور رو رہی تھی۔

"بکواس مت کرو۔ کیا الٹی سیدھی ہانکے جا رہی ہو۔" شوکت اب پریشان سا نظر آنے لگا تھا۔

"میں پھر کہتی ہوں کہ یہ سب حقیقت ہے۔ تمھارا دل گواہی دے رہا ہوگا بھیا۔"

"لیکن کوثر، میرے خیال میں یہ غلط ہے۔" عامر نے شوکت کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ــــ یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ تم اسے سمجھاؤ عامر۔" شوکت جلدی سے بولا۔

"نہیں، جو میں نے کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔"

"مگر دیکھو کوثر ــــ اسلم نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ مذموم حرکت شوکت کی نہیں بلکہ اس کی تھی۔ لال بنگلے میں وہی تھا اور وہی کھڑکی سے کود کر بھاگا تھا۔" عامر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں کوثر، تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" شوکت نے عامر کی طرفداری سے خوش ہو کر کہا۔ "تم خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔ سوچو تو سہی کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ باتیں کی ہیں بھیا۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنے دوستوں کی قدر نہ کی۔"

"اگر تم مجھے ہی موردِ الزام سمجھ رہی ہو تو پھر بتاؤ اسلم کیوں روپوش ہے؟" شوکت کے لبوں پر نفرت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"وہ بے قصور ہیں بھیا۔" کوثر نے رقت آمیز لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے سب لوگوں کو دوڑ کر لال بنگلے میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے انھوں نے منجو کی سہیلی پروین سے اظہارِ محبت کیا تھا۔ پروین بھی اُن سے محبت کرتی ہے مگر مزا لینے اور انھیں پریشان کرنے کے لیے اس نے انھیں جھاڑ دیا تھا اور لعن طعن کی تھی۔ جب سب دوڑتے ہوئے لال بنگلے کی طرف جا رہے تھے تو اسلم سمجھے کہ شاید پروین نے سب کو بتا دیا ہے۔ یہی خوف اُن کے روپوش ہو جانے کا باعث بنا تھا۔"

"کوثر ٹھیک کہہ رہی ہیں شوکت۔" عامر نے نرم لہجے میں کہا۔ "اسلم بار بار مجھ سے کہتا تھا کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔ وہ ایک غلط حرکت کا مرتکب ہوا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سب کے سامنے

وہ اپنی غلط حرکت کی معافی مانگ لے گا۔"

"لیکن وہ غلط حرکت وہ نہیں تھی جو بھیا تم نے کی۔" کوثر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اسلم لو پروین سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے تھے۔ اور تم کھڑکی سے کود کر یوں بھاگے تھے کہ تم نے ــــ تم نے منجو کے ساتھ ... "

"حد ہو گئی کوثر!" شوکت نے غصّے سے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ "تم حد سے زیادہ بدتمیز ہو گئی ہو۔ میں تمھیں اس بدتمیزی کی سزا ضرور دوں گا۔ تم نے مجھ پر ایک الزام لگایا ہے۔ اگر تمھارا دعویٰ سچا ہے تو پھر منجو کو بلاؤ، اُسی سے دریافت کرو۔"

"تمھارے کرتوت مجھے منجو ہی نے بتائے تھے بھیا۔"

"تو بلاؤ نا اُسے تاکہ وہ خود یہ بات قبول کر لے۔"

"تم جانتے ہو کہ وہ نہیں آسکتی۔" کوثر نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"کیوں نہیں آسکتی؟"

"اس لیے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اُسے قتل کر دیا گیا ہے۔"

"قتل؟" عامر چونک گیا۔

"ہاں ــــ اُسے بھیا کے ایک گرگے دامودر نے قتل کر دیا ہے۔"

"تم نے پھر مجھ پر الزام لگایا۔" شوکت نے طیش میں آکر مکّا ہوا میں لہرایا۔

"تم بیشک اسے الزام سمجھتے رہو مگر میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" کوثر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اور حقیقت کیا ہے کوثر ــــ؟" عامر نے شوکت کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہی حرکت جو انھوں نے کرشنا یعنی گوداوری کے ساتھ کی تھی۔" کوثر دانت پیستے ہوئے بولی۔ "منجو بار بار بھیا سے اپنا حق طلب کرنے کے لیے انھیں خط لکھتی تھی اور بھیا گھبراتے تھے۔ منجو نے جب انھیں دھمکی دی کہ اُس کے ماں بننے میں چند ماہ باقی رہ گئے ہیں تو بھیا نے اپنے غنڈے کی مدد سے اُسے ہمیشہ کے لیے چُپ کرا دیا۔"

"کیا بکتی ہو تم ــــ ایک کے بعد ایک کر کے تم مجھ پر الزامات کی بارش کر رہی ہو۔ تم میری بہن ہو، اس لیے خاموش ہوں۔" شوکت بری طرح چیخا۔

"مجھے یہی تو افسوس ہے کہ میں تمھاری بہن ہوں۔" کوثر رونے لگی۔

"تم نے جو کہا ہے کیا اُس کا کوئی ثبوت ہے تمھارے پاس؟" شوکت پھر گرجا۔

"ہاں ہے ــــ وہ خط میرے پاس موجود ہے جو منجو نے تم کو لکھا تھا اور جس میں

اس نے گڑگڑا کر بہت عاجزی سے تم سے التجا کی تھی کہ تم اُسے اپنالو۔ ورنہ وہ سماج میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی۔ اور جانتے ہو بھیّا میں نے یہ خط کہاں سے حاصل کیا؟"

"کہاں سے حاصل کیا ۔۔۔۔ ؟" شوکت نے اچانک گھبرا کر پوچھا۔

"تمھارے دفتر کے فائلوں میں سے۔" کوثر نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمھارا فائل میں سے خط نکال لیا تھا جو اب میرے پاس محفوظ ہے۔ تم میں اتنی ہمت نہیں ہے بھیّا کہ میری باتوں کو جھٹلا سکو۔ میں نے تمھارے آفس میں بیٹھ کر اپنے کانوں سے بہت کچھ سُنا ہے۔ ایک دن تمھارے ساتھی دامودر نے تمھیں فون کیا تھا مگر تم دفتر میں نہیں تھے۔ میں نے آواز بدل کر اُس سے بات کی تھی۔ اُس نے تمھیں اطلاع دی تھی کہ منجو کو تمھاری ہدایت کے مطابق ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا ہے ۔۔۔ بولو، کیا یہ غلط ہے، کیا کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟"

"نہ جانے تمھیں مجھ سے کس زمانے کا بیر ہے جو ایسی باتیں کہہ رہی ہو۔" شوکت بغلیں جھانکنے لگا۔

"مگر کوثر!" عامر نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ فون کسی اور کے لیے ہو ۔۔۔ یعنی شوکت سے کہا گیا ہو کہ یہ اپنے باس کو اطلاع کر دیں کہ منجو ختم کر دی گئی ہے۔ شوکت تو خود اپنے باس کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ تم جانتی ہی ہو کہ دامودر نے اسے اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ وہ شوکت کا ملازم اور ساتھی نہیں بلکہ اس کا باس ہے اور ..."

"آپ کچھ نہیں جانتے ۔۔۔" کوثر نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔ "دامودر باس نہیں ہے۔ بلکہ بھیّا دامودر کے باس ہیں۔"

"کیا ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو کوثر؟" عامر نے حیرت زدہ نظروں سے شوکت کو دیکھا۔

"بیٹا مجھے بھی تو بتاؤ۔ تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟" امّاں بہت دیر سے خاموش تھیں، مگر اب اُن سے نہ رہا گیا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں امّاں کہ میرے بھیّا ایک خطرناک گروہ کے سردار ہیں۔" کوثر نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیا ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو بیٹی ۔۔۔۔ ؟" امّاں شوکت کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

زمین دوز اور شکستہ سے کمرے میں اچانک سناٹا چھا گیا۔ عامر بھونچکا ہو کر شوکت کو دیکھنے لگا۔ گوداوری رونا بھول کر حیرت سے سب کو باری باری دیکھنے لگی اور کوثر ڈبڈبائی ہوئی نظروں

سے شوکت کو یوں دیکھنے لگی گویا اُسے پرکھ رہی ہو۔ اور پھر آخر اس نے تاسف بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"کاش میں تمھاری بہن نہ ہوتی بھیا۔ کاش مجھے تمھارا کچا چٹھا تمھارے ہی سامنے نہ دہرانا پڑتا۔ ایسا کرتے ہوئے میں کتنی شرمندہ اور غمزدہ ہوں، اس کا اندازہ تم نہیں لگا سکتے صرف میرا دل ہی جانتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں بھیا کہ تم نے کس لیے یہ سوانگ رچایا؟ تمھیں دولت کی کمی نہیں ہے۔ دنیا کی ہر شے تم دولت سے خرید سکتے ہو ـــ پھر، پھر آخر کیوں؟ شاید میں تمھارے اصل روپ سے واقف نہ ہوتی اگر فون پر داموور تمھیں مخاطب کر کے نہ کہتا کہ باس میں نے منجو کو ختم کر دیا ہے۔ اب آپ کے راستے کا کانٹا ہٹ گیا ہے اور عامر کی اماں کو اغوا کر کے تغلق آباد والے کھنڈرات میں پہنچا دیا گیا ہے ـــ ان ہی سب اشاروں کے باعث میں نے یہ جگہ تلاش کی اور یہاں آ گئی ـــ بولو بھیا تم نے ایسا کیوں کیا ـــــ کیوں کیا بھیا؟"

آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے کوثر پر رقت طاری ہو گئی، اور وہ اماں کے شانے سے سر لگا کر بُری طرح رونے لگی۔ عامر دم بخود کوثر کی باتیں سُن رہا تھا۔ بلاشبہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ کیونکہ لال بنگلے میں وہ شوکت کے سائے کو پہچان چکا تھا۔ مگر اسلم نے جب یہ کہا تھا کہ وہ خود خطاوار ہے تو عامر کے دل میں شوکت کی جانب سے جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ دور ہو گیا تھا۔ اسلم نے قبول کر لیا تھا کہ وہ گنہ گار ہے، اور کسی بھی وقت منجو سے معافی مانگ لے گا۔ عامر کی اب سمجھ میں آیا کہ وہ منجو سے کیوں معافی چاہ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ چونکہ پروین نے سب باتیں منجو کو بتا دی ہوں گی کہ کس طرح اس نے اظہارِ محبت کیا اور پروین نے کیسی کیسی جھاڑ پلائی تو اسی بات سے منجو ناراض ہو گئی ہو گی۔ چنانچہ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ پروین منجو کی عزیز سہیلی ہے اس لیے منجو سے ہی معافی چاہنی ضروری ہو گی ـــ کوثر کی باتوں کو سن کر عامر کو اب معلوم ہوا کہ دال میں کیا کالا تھا۔ کوثر نے تمام عقدہ کھول کر رکھ دیا تھا۔ شوکت کی سہمی ہوئی نظریں، اس کا بغلیں جھانکنا اور بار بار کوثر و گوداوری سے نظریں چرانا اس حقیقت کی دلیل تھی کہ سبھی اس کے بارے میں جان چکے ہیں کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟

اُدھر یہ نئی خبر کہ کرشنا یا گوداوری شوکت کی بیاہتا بیوی ہے، عامر کو اچنبھے میں ڈال گئی تھی۔ عامر نے کبھی بھول کر بھی نہ سوچا تھا کہ حالات یوں اچانک پلٹا کھا جائیں گے۔ جب مجبور و بیکس لڑکی کو وہ نمائش میں سے ترس کھا کر اپنے گھر لائے گا وہ شوکت کی بیوی نکلے گی۔ یہ بات اس کے لیے بیحد حیرت انگیز تھی۔ یہ باتیں یقیناً گوداوری نے کوثر کو بتائی ہوں گی اور اسی لیے کوثر اپنے بھائی سے طویل جرح کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے۔ اسے یہ جان کر دکھ ہوا تھا کہ شوکت اس گروہ

کا باس ہے۔ اُسے شوکت کو اپنا دوست سمجھتے ہوئے اب شرم آرہی تھی۔ وہ کچھ کہنے کے لیے شوکت کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے بڑی عجلت میں دو قدم پیچھے ہٹ کر جیب میں سے پستول نکال لیا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ عامر ــــ میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے چلّا کر کہا۔

"شوکت! ــــ کیا کر رہے ہو؟" عامر اُسے پستول نکالتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"میں اس وقت کسی پر بھی رحم نہیں کروں گا۔" شوکت نے دانت پیستے ہوئے پستول کا رُخ کوثر کی طرف کر دیا اور زہریلے لہجے میں گویا ہوا۔ "ٹھیک ہے کوثر! اب تم سب کچھ جان ہی چکی ہو تو ایسا ہی سہی ــــ چلو میں اعتراف کر لیتا ہوں کہ تم نے جو کہا ہے دُرست ہے۔ لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے یہ سب کچھ صرف تصویر کا راز جاننے کے لیے کیا ہے۔ جو تصویر لال بنگلے میں لگی ہوئی تھی، وہ وہاں سے کس نے نکالی اور کیوں نکالی ــــ تصویر کا راز ہے کیا؟ تمھیں، عامر کو اور اس کی اماں کو ابھی اور اسی وقت بتانا پڑے گا کہ تصویر میرے بنگلے سے کیوں چرائی گئی۔ اس میں کون سی خاص بات پوشیدہ ہے جو عامر چپکے سے اُسے لینے کے لیے گیا تھا ــــ بتاؤ، ابھی بتاؤ۔"

"کیا ــ؟" کوثر نے آگ اُگلتی ہوئی نظروں سے شوکت کو دیکھا۔ "تم ــ تم اپنی سگی بہن پر پستول تانے کھڑے ہو ــــ تمھیں شرم نہیں آتی!"

"نہیں، مجھے کوئی شرم نہیں آتی۔ اتنی باتیں جان لینے والی لڑکی اب میری بہن نہیں ہو سکتی۔ بولو تصویر کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم ــــ" کوثر نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

"تم بتاؤ عامر۔ کہاں ہے وہ تصویر؟" شوکت نے پستول کا رخ عامر کی طرف کر دیا اور اماں لرز کر رہ گئیں۔

"تم پاگل ہو گئے ہو شوکت۔" عامر نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تصویر کا کوئی علم نہیں ہے۔ یہ سب تمھارے دماغ کی اختراع ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" شوکت پیر پٹخ کر دہاڑا۔ "تم سب کو معلوم ہے کہ تصویر کہاں ہے۔ جلدی بتاؤ۔"

عامر حیرت زدہ نظروں سے اُسے لگاتار دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ جب وہ تصویر لینے گیا تھا تو دیوار خالی تھی تو شوکت کسی طرح بھی یقین نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے سوچ لیا کہ خاموشی ہی بہترین ہتھیار ہے۔ کوثر بار بار عامر کو دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ کچھ بتلائے لیکن عامر کو خاموش دیکھ کر وہ تذبذب میں پڑ گئی اور کرشنا کو اداس نظروں سے دیکھنے

لگی جو بچے کو چپ کرانے کی کوشش بھی کر رہی تھی اور آنسو بھی پونچھتی جاتی تھی۔

"اچھا ـــــ تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدھی انگلیوں ہرگز گھی نہ نکلے گا۔" شوکت نے آگ بگولہ ہو کر کہا۔ "دیکھو عامر، تم اپنے بارے میں بہت سی باتیں نہیں جانتے لیکن تمھاری اماں جانتی ہیں۔ اور جو وہ جانتی ہیں، وہ میں بھی جانتا ہوں۔ یہ تمھاری بدنصیبی اور میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ان باتوں کا پتہ لگ گیا۔"

"کون سی باتیں؟" عامر نے تعجب سے نظریں اوپر اٹھائیں۔

"وہی جو منشی نرائن ساہ کے ذریعہ انھیں معلوم ہوئی تھیں۔"

"شوکت کیا کہہ رہا ہے اماں؟" عامر نے گردن موڑ کر اماں سے کہا۔

"نہ جانے کیا کہہ رہا ہے بیٹا ـــــ مجھے بھلا کیا معلوم؟" اماں نے شوکت کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت کچھ معلوم ہے مگر یہ قبولیں گی نہیں۔" شوکت نے پستول سب کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسی لیے اپنے وفادار ملازم نرائن ساہ کو عین اس وقت ختم کرا دیا جب وہ چند اہم راز ان کو بتانے کے لیے تمھارے گھر میں داخل ہو رہا تھا ـــــ کیوں اماں، کیا غلط ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" اماں نے بپھر کر جواب دیا۔

"لیکن میں اگلوانا جانتا ہوں۔" شوکت نے دانت پر دانت جماتے ہوئے کہا۔ "ایک ایک بات معلوم کر لوں گا: تم سب سے۔ اور تم تو ایک منٹ میں قبول کر لوگی، بتا دوگی کہ حقیقت کیا ہے۔"

"ہوش کی باتیں کرو بھیا ـــــ تم اماں کی اتنی بے عزتی نہیں کر سکتے۔" کوثر نے سخت لہجے میں کہا۔

"جب تم سب کے سامنے میں بے نقاب ہو ہی گیا ہوں اور تمھاری نظروں میں میری کوئی عزت باقی ہی نہیں رہ گئی تو اب مجھے کسی کی بھی عزت اور بے عزتی کی پرواہ نہیں ـــــ جو میں پوچھنا چاہتا ہوں اس کا جواب ہر حالت میں معلوم کر کے رہوں گا۔" شوکت غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

"خیر تم سے جو کیا جائے کر لو ـــــ ہم کچھ نہیں جانتے۔" عامر نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"دیکھو عامر! اتنی لمبی چوڑی باتیں سنانے سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں تم میں سے

کسی پر بھی سختی کرنا نہیں چاہتا۔ ورنہ تم جانتے ہی ہو کہ میں اپنی مطلب براری کے لیے جب کئی قتل کرا سکتا ہوں تو میرے لیے تمھیں، تمھاری اماں، اپنی بہن اور اس ذلیل لڑکی کو ختم کر دینا مشکل نہیں جسے میرے سر منڈھا جا رہا ہے اور جو نہ جانے کس کا پلا گود میں اٹھائے پھر رہی ہے۔ لہٰذا اب میں آخری مرتبہ بعید نرمی سے دریافت کرتا ہوں کہ مجھے بتا دو کہ وہ تصویر کہاں ہے ـــــ بس اتنی سی بات ہے!"

"اتنی سی بات تو ہے لیکن بہت بڑی بات ہے ـــــ تم میں اتنی جرأت کیسے پیدا ہوئی کہ ہم سب پر پستول تان لو۔ یقین مانو میں، اماں یا کوثر جو کہہ رہی ہیں، بالکل درست ہے۔ ـــــ تم خواہ کچھ بھی ہو لیکن اب بھی میرے دوست ہو۔ اور میں ایک دوست کے ناطے تم سے صاف کہہ رہا ہوں کہ یقین کرو، ہم میں سے کوئی بھی تصویر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔" عامر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر جواب دیا۔

"اُفوہ! پھر وہی جواب۔" شوکت غصے میں دیوار پر مکا مار کر بولا۔ "یہ جواب سنتے سنتے میں عاجز آگیا ہوں۔ میں نے تم سب کی بہت خوشامد کر لی۔ مگر تم میں سے کوئی بھی کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں ـــــ خیر اب جو کچھ بھی ہوگا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

شوکت نے پستول نیچے کر لیا اور دروازے کی طرف منہ کر کے چلایا ـــــ "دامودر!"

"دامودر کو کیوں بلا رہے ہو؟" عامر نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" شوکت زہریلی ہنسی کے درمیان بولا۔

عامر ایک امن پسند اور صلح جُو انسان تھا، اور لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دُور ہی بھاگتا تھا۔ اُسے آثار اچھے نظر نہ آئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس نازک گھڑی میں اُسے بھی اپنے بازوؤں کی قوت آزمانی پڑے گی۔ دامودر اندر آچکا تھا اور مؤدب ایک طرف کھڑا ہوا خونخوار نظروں سے عامر کو دیکھے جا رہا تھا۔

"دامودر ـــــ!" شوکت نے اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"یس باس!" دامودر میں یکایک چیتے جیسی پھرتی پیدا ہو گئی۔

"کلائی کس طرح توڑی جاتی ہے۔ یہ تجربہ ذرا عامر کی اماں کی کلائی پکڑ کر کے تو دکھاؤ۔"

"نہیں ـــــ" کوثر اور گوداوری نے ایک ساتھ چلا کر کہا اور کوثر تیزی سے آگے بڑھ کر اماں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ہٹ جاؤ بڑھیا کے سامنے سے۔" شوکت گرج کر بولا۔ اور جب کوثر نہیں ہٹی تو آگے بڑھ کر اس کے گال پر ایک زبردست طمانچہ رسید کر دیا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر

اُسے ایک جھٹکے سے دور پھینک دیا۔

کوثر پھول جیسی نازک اندام تھی۔ جب اُسے شوکت نے دھکا دے کر دور پھینکا تو وہ دیوار میں ابھرے ہوئے نوکیلے پتھروں سے جا ٹکرائی اور پھر بیہوش ہو کر نیچے گر پڑی۔ اور عامر و گوداوری نے فوراً کوثر کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھنا چاہا لیکن شوکت جیسے شقی القلب انسان نے فوراً دونوں کو پستول سے کوَر کر لیا۔

"اپنی جگہ سے کوئی نہ ہلے۔" شوکت چیخا۔ "جب میں اپنی بہن پر زیادتی کر سکتا ہوں تو یاد رکھو، کسی کو بھی معاف نہ کروں گا۔"

"شوکت! کوثر کے چوٹ لگ گئی ہے۔" عامر کے دل کا خون ہو رہا تھا۔

"لگنے دو ___ مجھے اب کسی کی بھی پرواہ نہیں ___ دامودر اپنا کام کرو۔"

دامودر نے اماں کی کلائی تھام لی اور عامر کا دل لرز کر رہ گیا۔ دامودر نے کلائی کو مروڑنا شروع کر دیا اور اماں کی دردناک چیخوں سے ہال گونجنے لگا۔ دامودر برابر کلائی مروڑے چلا گیا۔ اماں اور چیخیں۔ مگر اُن کی چیخوں کا دامودر یا شوکت پر ذرا بھی اثر نہ ہوا ___ کلائی کافی مڑ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ اماں کی کلائی ٹوٹ جاتی' عامر کی قوتِ ضبط جواب دے گئی۔ اس سے اب برداشت نہ ہو سکا اور پستول کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ بھوکے بھیڑیے کی مانند دامودر پر جا پڑا اور ایک زبردست قوت والا نپا تلا بھرپور مُکا اس نے دامودر کے چہرے پر رسید کر دیا۔ ناک پر لگنے والی وہ چوٹ کچھ اتنی ہی شدید تھی کہ دامودر نے بلبلا کر اماں کو چھوڑ دیا اور جواب میں وہ بھی بھینسے کی طرح سر جھکا کر عامر پر حملہ آور ہوا۔ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے ایک زبردست ٹکر عامر کے پیٹ میں رسید کی ___ اور اس ٹکر کے جھٹکے کو برداشت نہ کرتے ہوئے' عامر کمر کے بل زمین پر گر پڑا اور گرتے ہوئے اس کا سر بھی دیوار میں سے باہر نکلے ہوئے کتال کے ایک پتھر سے جا ٹکرایا۔

جب وہ چکر کھاتا ہوا دوبارہ اُٹھا تو اماں نے یہ دیکھ کر دل پکڑ لیا کہ اس کے سر سے خون کا ایک فوارہ اُبل پڑا ہے۔ شاید اُس کا سر پھٹ گیا تھا اور خون کا آبشار دھیرے دھیرے بہتا ہوا اُس کے لباس کو تر کر رہا تھا۔ شوکت نے یہ دیکھ کر ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور دامودر کو شاباشی دیتے ہوئے اسے اکسانے لگا کہ وہ عامر کو اس وقت تک مارتا رہے جب تک وہ تصویر کے بارے میں بتلا نہیں دیتا۔

"میں جانتا ہوں دامودر یہ ہرگز نہ مانے گا۔ اس کی زبان کھلوانے کا بس یہی ایک طریقہ ہے۔"

"نہیں نہیں ___ بھگوان کے لیے انھیں چھوڑ دو" گوداوری نے التجا کی۔

"شروع ہو جاؤ دامودر ـــ ذرا بھی رحم نہ کرو۔" شوکت نے گوداوری کی عاجزی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

دامودر عامر کو لڑکھڑاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ سیدھا کھڑا ہو تو وہ اس کی پھر خبر لے۔ عامر کا خون جب اس کے اپنے ہونٹوں تک پہنچا تو اُسے یہ احساس ہوا کہ کیا ہو چکا ہے۔ اُس نے سوچا کہ اگر اُس نے اپنی مدافعت نہ کی تو اس طرح تو وہ پٹ پٹ کر مر جائے گا۔ ماں کا روتا ہوا چہرہ اُسے خون کی چلمن سے دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں۔

"ارے ظالمو! کیوں مار رہے ہو میرے بیٹے کو۔ اُسے چھوڑ دو اور میری کلائی توڑ ڈالو۔"

یہ کہتے ہوئے جب وہ آگے بڑھیں تو ظالم شوکت نے انھیں پھر دھکا دے دیا اور وہ زمین پر ایک طرف جا گریں۔ مگر پھر بھی بلبلا کر یہی کہتی رہیں کہ مت مارو میرے بچے کو۔ اُسے چھوڑ دو ـــ خدا کے لیے چھوڑ دو۔"

دامودر سامنے کھڑا ہوا دوسرا حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ چیونٹی پر بھی اگر پیر رکھ دیا جائے تو وہ بھی بلبلا کر کاٹ لیتی ہے۔ عامر تو پھر بے ضرر انسان تھا۔ لیکن نہ جانے اُس میں کہاں سے اچانک قوت آ گئی۔ طاقتور دامودر سر جھکا کر دوبارہ اُس کے پیٹ میں ٹکر مارنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھا۔ عامر جانتا تھا کہ دامودر کی ٹکر میں بہت قوت ہے۔ اُسے زیر کرنا آسان نہ تھا۔ اُسے تو صرف چالاکی ہی سے زیر کیا جا سکتا تھا۔ عامر جان بوجھ کر پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار تک جا پہنچا۔ اور پھر جیسے ہی دامودر سر جھکائے ہوئے محض دیوار سے تین فٹ کے فاصلے پر رہ گیا، عامر برق رفتاری سے فوراً دائیں طرف ہٹ گیا۔ پتھروں سے سر ٹکرانے کی ایک زبردست گونج پیدا ہوئی اور پھر چند منٹ پہلے جو حالت عامر کی ہوئی تھی وہی دامودر کی نظر آنے لگی۔ اس کا چہرہ بھی خون میں لت پت ہو گیا۔

کوثر تو بے ہوش پڑی تھی ورنہ وہ یقیناً خوشی کا اظہار کرتی۔ البتہ گوداوری اور اماں دل ہی دل میں بہت خوش ہوئیں۔ دامودر لڑکھڑاتا ہوا اٹھ ہی رہا تھا کہ عامر نے اُسے اپنے طاقتور مکوں کی زد پر رکھ لیا۔ اماں، کوثر اور گوداوری کی ہتک کو یاد کر کے اُس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی اور پھر اس نے ان گنت مکّے، لاتیں اور گھونسے دامودر کے منہ، ناک، پیٹ اور پیروں پر رسید کرنے شروع کر دیے۔ دامودر جتنی بار بھی اُٹھنے کی کوشش کرتا، عامر اتنی ہی مرتبہ اس کی تواضع کرتا۔ دامودر نے گھبرا کر کئی بار اِدھر اُدھر ہاتھ گھمایا اور وہ

ہاتھ عامر کے لگا بھی ضرور، مگر اب اس ہاتھ میں دم نہ رہا تھا۔ مقابلہ اب برابر کا ہو گیا تھا۔ دونوں لہولہان تھے اور دونوں کے کپڑے خون میں لت پت ہو گئے تھے۔

ایک بار پھر جیسے ہی دامودر لڑکھڑاتا ہوا اور ڈگمگاتا ہوا کھڑا ہوا، عامر نے اُسے فوراً دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ اس کی کمر اپنے سر پر ٹکائی اور پھر لٹو کی طرح گھومنے لگا۔ فری اسٹائل کشتی لڑنے والوں کا یہ پسندیدہ داؤ ہوا کرتا ہے۔ عامر نے بھی یہی داؤ آزمایا۔ پھرکی کی طرح بیس پچیس مرتبہ گھومنے کے بعد اس نے دامودر کو ایک ناکارہ بوجھ سمجھ کر سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ اپنے ہی وزن کے باعث دامودر دیوار کے اُبھرے ہوئے نوکیلے پتھروں سے اتنی بُری طرح سے ٹکرایا کہ نیچے گرنے کے بعد پھر نہ اٹھ سکا ـــــ لیکن چونکہ عامر بھی کمزوری محسوس کرنے لگا تھا اور گھومنے کے باعث اسے بھی چکر آ گئے تھے، اس لیے لہراتا ہوا وہ بھی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

امّاں نے دوڑ کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔ عامر بے ہوش تو نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ بیٹھنے کے بعد بھی اِدھر اُدھر جھولنے لگا۔ اماں نے جلدی سے دوپٹے کا کونہ پھاڑ کر اس کی پٹی بنائی اور عامر کے سر پر باندھ دی۔ اس سے اتنا ضرور ہوا کہ بہتا ہوا خون کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ خون بہہ جانے اور دیوزاد دامودر سے زور آزمائی کرنے کے باعث عامر کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اماں نے اسے کمزور دیکھ کر اس کا سر سینے سے لگا لیا اور رونے لگیں۔

"تم سمجھتی ہو کہ میں تمھارے بیٹے کو معاف کر دوں گا۔" شوکت نے اُن کی جانب پستول لہراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ اس نے میرے سب سے کارآمد آدمی کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ اس کی سزا اس کو ضرور دی جائے گی۔ اب تم اس کا دیدار اچھی طرح کر لو کیونکہ اس کے بعد تمھیں اس کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہو گی۔"

"مار ڈال ـــــ ذلیل، کمینے! تو مجھے مار ڈال، مگر اسے چھوڑ دے۔" اماں چلّائیں۔

"میں عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا ـــــ سمجھیں؟ ـــــ ہٹ جاؤ اس کے پاس سے اور اُس پر گولی چلانے دو۔"

"واہ ــ کیا شرافت ہے تیری!" امّاں غصّے سے بولیں۔ "مردُود تو درحقیقت آستین کا سانپ ہے۔ تو دوستی کے نام پر دھبّہ ہے۔ تو انسان نہیں شیطان ہے۔"

"ان خطابات کا شکریہ۔" شوکت زہریلی ہنسی کے درمیان بولا۔ "اب ہٹ جاؤ اس کے پاس سے۔"

"نہیں نہیں ـــ تجھے مارنا ہے تو پہلے مجھے مار۔" اماں عامر سے اس طرح چمٹ گئیں کہ اُن کی پشت شوکت کی طرف ہو گئی۔
شوکت کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اماں کا بازو پکڑ کر انہیں ایک زوردار دھکا دے کر گوشر کی طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ چاہتا ہی تھا کہ عامر کے سر کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دے کہ گوداوری چیختی، چلاتی دوڑی اور اپنے بچے سمیت عامر پہ اوندھی لیٹ گئی اور التجا آمیز لہجے میں چیخی۔
"چھوڑ دو ـــ بھگوان کے لیے چھوڑ دو ـــ یہ میرے بھائی ہیں۔"
"بکواس بند کر ـــ" شوکت دہاڑا۔ "نہ جانے کس کس بھائی کا پہلو گرم کرتی رہی ہے ـ حرامزادی! لو کیوں مرنے کے لیے آگئی ـــ ہٹ یہاں سے۔"
"نہیں نہیں ـــ بھیا کو مت مارو، مجھے مار ڈالو، میں تمہیں تمہارے بچے کا واسطہ دیتی ہوں۔"
"بچہ!" شوکت نے نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ "نہ جانے کس کی گالی ہے جو تو مجھے دے رہی ہے۔ خبردار ـــ ہٹ جا عامر کے اوپر سے ورنہ میں تیرے بچے کو مار ڈالوں گا۔"
اماں وہیں کونے میں سے چیخیں اور گوداوری عامر سے اور لپٹ گئی۔ شوکت نے اس کی گود میں دُبکے ہوئے بچے کو ایک جھٹکے سے چھین لیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے بائیں ہاتھ سے پستول چھوٹ کر نیچے جا گرا مگر اس نے پستول کی پروا یوں نہ کی کہ کسی میں بھی پستول اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ گوداوری اور اماں کے گڑگڑانے اور منع کرنے کے باوجود اس نے بچے کا بازو پکڑ کر اُسے بڑی کراہیت کے ساتھ ایک طرف اچھال دیا گویا وہ کوئی گندی شے ہو ـــ بچے کو ہوا میں اچھلتے دیکھ کر گوداوری نے 'میرا بچہ' کہہ کر ایک زبردست اور دلدوز چیخ ماری۔

لیکن جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے؟

بچّہ بالکل محفوظ رہا۔ کیونکہ پروگرام کے مطابق اسلم دروازے میں سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ بچے کو اس نے کرکٹ کی گیند کی طرح لپک لیا۔ بچّہ دہشت زدہ ہو کر چیخ رہا تھا۔ اسلم نے اُسے فوراً سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور سیدھے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور شوکت پر تان لیا۔

"بھئی واہ! ــــ کتنی مہارت سے بچے کو ہوا میں اچھالا ہے"۔ اسلم نے مسکرا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کبھی تم نے سرکس میں ملازمت بھی کی ہے ــــ کیوں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں، اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو"۔

گوداوری عامر پر سے اٹھ کر تیزی سے دوڑی اور اسلم کی گود سے بچے کو لینے لگی۔ لیکن اسلم نے اُسے دینے میں مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔

"بیوقوف لڑکی بچّہ کہاں بھاگا جاتا ہے۔ فی الحال تو وہ ماموں صاحب قبلہ کی گود میں ہے اور غصیلی نظروں سے اپنے ناجائز باپ کے کرتوت دیکھ رہا ہے جس نے تو اسے مار ہی ڈالا تھا۔"

"تم ــــ تم بھی یہ بات جانتے ہو بھیّا؟" گوداوری نے بچے کو گود میں لیتے ہوئے کچھ کچھ حیرت اور شرم کے ساتھ کہا۔

"یہ پوچھو کہ کیا نہیں جانتا۔ بہت کچھ جانتا ہوں اور بہت کچھ بتاؤں گا بھی۔ مگر پہلے تم آگے بڑھ کر اپنے نالائق پتی دیو کے پیروں کے پاس پڑا ہوا پستول تو مجھے اُٹھا کر

دے دو۔ وہ بیکار پڑا ہوا ہے، اُسے کارآمد تو بنالوں۔"

یہ سن کر شوکت نے آگے بڑھنا چاہا لیکن اسلم نے ریوالور لہراتے ہوئے جلدی سے للکارا۔

"نہیں نہیں جناب، یہ تکلیف مت کیجیے، یہ کھلونا آپ کے ہاتھوں میں اچھا نہیں لگتا۔"

گوداوری نے تیزی سے آگے بڑھ کر پستول اُٹھالیا اور اسلم کی طرف بڑھا دیا۔ اسلم نے پستول کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے باری باری اماں، عامر، بے ہوش کوثر اور نیم جاں دامودر کو دیکھتے ہوئے بظاہر مزاحیہ لیکن تلوار جیسی کاٹ والے لہجے میں کہا۔

"کافی بڑا میدانِ کارزار جما رکھا تھا تم نے۔ ہر شخص اور ہر عورت سہمی ہوئی اور نیم مردہ سی نظر آتی ہے۔ مان گئے اُستاد، اتنا لمبا چوڑا گروہ بنانے والے کو ہمت والا اور جی دار ہونا ضروری ہے۔ لگتا ہے کافی گھمسان کی جنگ ہوئی ہے۔"

"تم چلے جاؤ یہاں سے۔" شوکت مردہ لہجے میں بولا۔

"میں جانے کے لیے کب آیا ہوں۔" اسلم نے گویا اس کا مذاق اُڑایا۔"اگر میں چلا گیا تو پھر تمھیں شکوہ رہے گا کہ ؎

جانے والے سے ملاقات نہ ہونے پائی
دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

کیوں؟"

"میں مذاق بالکل نہیں پسند کرتا۔" شوکت نے جھلّا کر کہا۔

"لیکن میں تو کرتا ہوں۔" اسلم نے جوشیلے لہجے میں جواب دیا۔"اور اب جو میں "داستانِ طلسم ہوش اُڑا" تمھیں سناؤں گا وہ مذاق نہیں حقیقت ہوگی۔ سنوگے؟"

اماں کو گرنے کے باعث چوٹ تو لگی تھی، مگر وہ اب اپنی تکلیف بھول کر بیٹے کے پاس ڈگمگاتی ہوئی آگئی تھیں۔ اور اس کی تیمار داری میں لگ گئی تھیں۔ اسلم کو دیکھ کر اُن کی ڈھارس بندھ گئی تھی اور وہ عامر کے رِستے ہوئے خون کو پونچھنے میں مصروف ہوگئی تھیں۔

"یار شوکت، بخدا کہانی کافی لمبی چوڑی ہے۔ بےحد معلوماتی اور پُراثر۔ بڑی بھاگ دوڑ اور جان توڑ محنت کے بعد یہ کہانی ہاتھ لگی ہے۔ اتنے دن جو میں دلّی سے باہر رہا تو سچ مانو بھاڑ نہیں جھونکتا رہا میں نے۔ بڑی کارآمد اور انوکھی باتیں معلوم کی ہیں۔

چنانچہ میں اس کہانی کو ابھی سناتا ہوں۔ لیکن تم پر اعتبار نہیں ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ بھونکتے ہوئے کتے شاذ و نادر ہی کاٹتے ہیں۔ لیکن تم خاموش ہو، بھونک نہیں رہے۔ اس لیے تم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم ذرا دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر سر پر رکھ لو ـــ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا۔ . . . ."

فقرہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ عامر اب کراہ کر کھڑا ہو رہا تھا۔ اسلم کو دیکھ کر وہ حیرت سے بولا۔

"تم ـــ تم کب آئے، کہاں تھے اب تک؟"

"میں اس وقت عمرو عیار کا کردار بنا ہوا ہوں یار ـــ تم مجھے ٹوکو مت اور کچھ پوچھو بھی مت ـــ بس تم اتنا کرو کہ کوثر صاحبہ کو ہوش میں لے آؤ ـــ اور اس موٹے کو پڑا رہنے دو جسے شاید تم نے بُری طرح ٹھونک ڈالا ہے۔"

عامر نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کھولنس کے پاس ہی رکھے ہوئے مٹکے میں سے پانی نکالا اور بے ہوش کوثر کے منہ پر چھینٹے مارے ـــ اماں نے بھی اس کام میں اس کی مدد کی۔ کوثر جلد ہی ہوش میں آگئی۔ کمرے کا منظر دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔ اور حیرت زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں کہاں ہوں ـــ؟"

"اپنے برادرِ محترم کی قید میں۔" اسلم نے زہر خند سے کہا۔ "شاید ہمیشہ ہی قید میں رہتیں اگر آپ کا یہ خدائی خدمت گار عین موقع پر نہیں ٹپک پڑتا۔"

"کام کی بات کرو اسلم ـــ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔" عامر نے شوکت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اسلم سے کہا۔

"نہ جانے یار کیا بات ہے کہ مذاق کرنے کو ہی دل چاہتا ہے۔ قدرت کی ستم ظریفی اور شوکت کی کم ظرفی پر ہنسی تو آئے گی ہی ـــ بہر حال تم دامودر اور شوکت پر نظر رکھو اور غور سے سنو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

"کچھ بھی بکواس کر لو ـــ اگر تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ یہاں سے بچ کر نکل کر جاؤ گے تو یہ تمھاری بھول ہے۔" شوکت نے غصّے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں سے زندہ نہ جا سکو گے۔"

"مان لیا ـــ لیکن تم بھی تو زندہ نہ جا سکو گے۔" اسلم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس ریوالور میں چھ گولیاں ہیں۔ ایک تمھاری ٹانگ پر، دوسری پیٹ میں، تیسری دل پر، چوتھی

سر میں اور بقیہ دو دامودر اور کسی اور ساتھی کے لیے کافی ہیں۔ کچھ اور آ گئے تو تمھارے پستول کی گولیاں اُن کے لیے بھی ــــ اب بولو، کون زندہ جائے گا یہاں سے۔ اس لیے بیوقوف آدمی! اطمینان سے اسی پوز میں کھڑے رہو اور غور سے سنو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ پولیس کے آجانے کے بعد مجھے اس کا موقع نہیں مل سکے گا۔"

"پولیس ــــ تو کیا تم نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔" شوکت گھبرا گیا۔

"ہاں ــ چونکہ مردوں کی کلائیوں کے زیور صرف انھیں کے پاس ملا کرتا ہے ــ کیوں میں غلط تو ...."

"اسلم کام کی بات کرو۔ کیوں معاملے کو طول دے رہے ہو؟" عامر پریشان ہو کر بول پڑا۔

"مجبوری ہے یار ــ معاملہ طویل ہی نہیں عریض بھی ہے ــ" اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔ "شکر کرو کہ میں شیریں کی طرح عین وقت پر آ گیا ورنہ حضرت تمھارے یہ جگری دوست شوکت، تمھارے جسم میں کئی ہوادان بنا چکے ہوتے ــ لو ذرا شوکت کا پستول تم اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی طرف اس کا رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور اگر یہ ذرا بھی ہلیں تو بے پرواہ ہو کر فوراً گولی چلا دو ــ"

عامر نے بے خیالی میں پستول لے تو لیا مگر پھر اُسے فوراً ہی واپس کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں نہیں ــ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"واقعی یار تم شوکت کے سچے دوست ہو۔ آفریں ہے تم پر اور لعنت ہے اس کمین پر جو تمھاری جان لینے کے درپے تھا خیر چھوڑو، میں خود یہ نیک کام انجام دے دیتا ہوں۔"

اسلم نے پستول سے اچانک فائر کر دیا۔ مگر جان بوجھ کر شوکت کا نشانہ نہیں لیا۔ گولی دیوار پر لگی۔ اچانک دو چیخیں گونج اٹھیں۔ شوکت سمجھا کہ گولی اس کے لگی ہے اور گوداوری اس لیے چیخی کہ شوکت، آخر اس کا شوہر تھا اور شوہر کا ایسا دردناک انجام دیکھنا اُسے ہرگز پسند نہ تھا۔ عامر اور اتاں بھی سہمے بغیر نہ رہ سکیں۔ لیکن جب انھوں نے شوکت کو صحیح و سالم کھڑے دیکھا تو دونوں کی جان میں جان آئی۔

"کیوں ــ دیکھا گولی چلنے کا اثر ــ تم کیسے چیخے تھے۔ اور دیکھی تم نے محبت کرنے والی بیوی کی حالت، وہ بھی کسی بُری طرح سہم کر چلائی تھی!" اسلم نے شوکت کی ناقابلِ بیان حالت سے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"تم ــ تم کیا مجھے مارنا چاہتے تھے؟" شوکت سہم کر بولا۔

"یقیناً ــــ لیکن صرف ضرورت پڑنے پر۔" اسلم نے دانت پر دانت جماتے ہوئے کہا۔" اگر تم سنجیدگی سے یہ وعدہ کرو کہ تم اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کرو گے۔ جو میں کہوں گا اُسے توجہ سے سنو گے تو میں تمھاری جان نہیں لوں گا۔ شاید مجھے ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی کیونکہ تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے نپٹنے کے لیے خاکی وردی والے کبھی کے اس پناہ گاہ میں آچکے ہوں گے۔ انھوں نے تمھارے گرگوں کو گرفتار کرنا بھی شروع کر دیا ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ انسپکٹر اس کمرے میں داخل ہو' خاص طور پر تم اور دوسرے لوگ میری باتوں کو توجہ سے سن لیں۔"

"اسلم تمھیں جو کہنا ہے' جلدی سے کہہ لو۔" عامر نے گھبرا کر کہا۔" میں یہ نہیں چاہتا کہ پولیس یہاں اندر آکر شوکت کو گرفتار کرلے۔"

عامر کی اس بات پر شوکت نے اُسے گردن موڑ کر حیرت سے دیکھا اور اسلم اسے فہمائشی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تم اسے بچانے کی کیوں کوشش کر رہے ہو؟" اسلم نے شوکت کا پستول واپس جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں اسلم ــــ آخر شوکت ہمارا دوست ہے۔" عامر نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"تم میں یہی خامی تو ہے کہ تم دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کر سکتے۔" اسلم نے برجستہ کہا۔" اگر تم پہلے ہی سانپ کا پھن کچل ڈالتے تو آج تمھارا سر کچلا ہوا نہ ہوتا۔"

شوکت نے عامر کو پھر ایک بار دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔ کوثر خاموش تھی اور اپنے بھائی کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اسلم نے ایک ایک کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"صاحبان ــــ واقعہ کچھ یوں ہے کہ بہت سی باتیں تو آپ سب کو گوداوری کے آنے کے بعد ہی معلوم ہو گئی ہوں گی۔ مگر کچھ کام کی اور اہم باتوں سے آپ سب ناواقف ہوں گے ــــ وہی باتیں میں سب کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ مجھے گوداوری کے بوڑھے باپ اور گاؤں کے دوسرے بہت سے لوگوں سے ملاقات کرنے کے بعد یہ بیش قیمت بات معلوم ہوئی کہ المورہ کی عالیشان کوٹھی، دوسری جائدادوں، پہاڑی کھیتوں، جنگلوں، نیز دلی کے لاتعداد کارخانوں' فرموں اور ریسٹورنٹوں کا واحد مالک شوکت نہیں بلکہ خان بہادر سلیم احمد یا جمیل احمد کا اکلوتا لڑکا عامر ہے۔"

بوسیدہ سے ہال میں اچانک ایک بھنبھناہٹ سی گونج اٹھی۔ عامر کو جیسے سکتہ سا

ہو گیا۔ کوثر بھی ناقابلِ یقین انداز میں اسلم کو دیکھ رہی تھی۔ اماں نے سر جھکا کر اپنے ہونٹ کاٹنے شروع کر دیے تھے اور گوداوری کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا تھا۔ عامر آنکھیں پھاڑے ہوئے حیرت سے اسلم کو دیکھ رہا تھا۔

"شوکت کے والد ـــ" اسلم نے بات جاری رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "شوکت کے والد عظمت، خان بہادر سلیم احمد کے منشی تھے۔ خان بہادر کی لاتعداد دولت نے اُن کی آنکھیں پھاڑ رکھی تھیں۔ یا یوں کہیے کہ دولت کے لالچ نے انھیں اندھا کر دیا تھا۔ اس لیے ایک دن انھوں نے خان بہادر صاحب کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔"

"کیا بکتے ہو ـــ میرے والد ایسی ذلیل حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔" شوکت بری طرح چیخا۔

"بد قسمتی سے ایسا ہی ہوا تھا شوکت۔" اسلم نے ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس ہر بات کا ثبوت موجود ہے۔ میں تم پر اور تمھارے والد پر خوب سوچ سمجھ کر الزام لگا رہا ہوں ـــ مجھے اپنی کہانی سنانے دو، تم ثبوت مانگو گے تو وہ مہیا کر دیے جائیں گے۔"

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ میرے والد قاتل تھے؟" کوثر کے ہونٹ رنج برداشت نہ کرتے ہوئے لرز رہے تھے۔

"ہاں کوثر!" اسلم نے مرے ہوئے دل سے کہا۔ "بد قسمتی سے یہ حقیقت ہے۔"

"اوہ خدا!" کوثر اس رنج کو نہ سہہ سکی اور اماں کے کندھے پر اس نے اپنا سر ٹکا دیا۔

"خان بہادر صاحب کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ انھوں نے اس طرح بنایا کہ ایک دن انھوں نے بنگلے سے نیچے جانے والی سڑک کے موڑوں کو بغور جانچ کر خان صاحب کی موٹر کے بریک فیل کر دیے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب عامر محض چار سال کا تھا اور اس کی بہن صرف ڈیڑھ سال کی۔"

"مت یاد دلاؤ ـــ مت یاد دلاؤ بیٹا، میں وہ دہشتناک خواب پھر سے دیکھنا نہیں چاہتی۔" اماں کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر چیخیں۔

"لیکن اماں، مجھے سب کچھ بتانا بہت ضروری ہے، ان معلومات کو حاصل کرنے کے لیے میں نے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔" اسلم نے اماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر شوکت کی طرف دیکھا۔ وہ دم بخود کھڑا ہوا تھا۔

"سناؤ اسلم، تم اور کیا سنانا چاہتے ہو؟" عامر نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"خان صاحب جب نیچے جانے کے لیے تیار ہوئے تو اپنی بیگم، عامر اور ننھی سی بچی کے ساتھ کار میں بیٹھ گئے۔ شوکت کے والد عظمت چونکہ بجد عزیز اور وفادار ملازم تھے، اس لیے وہ بھی کار میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی مگر وہ مختلف موڑوں پر سے گھومتی ہوئی بہ آسانی نیچے جانے لگی تو عظمت صاحب کو اپنی کارکردگی پر بیحد تعجب ہوا کہ آخر بریک فیل کیوں نہیں ہو رہے۔ وہ تو خود کو شک وشبہ سے بالاتر رکھنے کے لیے خود بھی کار میں بیٹھے تھے۔ کار پرانے زمانے کی کھلی ہوئی کار تھی۔ عظمت کا پروگرام تھا کہ جب کار کسی کھڈ میں گرنے لگے گی تو وہ کود کر سڑک پر گر جائیں گے۔ اُن کی خوش قسمتی سے اس کا موقع آ ہی گیا —— کیوں اماں یہ حادثہ المورہ روڈ کی اس بلندی پر ہوا تھا نا جہاں دونوں کوسی ندیاں ایک مقام پر آکر ملتی ہیں؟"

اماں رو رہی تھیں۔ وہ جواب تو کچھ نہ دے پائیں البتہ انھوں نے گردن ہلا دی۔

"گڈ!۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مین بازار کے بوڑھے پہاڑی کا بیان بھی سچ ہے اور گاؤں کے لوگوں کا بھی —" اسلم نے خوش ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے، اب میں آگے کا حال بیان کرتا ہوں — تو صاحب بریک فیل ہو گئے اور جب کار سڑک کے موڑ پر لگی ہوئی پتھریلی روک کو توڑ کر نیچے کھڈ میں گرنے لگی تو منشی عظمت نے کار سے کود کر اپنی جان بچالی اور فوراً ہی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے —— مگر خدا کو عامر کو بچانا مقصود تھا۔ چنانچہ کار کھڈ کے اندر آگے کی طرف نکلی ہوئی چٹان پر گری، چٹان کے آگے ایک درخت تھا جس نے کار کو مزید گہرے کھڈ میں گرنے سے روک لیا —— البتہ خان بہادر صاحب نیچے گرتے ہی ایک بہت بڑے پتھر سے ٹکرائے، اُن کا سر بری طرح پاش پاش ہو گیا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ عامر اماں کے ساتھ ہی سیٹ کے نیچے گر گیا اور دونوں وہیں سیٹ کے درمیان پھنسے رہ گئے، لیکن ڈیڑھ سال کی بچی ماں کی گود سے نکل کر بہت ہی نیچے کوسی ندی میں گر گئی۔"

"اُف خدا! میں کیا کروں — کہاں جاؤں۔" اماں پرانی بات یاد کر کے بلبلا اٹھیں۔ "ہائے میری ننھی سی پھول جیسی بچی —— خدا کے لیے اسلم بند کر دو یہ کہانی ورنہ میری دھڑکن رک جائے گی۔"

"لیکن اماں دھڑکن رکے گی نہیں بلکہ بڑھ جائے گی۔ میں یہ کہانی بند نہیں کر سکتا، کیونکہ خدا یہی چاہتا ہے کہ میں یہ کہانی ابھی اور اسی وقت سب کو سناؤں۔" اسلم نے

بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"ہاں اسلم! تم سناڈالو، جو بھی ہے بلا کم و کاست سناڈالو۔" عامر نے رُندھے ہوئے گلے سے کہا کوثر بھی رو رہی تھی اور گوداوری باری باری اُن دونوں کو چپ کرانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ کوثر رو بھی رہی تھی اور حیران و پریشان، شرمندہ سی اس کہانی کو سن بھی رہی تھی۔
"سبھی نے اس بات کو چھپایا۔ منشی عظمت نے پولیس کو رقم تھمادی اور اس لیے پولیس نے زیادہ چھان بین کی کوشش بھی نہ کی۔ مگر قدرت کو یہ راز، راز رکھنا منظور نہ تھا۔ بہت اوپر ایک پہاڑی مزدور جے سنگھ پہاڑی ڈھلان پر گھاس کاٹ رہا تھا۔ اس نے یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ اتنی بلندی سے ندّی میں چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔ ورنہ شاید وہ اُن مظلوم لوگوں کی مدد ضرور کرتا۔"
"پھر کیا ہوا اسلم —؟" عامر کو یہ باتیں معلوم نہ تھیں۔ چنانچہ وہ حیرت سے سُن رہا تھا۔
"جے سنگھ اس راز کو جانتا تھا۔ اپنے طور پر اس نے یہ پتہ لگا لیا کہ کار کس کی تھی۔ وہ معلوم کرتے ہی اماں کے پاس پہنچا اور انھیں بتایا کہ اس نے بچی کو ندّی میں گرتے ہوئے دیکھا ہے اور بعد میں دور دور تک ندّی میں بچی کو تلاش بھی کر آیا ہے۔ وہ اب نہیں مل سکتی۔ اماں پہلے ہی غمزدہ تھیں۔ وہ آنسو بہانے لگیں۔ جے سنگھ نے انھیں تفصیل سے بتایا کہ وہ ہانپتا کانپتا پندرہ بیس منٹ کے بعد اُس جگہ پہنچا جہاں خان بہادر صاحب دم توڑ رہے تھے۔ اماں بے ہوش تھیں اور عامر بُری طرح رو رہا تھا۔ جے سنگھ نے خان بہادر صاحب کو اٹھانے کی کوشش کی مگر انھوں نے اشارے سے اسے منع کر دیا اور پھر اس کے کان میں رک رک کر کچھ کہتے رہے۔ جب انھوں نے جے سنگھ کو جو اُن کے دل میں تھا سب سنا ڈالا تو اُن کی روح پرواز کر گئی۔
"یہ سب کچھ میرے والد کی وجہ سے ہوا تھا، میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔" کوثر اچانک چیخی اور پھر بڑی شدومد کے ساتھ رونے لگی۔
"اب آگے کا حال سنیے۔" اسلم نے کہانی پھر شروع کر دی۔ "جے سنگھ خان بہادر صاحب کا راز دل میں دبا کر چٹان سے آگے نکلے ہوئے درخت سے ٹکی ہوئی کار میں پہنچا۔ اس نے اماں کو کار سے نکالا اور عامر کو چپ کیا۔ لیکن یہاں پر اور کوٹھی میں جانے کے بعد اس نے عامر کے بائیں ٹخنے پر لگی ہوئی چوٹ کے ایک گہرے نشان کو

ہر موقع پر بار بار دیکھا — چونکہ اماں نے اس کی اچھی عادت اور ہمدردی کو محسوس کرلیا تھا اس لیے اُسے سلیم لاج کے باغ کا مالی بنا دیا۔"

شوکت کے سر پر رکھے ہوئے ہاتھ دُکھ چکے تھے۔ اس نے انھیں نیچے کرلیا لیکن اسلم نے اُسے کچھ نہیں کہا اور اپنی بات جاری رکھی۔

"لیکن ایک سال کے اندر ہی حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ نہ صرف مالی بلکہ امّاں کو بھی عامر کے ساتھ ہی کوٹھی سے نکلنا پڑا۔ غدّار منشی عظمت نے سبھی جگہوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ جعلی دستاویزات تیار کرا کے اس نے یہ ثابت کردیا کہ خان بہادر صاحب مرنے سے پہلے سبھی جائدادیں اس کے نام کر گئے ہیں اور بیوی بچے کے لیے انھوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا — عامر بہت چھوٹا تھا، لہٰذا امّاں نے اس ڈر سے کہ دشمن، جنھوں نے اُن کے خاوند کی جان لے لی تھی، کہیں ننھے عامر کو نقصان نہ پہنچائیں، اپنی زبان پر تالا لگا لیا تھا۔ عامر کے جوان ہو جانے پر انھوں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ یعنی یہ نہیں بتایا کہ وہ خان بہادر سلیم احمد کا لڑکا ہے۔ وہ اسے یہی بتاتی رہیں کہ وہ جمیل احمد کی اولاد ہے۔ جے سنگھ سب جانتا تھا، مگر اس نے وفاداری اور عہد یہاں تک نبھایا کہ امّاں کو وصیت نامے کے بارے میں کچھ نہ بتایا کہ وہ لال بنگلے کے فریم میں ہے۔ شاید وہ بتا ضرور دیتا، مگر جب امّاں دلّی آکر رہنے لگیں تو وہ انھیں ڈھونڈ ہی نہ سکا۔ امّاں جب الموڑہ چھوڑ کر دلّی آگئیں تو انھوں نے عامر کی پوری نگہداشت کر کے اُسے مکمّل تعلیم دلائی — لیکن عامر غربت کے باعث تعلیم پوری نہ کرسکا۔ اور اس نے کالج چھوڑ دیا —"

کوثر یہ سنتے ہی بھبھک کر رونے لگی، وہ عامر کے ساتھ کیے گئے ظلم کی وجہ خود کو سمجھ رہی تھی۔ اور اس کے لیے خود کو اور اپنے ستم گر بھائی کو معاف کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی — عامر انگشت بدنداں حیرت زدہ تھا۔ جو باتیں اُسے امّاں نے آج تک نہ بتائی تھیں وہ دوسرے کی زبان سے سُن رہا تھا!

"مالی جے سنگھ وہیں الموڑے میں رہ گیا اور پھر اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گیا۔ امّاں جب دلّی آگئیں تو خان بہادر صاحب کی فرم کے ایک ملازم نرائن ساہ سے یہ نہ دیکھا گیا۔ وہ عامر کو دیکھ کر اچنبھے میں رہ گیا۔ عامر کی صورت اس کے سابق مالک سے ملتی تھی۔ چنانچہ وہ جان گیا کہ بیگم صاحبہ ہی اصل مالکہ ہیں۔ ایک دن وہ امّاں کے پاس آیا — مگر کب آیا، پورے اٹھارہ سال بعد۔ اس عرصے میں وہ انھیں برابر ڈھونڈتا رہا تھا۔ مگر امّاں جان بوجھ کر روپوش تھیں۔ نرائن ساہ انھیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ اس نے خان بہادر سلیم

احمد کی تصویر گھر میں لگی ہوئی دیکھ لی تھی۔ اماں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ انھیں پہچانے نہیں۔ وہ اپنے بیٹے کی خاطر یہ راز آشکارا نہیں کرنا چاہتیں ــــ یہ سب باتیں مجھے گوداوری نے بتائی ہیں۔ اتفاق سے اس نے اماں اور نرائن کی باتیں سن لی تھیں۔ جب اس نے مجھے بتائیں تو میں نے ایک اور ایک ملا کر دو کر لیے اور معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا ــــ اماں نے عامر کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اگر بتایا تھا تو یہ کہ وہ خان بہادر سلیم کا نہیں بلکہ ایک عام آدمی جمیل احمد کا لڑکا ہے۔ اماں کو خوف تھا کہ اگر اصل حقیقت کا منشی عظمت کے بیٹے شوکت کو پتہ لگ گیا تو وہ یقیناً عامر کو جیتا نہ چھوڑے گا۔ اور جیسا کہ آپ سب نے دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا بھی ہے۔ عظمت کا لڑکا شوکت آج عامر کو ختم کرنے والا تھا ــــ اتفاق سے قدرت نے مجھے بھیج دیا ــــ خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ منشی عظمت کے انتقال کے بعد شوکت تمام جائدادوں اور فرموں کا مالک بن گیا۔ اور ہماری بدنصیبی کہ ایک دن ہم عامر کی کوٹھی یعنی شوکت لاج ہی میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ دہرانے سے کچھ حاصل نہیں۔ ہاں اتنا بتانا ضروری ہے کہ عامر کو لال بنگلے میں پھانسنے کی کیوں کوشش کی گئی۔"

"تم ــــ تم جانتے ہو کیا؟" عامر نے حیرت سے نظریں اٹھائیں۔

"یقیناً ــــ مجھے ایک ایک بات معلوم ہے اور اسی غرض سے میں الموڑے گیا تھا۔" اسلم نے مسکرا کر کہا۔ "ان میں سے بیشتر باتیں مجھے جے سنگھ نے بتائی ہیں جو ابھی تک زندہ ہے۔"

شوکت بہت دیر سے خاموش کھڑا ہوا تھا۔ مگر اب اس نے چونک کر نظریں اوپر اٹھائیں۔

"جے سنگھ زندہ ہے ــــ کہاں ہے وہ؟" عامر نے تعجب سے پوچھا۔

"مین بازار کا وہ بوڑھا پہاڑی جس نے تمھیں اپنا نام نہیں بتایا تھا اور جس نے تم سے کہا تھا کہ تم بنگلے میں سے تصویر نکال لاؤ، وہی جے سنگھ ہے۔ تمھارے بچپن سے لے کر جوانی تک کی ایک ایک بات اُسے معلوم ہے۔ وہ تمھیں اس لیے پہچانا کہ تمھاری صورت خان بہادر صاحب سے ملتی ہے اور جے سنگھ نے دم توڑتے ہوئے خان صاحب کو بغور دیکھ رکھا تھا ــــ پھر تمھارے ٹخنے کی چوٹ کا نشان بھی اس کے لیے تمھیں پہچاننے میں معاون ثابت ہوا۔"

"پھر کیا ہوا ــــ بولو اسلم چپ مت رہو، میرے دل کا خون ہوا جا رہا ہے۔" عامر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"آج سے کئی ہفتے پہلے اس نے مجھے بھی وہی رائے دی جو تمھیں دے چکا تھا۔

اس نے کہا کہ میں نے چھوٹے بابو یعنی تمھیں اصل حقیقت نہیں بتائی تھی، البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ وہ لال بنگلے میں لٹکی ہوئی تصویر نکال لائیں اور اماں کو دے دیں۔ اس نے بتایا کہ عامر اس پر ناراض ہو گئے تھے کہ بابا تم مجھے چوری کرنے پر اُکسا رہے ہو اور انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن میں جب جے سنگھ سے ملا تو اُس نے مجھے بتایا کہ خان صاحب مرتے وقت اس سے کہہ گئے تھے کہ انھیں اپنے خطرناک منشی عظمت پر بھروسہ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنا وصیت نامہ لال بنگلے کے اندر لٹکی ہوئی تصویر کے پیچھے رکھ دیا ہے۔ کسی صورت سے وہ تصویر لا کر میری بیوی کو دے دو ـــــ میں تمھارا بہت ممنون ہوں گا۔"

"وصیت نامہ!" اماں بُری طرح چونکیں۔ "کیا وصیت نامہ تصویر کے فریم کے اندر تھا؟"

"ہاں اماں۔ وہیں تھا۔ عامر نے جب آپ سے کہا تھا تو آپ نے اسے منع کر دیا تھا وہاں جانے کو۔ لیکن جب حالات نازک صورتِ حال اختیار کر گئے تو اتفاق سے ہم دونوں ایک ہی وقت میں تصویر لینے کے لیے بنگلے میں گئے ـــــ"

"لیکن وہاں تو...." شوکت اچانک کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تم جو کہتے کہتے رک گئے ہو وہ میں پورا کیے دیتا ہوں۔" اسلم نے مسکرا کر کہا۔ "تمھیں یہ حیرت ہے کہ بنگلے میں کوئی تیسری ہستی ہمیں کیوں نہ ملی ـــــ مگر اتفاق کی بات ہے کہ وہاں ایک تیسری ہستی اور موجود تھی۔"

"کون تھی وہ ـــــ؟" کوثر نے اسلم کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہاں بیلا موجود تھی۔" اسلم نے جیسے دھماکہ کر دیا۔ "وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ لحاف کے اندر بے لباس تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر لحاف کے اندر گھسیٹنے لگی۔ بیلا کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی اور بہت پہلے ہی مجھے بتا چکی تھی کہ وہ شوکت کی غیر بیاہتا بیوی کے فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ غالباً وہ شوکت کا انتظار کر رہی ہے ـــــ جیسے ہی اس نے مجھے گناہ کی ترغیب دی، میں نے اُسے دھکا دے دیا۔ وہ بستر پر گر پڑی اور اسی وقت میں نے شوکت کو باہر سے اندر آتے ہوئے دیکھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ بیلا بستر پر گری ہوئی مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے جلدی سے تصویر اُتاری اور کھڑکی سے باہر کی جانب کود کر فرار ہو گیا۔ شوکت نے غالباً اندر آنے کے بعد بیلا کے ہرجائی پن کو محسوس کر لیا تھا۔ اور کھڑکی میں سے کسی مرد کو بھاگتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ اُسے بیلا پر بہت غصہ آیا۔ وہ

سمجھا کہ شاید بیلا نے اپنے عاشق کو وہ تصویر دے دی ہے۔ کیونکہ شوکت نے لازمی طور پر خالی دیوار دیکھ لی ہوگی۔ اس لیے اس نے بیلا کی غداری اور ناوفاداری کو محسوس کر کے اس کا گلا گھونٹ ڈالا ہوگا۔"

"یہ غلط ہے ـــ بالکل غلط ہے ـــ" شوکت چیخنے لگا۔ "میں نے اس کا گلا نہیں گھونٹا تھا۔ پہلے میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے گھونٹا ہے۔"

"پھر کس نے گھونٹا تھا، تم ہی بتا دو۔" اسلم نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن جوش میں آئے بغیر، میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ تمھاری ذرا سی حرکت پر یہ بھی حرکت میں آجائے گا۔"

"تم نے جو کہا ٹھیک ہے۔" شوکت نے گردن جھکا کر کہا۔ "لیکن میرے ساتھ دامودر بھی تھا۔ میں نے جب بیلا سے دریافت کرنا چاہا کہ تصویر کون لے گیا ہے اور جب اس نے جواب دینے میں لیت و لعل سے کام لیا تو دامودر نے بیلا کو ڈرانے کے لیے اس کی گردن پکڑ لی ـــ بیلا اتنی نازک نکلی کہ گردن پر ذرا سا بھی زور برداشت نہ کر سکی اور مر گئی ـــ بیلا کا قاتل میں نہیں، دامودر ہے۔"

"چلو مان لیا ـــ تمھارا بیان بالکل درست ہے۔" اسلم نے کہنا شروع کیا۔ "لیکن اس داستان کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ میرے بھاگ جانے، شوکت اور دامودر کے اندر آنے اور بیلا کے مرجانے کے بعد غالباً تمھیں اور دامودر کو یہ فکر ہوتی ہوگی کہ بیلا کا کیا کیا جائے ـــ اتفاق سے اسی وقت تم نے عامر کو بھی وہاں آتے ہوئے دیکھا۔ تمھارے ذہن میں عامر کو پھنسانے کی ترکیب آگئی۔ تم دامودر کے ساتھ وہاں سے غائب ہو گئے۔ اور تم نے پولیس کو فون کر دیا تاکہ پولیس آئے اور بیلا کو قتل کرنے کے الزام میں عامر کو گرفتار کر لے ـــ اور اتفاق سے ہوا بھی ایسا ہی ـــ پلان میں کوئی کسر نہ تھی لہٰذا وہ بخیر و خوبی انجام تک پہنچ گیا۔"

اسلم اتنا کہہ کر رک گیا۔ اور جب وہ رکا تو کوثر کی ہچکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ اُسے یقین نہ آتا تھا کہ اس کا سگا بھائی ایسی حرکات کا مرتکب ہوا ہوگا۔ وہ عامر سے نظریں ملاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ منجو اور بیلا کا قتل شوکت نے نہیں کیا، لیکن ان قتلوں میں اُس کی مرضی یا دامودر کا دباؤ ضرور شامل رہا ہے۔ عامر سر جھکائے بیٹھا تھا اور گوداوری پہلے ہی کی طرح اماں کے سینے سے سر لگائے رو رہی تھی۔

"تو صاحب کہانی تو ختم ہوگئی اور یہ بات سب کے علم میں آگئی کہ تمام جائدادوں

ہوٹلز، کھیتوں اور جائداد کا واحد مالک عامر ہے —— کیوں عامر میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

عامر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اچھے دل کا انسان تھا اور حالات کا یہ نرالا موڑ اسے ہرگز پسند نہ تھا، جس میں اس کا دوست شوکت غلط انداز میں نمایاں ہو گیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا اداس اداس نظروں سے شوکت کو دیکھتا رہا جو کشمکش و پیچ کی حالت میں بار بار مٹھیاں بھینچ اور کھول رہا تھا۔ کوثر عامر کو یوں دیکھ رہی تھی گویا وہ خود ہی ان باتوں کی ذمہ دار ہو۔ گوداوری بار بار اپنے بچے کو چپ بھی کرا رہی تھی اور سب کو غور سے دیکھ کر کڑھ بھی رہی تھی۔

"لیکن صاحب کتاب زندگی کا ایک نرالا ورق ابھی سنانا باقی رہ گیا ہے۔" اسلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور وہی ورق سب سے دلچسپ اور انوکھا ہے۔ ذرا اس باب کو بھی توجہ اور دلچسپی سے سنیں۔ حادثے کے دوسرے دن اماں اور وجے سنگھ نے بچی کو ایک ایک جگہ تلاش کیا مگر وہ ملی نہیں۔ ملتی بھی کہاں سے؟ خدا کی قدرت دیکھیے کہ جب وہ ندی میں گری تو ڈوبی نہیں۔ غالباً پانی اسے اچھالتا رہا اور وہ تہہ میں نہ بیٹھ سکی۔ اس لیے وہ بہتی ہوئی ندی کے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی جس کے کنارے پر ایک گاؤں آباد تھا۔"

"ندی کے کنارے والے گاؤں میں پہنچ گئی! —— جلدی بولو اسلم بیٹا —— پھر کیا ہوا، کیا وہ زندہ ہے؟" اماں نے دونوں ہاتھوں سے بیتاب دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں سب سنا رہا ہوں۔ آپ بولیں نہیں اور آرام سے سنتی جائیں۔" اسلم نے پہلے سے بھی زیادہ مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب بچی کنارے کنارے بہہ رہی تھی تو اتفاق سے ایک بوڑھے آدمی کی نظر اس پر پڑ گئی، اس نے فوراً ندی میں کود کر بچی کو بچا لیا۔ اسی آدمی نے بعد میں بچی کو پالا اور پال پوس کر بڑا کیا —— پھر اتفاق سے ایک دن ہمارے شوکت میاں کی نظر اس لڑکی پر پڑ گئی، انھوں نے اپنا نام راجن بتایا اور اس لڑکی سے مندر میں بناوٹی شادی رچالی۔ اور پھر مطلب نکل جانے کے بعد اس سے منہ موڑ لیا۔"

گوداوری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر صرف لب لرز کر رہ جاتے تھے۔

"پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ لڑکی نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ اپنے شوکت میاں کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو گاؤں والوں کے ڈر اور طعنوں سے بچنے کے لیے اس نے خودکشی کرنی چاہی، مگر مجھ جیسے نالائق انسان نے اسے بچالیا ۔"

"کیا ــــ کیا وہ میں ہوں بھیا؟" گوداوری رنج اور خوشی کے ملے جلے انداز میں چیخی۔ اس نے بچے کو نیچے لٹادیا اور روتے ہوتے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگی۔

شوکت نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا اور مجرموں کی طرح نیچے زمین میں دیکھنے لگا۔
اماں جیسے شادیٔ مرگ ہوتے ہوتے بچیں ــــ غیر متوقع حقیقت اور اچانک خوشی نے ان کے قویٰ میں سنسنی پیدا کردی ــــ وہ اپنی جگہ سے اٹھ ہی نہ سکیں اور اُن کی نظریں گوداوری کے چہرے پر ایسی گڑیں کہ وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔

"سچ بتاؤ اسلم بھیا ــــ کیا میں اپنے عامر بھیا کی سگی بہن ہوں؟" گوداوری نے روتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں گوداوری۔ تم عامر کی بہن ہو۔ اماں کی کھوئی ہوئی بیٹی ہو، کوثر کی بھابی ہو، شوکت کی بیوی ہو اور مجھ جیسے گدھے کی منہ بولی بہن بھی ــــ" اسلم نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں نے جب تمھیں پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے شبہ ہوا تھا کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہے ــــ تمھاری صورت عامر سے بہت ملتی جلتی ہے ــــ ملنی بھی چاہیے تھی، آخر تم عامر کی سگی بہن جو ہو ــــ"

"میری بچی!" اچانک اماں کی درد بھری آواز گونجی۔ "میری عفت! آ میرے کلیجے سے لگ جا۔"

اماں بے صبری سے کھڑی ہو کر گوداوری کی طرف بڑھیں اور اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ وہ روتی جاتی تھیں اور بار بار اس کے گالوں اور پیشانی کے بوسے بھی لیتی جاتی تھیں۔ گوداوری خود بھی ان سے اس طرح لپٹ گئی تھی کہ ان سے جدا ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ کوثر کی آنکھیں خوشی کے آنسو بہارہی تھیں۔ وہ عامر کے ساتھ آگے بڑھی ــــ اور پھر ان دونوں نے بھی گوداوری کو سینے سے لگالیا ــــ وہ میری اماں، میرے بھیا کہہ کہہ کر بار بار اماں اور عامر کے سینے سے لپٹی جارہی تھی ــــ اور جب کوثر نے اسے پیار کیا تو وہ 'میری بھابی' کہہ کر اس کی آغوش میں جا سمائی۔

اسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔ بچہ پھوس پر پڑا ہوا رو رہا تھا۔ اس لیے اسلم نے آنسو پونچھ کر اسے اٹھالیا اور پھر گلوگیر لہجے میں بولا۔

"تو صاحبان کوئی مجھ جیسے احمق سے پوچھے کہ کیوں بھائی اسلم تجھے کیا ملا؟ تو حضرات اور خواتین! جواب میرے پاس موجود ہے کہ ایک تو پروین جیسی پیاری اور نیک بیوی ملی۔ دوسرا وصیت نامہ ملا جو عامر کی امانت ہے اور شہر کے ایک بڑے وکیل کے پاس میں نے رکھوا دیا ہے اور تیسرا یہ شیطان قسم کا بھانجہ ملا جو اس وقت میرے سینے پر سوار ہے اور خدا کرے کہ ہمیشہ سوار رہے ــــ لیکن کوئی ہمارے یار شوکت سے پوچھے کہ صاحب آپ کو کیا ملا؟"

سب نے چونک کر شوکت کو دیکھا۔ اس کی نظریں نیچی تھیں اور پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں تو بھائی شوکت عرف راجن، اب بتاؤ کہ تمھارا کیا کیا جائے؟" اسلم نے ریوالور تان کر آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "تم خاموش ہو، ــــ میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو، تمھاری اس وقت کیا خواہش ہے۔ خدا کی قسم میں تمھاری خواہش ضرور پوری کروں گا ــ تم عامر کو گولی مارنا چاہتے ہو نا ــ یعنی اپنے بچے کے ماموں کو، اپنی بہن کے ہونے والے شوہر کو اور اپنی بیوی کے بھائی کو! یقین مانو میں ضرور تمھاری خواہش پوری کروں گا۔ کیونکہ یہ نیک کام انجام دے کر تمھیں لازوال خوشی ملے گی۔"

شوکت ہونٹ چبا رہا تھا۔ اب بھی خاموش رہا۔

"اس میں تمھارا زیادہ قصور نہیں ہے۔ اپنے والد منشی عظمت کا کیا دھرا بھگت رہے ہو۔ انھیں دولت کی خواہش تھی اور فطری طور پر تمھیں بھی ہے۔ مگر میرے یار دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ اصل چیز ہے ایمانداری، ہمدردی اور محبت ــــ تمھارا دامن اس دولت سے خالی رہا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تم اس معاملے میں فقیر ہی رہے۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے فوراً کہہ دو کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

"میں ــ میں کیا کہوں ــ میں تو ...." شوکت اس سے زیادہ نہ بول سکا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم عامر کو خاک و خون میں لوٹتے دیکھنا پسند کرو گے۔ تمھاری یقیناً یہی خواہش ہے۔" اسلم اب چند قدم آگے بڑھ کر شوکت کے بالکل نزدیک جا پہنچا۔ "میں نے کہا ہے نا کہ میں تمھاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ تو لو ــ یہ ریوالور حاضر ہے۔ اپنے دل کے ارمان نکال لو۔"

اسلم نے ریوالور زبردستی شوکت کے ہاتھ میں تھما دیا۔ کمرے میں جیسے سب کو سکتہ ہوگیا۔ امّاں گھبرا کر تیزی سے عامر کے سامنے آگئیں مگر عامر نے ان کا بازو پکڑ کر ایک طرف کر دیا۔
"نہیں نہیں ــــ ایسا نہیں ہو سکتا ــ" گوداوری چیخ کر دوڑی اور شوکت کے قدموں میں جا گری۔ "مت مارو بھیا کو ــ میں تمھارے پاؤں پڑتی ہوں ــــ بھگوان کے لیے چھوڑ دو میرے بھیّا کو ــــ میں نے بڑی مشکل سے اپنی ماں اور بھیّا کو پایا ہے۔ ان کے بدلے میں میری جان لے لو ــــ میں تمھارے ہاتھ جوڑتی ہوں ــ"
"ہٹ جاؤ گوداوری!" اسلم نے بیحد سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہمیں دیکھنے دو کہ ایک دوست اپنے دوسرے دوست کو کتنی خوشی سے مارتا ہے ــــ بخدا ایسا عمدہ منظر آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔"
"نہیں نہیں ــ" گوداوری بھبھک کر رونے لگی۔ "مجھے مار دو، میں پاپن ہوں، مجھے مار دو، بھیّا کو کچھ نہ کہو ــــ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔"
شوکت کشمکش و پیچ کی حالت میں کبھی گوداوری کو دیکھتا تھا اور کبھی عامر کو۔ چند لمحے تک وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ آخر کسی حتمی فیصلے پر پہنچتے ہی اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا اور عامر کا نشانہ لے لیا، کوثر، امّاں اور گوداوری اب بُری طرح چیخنے لگیں۔ لیکن عامر اور سینہ تان کر کھڑا ہوگیا ــــ یہ دیکھ کر شوکت کی نظروں میں الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے ہاتھ واپس پیچھے کر لیا اور پھر بیحد پھرتی سے ریوالور کی نال اپنی کنپٹی سے لگا لی۔
"کیا کر رہے ہو شوکت ــــ پاگل ہو گئے ہو کیا؟" عامر چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔
"نہیں شوکت بیٹا ــــ خدا کے لیے رک جاؤ۔" امّاں بھی لرزتے ہوئے چلائیں۔
"بھیّا ــــ نہیں بھیّا نہیں۔" کوثر ہذیانی انداز میں بلبلا کر چیخی۔
زرینہ نے گوداوری کے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔ لیکن یہ بھیانک اور دردناک لمحہ دیکھتے ہی وہ بلک کر کھڑی ہوگئی اور پھر چاہتی ہی تھی کہ شوکت کے ہاتھ سے ریوالور چھین لے کہ شوکت نے فوراً ٹریگر دبا دیا۔
"کٹ" محض اتنی ہی آواز آئی ــــ گولی نہیں چلی اور سب دم بخود

رہ گئے۔

شوکت نے دوبارہ سہ بارہ کوشش کی مگر ہر مرتبہ 'کٹ' کی آواز سنائی دی۔ کمرے میں واویلا مچ گیا۔ شوکت نے گھبرا کر اسلم کو دیکھا۔ وہ بچے کو پیار کرتے ہوئے شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"نہیں چلاتا؟" اسلم ہنسا۔ "چل ہی نہیں سکتا۔ پٹاخوں والا کھلونا ریوالور ہے یار۔"

سب نے اپنے رُکے ہوئے سانس اطمینان سے چھوڑ دیے اور شوکت کو دیکھنے لگے جس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

"اپنی طرح مجھے بھی بیوقوف سمجھا ہے کہ دونوں یاروں کو مرنے دیتا ــــ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو...."

فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی شوکت بُری طرح رونے لگا۔

"نہیں ــــ خدا کے لیے مجھے میرا پستول دے دو، میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

"زندہ تو رہنا ہی پڑے گا۔" اسلم مسکرایا۔ ہمارے لیے نہیں تو کم از کم اپنی بیوی اور بچے کی خاطر تو تمہیں زندہ رہنا ہی پڑے گا۔"

"مجھے مار ڈالو ــــ میں بہت گنہ گار ہوں۔" شوکت چیخا۔ "میں نے عامر کو پٹوایا، اس کی ماں کو تکلیف دی ــــ میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں کہ زندہ رہوں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو یار۔" اسلم نے آگے بڑھ کر ننھے سے بچے کو اس کی گود میں دے دیا۔ اسے ذرا سینے سے تو لگاؤ، کتنا سکون اور اطمینان حاصل ہوگا ــــ اس کے لیے تو زندہ رہنا ہی پڑے گا۔ دیکھو صورت تم سے ہی ملتی ہے، اور یہ بھی دیکھو کہ سالا اپنے باپ کو دیکھ کر کیسے مسکرا رہا ہے۔"

شوکت نے بیتاب ہو کر بچے کو سینے سے بھینچ لیا اور اُسے بار بار پیار کرنے لگا۔ گوداوری اس کے پیروں کو چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اشکبار نظروں سے اُسے لگاتار دیکھے جا رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو گوداوری، میں نے تم پر بڑا ظلم ڈھایا ہے۔" شوکت نے اُسے بھی اپنے سے قریب کر لیا اور گوداوری نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تاکہ معافی والے الفاظ وہ دوبارہ ادا نہ کر سکے۔

شوکت نے پھر بچے کو اس کی گود میں دے دیا اور دوڑ کر اماں کے قدموں پر گر پڑا۔ اور گڑگڑا کر اُن سے معافی چاہنے لگا۔

"دیکھ لیجیے اماں۔" اسلم ہنسا۔ "کتنا سعادت مند داماد ہے، آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہے۔"

"نہیں شوکت بیٹا نہیں" —— تمھاری جگہ میرے قدموں میں نہیں، میرے دل میں ہے بیٹا۔" اماں روتے ہوئے کہنے لگیں۔ "مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، جاؤ میں نے تمھیں معاف کر دیا۔"

اس کے بعد جو ہوا وہ قارئین خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ شوکت دیوانوں کی طرح بار بار ہر ایک سے معافی مانگتا تھا۔ ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا اور ندامت کے آنسو بہا بہا کر دوسرے کا شانہ گیلا کر دیتا تھا —— کوثر کو سینے سے لگا لینے کے بعد وہ عامر سے ایسا چمٹا کہ الگ ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ آخر کوثر نے اس کا بچہ پھر اسے لا کر دے دیا۔ شوکت نے بچے کو پھر سے بے تحاشہ چومنا شروع کر دیا اور یہ دیکھ کر اسلم نے پھر ہانک لگائی ——

"یار شوکت میں تو ماموں بننے کی خوشی میں آدھا پاگل ہو ہی گیا تھا۔ لیکن یار تم تو باپ بن کر پورے پاگل ہو گئے ہو —— کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہا، اگر غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھ سے ....."

فقرہ حسب توقع پورا نہ ہو سکا۔ کیونکہ انسپکٹر چند سپاہیوں کے ساتھ دوڑتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ارے آپ کیسے آ گئے انسپکٹر صاحب؟" اسلم نے چونک کر پوچھا۔

"میں ملزم کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔" انسپکٹر نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو سب پہلے ہی گرفتارِ وفا ہیں —— اب آپ کیا کریں گے۔" اسلم نے قہقہہ لگایا۔ "ہم نے تو جناب براتیوں اور قاضی صاحب کو بلایا تھا۔ آپ نے ناحق تکلیف کی۔"

انسپکٹر باری باری سب کو بیوقوفوں کی طرح دیکھنے لگا اور پھر اُس کی نظر دامودر پر جا کر ٹک گئی۔

"ہاں اسے آپ گرفتار کر سکتے ہیں۔" اسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ شخص کماؤں پولیس کو دو قتل کے کیسوں میں مطلوب ہے۔ اس کا نام دامودر ہے۔ ابھی ہم سب نے اس

کی ٹھکائی کی ہے۔ کیونکہ یہ ان خواتین اور عامر کو اغوا کر کے یہاں لایا تھا اور ان پر تشدد کیا تھا۔ حفاظتِ خود اختیاری میں اس کی اچھی خاصی مرمت کر دی گئی ہے۔"

انسپکٹر اور سپاہی بے ہوش دامودر کو اٹھا کر باہر لے گئے۔

"اب ہمیں دو عدد شادیاں کرنی پڑیں گی حضرات! ایک کوثر اور عامر کی اور دوسری گوداوری عرف عفت کی شوکت کے ساتھ —— ان کا پہلا وِواہ مندر میں ہوا تھا، مگر اب باقاعدہ نکاح گھر میں ہوگا —— کیوں اماں؟"

"ہاں بیٹا ضرور —— میں ضرور یہ فرض انجام دوں گی۔" اماں خوشی سے پھولے نہ سماتی ہوئی بولیں۔

"کوثر تو ابھی سے شرمانے لگی ہیں —— اور ہونے والے دولہا میاں، چلیے آپ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" عامر نے کوثر سے نظریں چراتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"کمال ہے! تم نے موٹر مکینک کا کام سیکھا ہے اور ڈرائیوری کی ہے، لیکن تمھیں یہ معلوم نہیں کہ تمھارے نٹ بولٹ ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ سر سے موبل آئیل رس رہا ہے پٹے کمانیوں میں بھی ضرب آئی ہے اور چیسز بھی ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ لہٰذا یہاں سے نکلو اور ڈاکٹر کے پاس چلو —— چلو شوکت، پکڑ کر لے چلو انھیں۔"

اسلم کی اس بات پر عامر نے دل کھول کر ہنسنا چاہا تھا کہ اچانک قہقہہ لگانے سے باز رہا۔ منہ پر گھونسے پڑے تھے اس لیے منہ دُکھ رہا تھا۔ جب شوکت نے اُسے آگے بڑھایا تو وہ آہ کر کے رہ گیا —— ٹانگ میں یقیناً ضرب آئی تھی۔ عفت نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"یہ کام تو آپ کو کرنا تھا۔" اسلم نے کوثر سے کہا۔ "خیر فی الحال تو عفت کو ہی سہارا دینے دیجیے۔ یہ بیچاری خواہرانہ محبت سے مجبور ہے۔ ویسے آپ کا نمبر بھی بہت جلد آنے والا ہے، پھر عامر کے جملہ حقوق آپ ہی کے نام محفوظ ہو جائیں گے —— بے فکر رہیے۔"

"آپ کی زبان نہ جانے کیوں قینچی کی طرح چلنے لگی ہے۔" کوثر نے جھینپ کر کہا۔

"کافی عرصے کے بعد بولا ہوں ہونے والی بھابی صاحبہ —— خدا کا شکر ادا کیجیے کہ اس وقت رات نہیں ہے۔ رات کو تو کوئی اور ہی جانور بولا کرتا ہے —— کیوں اماں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں تو بیٹے۔" سیدھی سادی اماں نے جلدی سے جواب دیا۔

"نہیں، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ مجھ سے فوراً کہہ دیجیے کہ بھائی اسلم تم غلط کہہ رہے ہو۔"

"بھائی ۔۔۔!" اماں نے اچنبھے سے اُسے دیکھا۔

"ارے باپ رے!" اسلم نے گھبرا کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ "یہ میں کیا بک گیا؟"

وہ تو تیزی سے باہر بھاگ گیا اور شوکت و عفت عامر کو سہارا دیتے ہوئے باہر لے جانے لگے ۔۔۔ اماں بہت خوش تھیں۔ خوش تو خیر کوثر بھی تھی، مگر اس کی خوشی میں گھبراہٹ کی آمیزش تھی ۔۔۔ وہ سب کے سامنے عامر سے کسی بھی طرح ہمدردی یا محبت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی ۔۔۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی ۔۔۔ لیکن جب اماں دروازے سے باہر نکل گئیں تو عفت نے شوخ نظروں سے کوثر کو دیکھا اور اُسے پیچھے کھینچ کر عامر کے قریب لے آئی۔ عامر کا بازو چھوڑتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔

"لو پیاری بھابی ۔۔۔ سنبھالو اپنی امانت۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن جواب میں کوثر نے اس کے پہلو میں ایک چٹکی بھر لی اور اس وقت عفت آہ کرنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی۔!
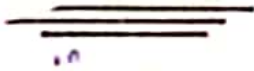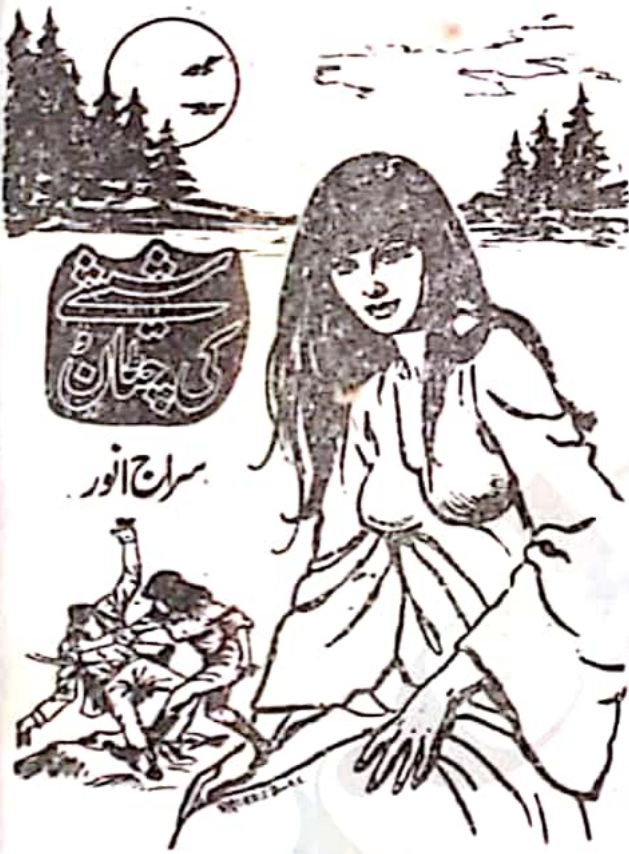
سراج انور کا لکھا ہوا ایک بیحد دلچسپ، بے نظیر جذباتی اور
رومانی ناول۔ ایسا ناول جس میں آہیں بھی ہیں اور سوز بھی قہقہے بھی
ہیں اور سسکیاں و آنسو بھی۔ ایسی سلگتی دہکتی محبت جس میں تپش بھی
ہے اور غم کی کسک بھی۔ جو آپ کے اپنے ہی دل کا نوحہ اور آپ کی
اپنی ہی داستان معلوم ہوگی۔ ایک ایسی مغرور اور خود پسند دوشیزہ
کی کہانی جو خود کو سب سے ارفع و اعلیٰ سمجھتی تھی۔ لیکن محبت نے
جسے عرش سے اٹھا کر عشق کے قدموں میں فرش پر لا ڈالا۔ ایک
ایسے لاابالی اور خوددار نوجوان کا فسانہ جو اپنی انا اور غیرت کو ہی
سرمایۂ حیات سمجھتا تھا اور جو حسن سے محبت کی خیرات مانگنا اپنی
عزت کے منافی جانتا تھا۔ مہم جوئی، سسپنس اور طویل سفر سے پُر
ایک منفرد انداز کا عظیم ناول جسے آپ بار بار پڑھنا پسند کریں گے۔
سراج انور کا یہ ناول جو شگفتگی، مزاح اور حسن و عشق کا
نرالا امتزاج ہے فوٹو آفسیٹ کی جدید طرز ۵۷۶ صفحات
کا یہ ضخیم ناول اور قیمت صرف ۴۰/ روپے (ڈاک خرچ علاوہ)
ایجنٹوں کو معقول کمیشن۔
شیشے کی چٹان
سراج انور